

ماہنامہ

بیادِ قیصر





رنگ و خوشبو کے حسن و خوبی کے  
 ہم سے تھے استعارے



آپ کی تصویر  
 آپ کی تصویر  
 آپ کی تصویر  
 آپ کی تصویر



عجب سے پانی میں نہ کا کہ  
 ہر گز نہ ہو کہ نہ کا کہ  
 ہر گز نہ ہو کہ نہ کا کہ  
 ہر گز نہ ہو کہ نہ کا کہ

میں نے اپنے دل میں کیا ہے



میں نے اپنے دل میں کیا ہے



ماہنامہ لاہور

11. *Phragmites australis* (Cav.) Trin. ex Steud.



1000

Confidential

1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26

1000

*Journal of Management Inquiry* 18(6)



100



\_\_\_\_\_



415

100



2000

12

102

4430

نور

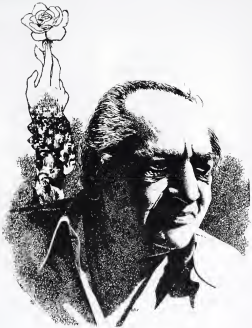
2002

509 2255

ادارہ مطبوعات پاکستان

81. كرمه لعل الخزامى جنته 33 ص 104

[illegible]





139	دارِ آغا	عالمِ سرِ ملوک
143	آغا بھر	"آگے کی رسم نے سولے"
147	جیلانی کامران	دگر ملوک
150	جیل ملوک	سے کامران ملوک
164	حیدر علی	"نورنگا کے سرور"
166	دکن ملوک	ملوک کی کامران
173	خاں ملوک	خاں سے کامران ملوک کاٹ
176	شاہی ملوک	ملوک کی کامران
181	دیو ملوک	ملوک فرماوی سے آستہ کہہ کہ "تک"
185		"فرنگیوں کی ملوک ہے"
187	یار ملوک	افغانی ملوک ملوک
199	کرشن ملوک	افغانی ملوک
202	قرآن ملوک	امیر ملوک
208	سرور ملوک	نورنگا
210	رام ملوک	جیل ملوک
213	نارنگا	جیل ملوک
216	نورنگا	جیل ملوک
223	نورنگا	جیل ملوک
226	نورنگا	جیل ملوک
231	نورنگا	جیل ملوک
236	نورنگا	جیل ملوک
245	نورنگا	جیل ملوک
249	نورنگا	جیل ملوک
252	نورنگا	جیل ملوک
192	نورنگا	جیل ملوک
193	نورنگا	جیل ملوک



اقتساب

آج کا نام

اور  
آج کا علم کا نام

آج کا علم کہ ہے زندگی کے عجیب گہرائی کے حفا  
زرد پتوں کا بن

زرد پتوں کا بن جو راد لیں ہے

درو کی الجھن جو راد لیں ہے

مکھڑوں کی افسردہ جہاز کا نام

مکھڑوں کی افسردہ جہاز کا نام

پوست پتوں کا نام

تاکہ دالوں کا نام

ریل جہاز کا نام

کارخانوں کے ٹکڑے جہانوں کے نام

بادشاہِ جہانوں والی مالِ کریم  
دریغِ جان کے نام

جس کے ذمہ دہ کو عالم بنائے گئے

جس کی بیٹی کو رُخسارِ عالم بنائے گئے

تاکہ ہر کیفیت کے ایک اُلفت پڑا رہے کاشی

دروازہ مالِ کریم کے کمر کا رہے کاشی

جس کی ہر ضرورتِ دلوں کے پاؤں پر

دریغِ جان بنائے گئے

اُن کو کھنڈِ مادی کے نام

رات میں جن کے تختے جلتے ہیں

نہیں کہ مار گھٹائے ہوئے بازوؤں کے سنبھلے ہیں

کہ کہ تباہی نہیں  
 منتوں زاریوں کے بلبلے ہیں  
 ان حسناؤں کے نام  
 جن کی آنکھوں کے ٹکڑے  
 چمنوں دور درخچوں کی پہلوں پہ بیکار کھل گئے  
 رہ گئے

اُنہ جا تاروں کے نام  
 جن کے بدن  
 بے محبت رہا کار سبکوں پہ پہنچ گئے اُن گئے  
 بھڑاؤں کے نام  
 کس کس کیوں کہہ گئے عکسوں کے نام  
 جن کے ناپاک خاشاک کے چاند

رازوں کو اُٹا اُٹا کر کھانا اُڑا دوں  
جب تک ساریں میری تھی جا آہ دیکھا

آنکھوں کی جانا  
چوڑیوں کی گنگنا  
کانکوں کی سسکا

آرزو مند سسکوں میں دچھ پسینے میں جھینکا  
پڑھنے والوں کے نام

وہ جو اسی پتھر کی طرح  
کے دردوں پر کتاب اور قلم  
کھانا کھانا نہ اُٹا تھے پھیلنے پھینچنے  
اور بوٹ کر گھر نہ آئے  
وہ محسوس جو بحر میں تھیں

۱۹۷۰ء میں اپنے نکلے جانے والے  
 ملک کے لیے جہاں  
 بے شمار تھکاوٹیں اور  
 اُن کی سیریں تھیں

جہاں کھیتوں میں  
 نیکو فائوں کی  
 جگہ جگہ

آوازوں کے  
 اور خوشبو کے  
 اپنے ہنسنا

میری

# فیض کی ایک یادگار تقریر

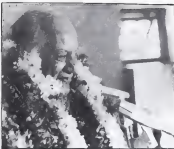
فیض صاحب کی فکر جو انہوں نے ماسکوس میں اقوامی لیگن امن انعام کی پڑھو تقریب کے موقع پر لکھ دی تھی۔

”محترم اراکین مجلس صدارت! خواجین اور حضرات!

اقوام کی تخلیق و ترویج شاعر اور ادیب کا پیش ہے۔ لیکن زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب یہ قدرت کام نہ آتی ہے۔ آج کو جان کا یہی معاملہ مجھے بھی درپیش ہے۔ ایسے کوئی اظہار میرے ذہن میں نہیں آ رہا ہے۔ جس میں میں اپنی عزت و فخری کے لئے لیگن امن انعام کی سونپنے کی بجائے اس کے حلقہ افسانوں ’دوستوں اور آپ سب خواجین اور حضرات کا شرفی خاطر خواہ طور سے ادا کر سکوں۔ لیگن امن انعام کی عظمت تو ای ایک بات سے واضح ہے کہ اس سے لیگن کا محترم نام اور مقدس لفظ دوست ہے۔ لیگن جو دور حاضر میں انسانی حریت کا سب سے بزرگ علم رہا ہے اور امن جو انسانی زندگی اور اس زندگی کے سمن و خونی کی شرف و مال ہے۔ مجھے اپنی فکر و عمل میں ایسا کوئی کام نظر نہیں آتا جس میں اعزاز کے شلالین شان ہو۔ لیکن اس عزت و فخر کی ایک جہ ضرورت میں میری آفتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس قدر اور آوازوں کے ساتھ مجھے دور میرے ساتھیوں کو اپنی دلی ہے لیکن اس اور آوازوں کی گناہ جو اسے خود اپنی عقیم ہے کہ اس واسطے سے اس کے حق پر اپنی

کار کی اپنی عزت و احترام کے متعلق غمیر ہے۔ یوں تو جتنی طور سے لیگن اور جرائم و جرم لوگوں کے علاوہ سب ہی جانتے ہیں کہ امن اور آزادی بہت قیمتی اور بڑا کام ہے۔ لیکن اس پر سب ہی تصور کر سکتے ہیں کہ اس کام کے تحریک ہیں اور سہ سے کے دوست لیگن کا آجکل ہے اور لیگن کے چلتے ہوئے ہاتھ اور کاظم ہے اور مصور کا سونے قلم اور آزادی امن سب مفادات کی ضمانت اور لیگن اس سب غریبوں کی قائل ہے جو انسان اور لیگن میں تیز کرتی ہیں۔ لیگن شعور اور اپنا انسانیت اور صداقت اور قدر و شجاعت لگی اور ہر آدمی اس لئے بظاہر امن اور آزادی کے حصول اور جمیل کے حلقہ ہوش مند انسانوں میں

انصاف کی گمان ہے۔ ہوا چاہئے لیکن ہر قسمی سے لیگن نہیں ہے۔ وہ اس لئے نہیں ہے کہ انسانیت کی ابتدا سے اب تک ہر جہد اور ہر دور میں مختلف مراحل اور قوتیں برسرِ عمل اور برسرِ کار ہیں۔ یہ قوتیں ہیں غریب و فقیر ترقی اور زوال دشمنی اور لیگن کی انصاف و انسانی اور انصاف و انسانی کی قوتیں۔ لیکن صدمہ آج بھی ہے اور اسی قومیت کی تکمیل آج بھی چاہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ آج کل انسانی مسائل اور گزشتہ دور کی انسانی انجمنوں میں کی گزشتہ دور کی سے فرق بھی ہے۔ دور حاضر میں جنگ ہے اور فحشوں کا ایسی خون خرابہ سراہا نہیں ہے۔ آج کل امن کے نوان لڑنے کا عالم مر رہا ہے۔ آج کل جنگ اور امن کے معنی ہیں امن و آرم











انہم۔ اس سے پہلے تو کبھی کو اس میں جاتے کی ضرورت نہ تھی ابھی باہر کی نہ پہلے دوسری کتابیں جو صاحب میں نہیں تھیں پڑھتے رہے اس لئے امتحان میں کوئی خاص امتداد حاصل نہیں کیا تھیں جسے معلوم تھا کہ جو لوگ حل ہم آتے ہیں ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں خود استاد سے خبر ان سے کم ہی نکول نہ ہوں۔ یہ بات استاد سے سادہ و سچی جانتے تھے۔ جب کسی استاد کا چھپے پودہ پھر انکسین پودہ پھر برقی چند کتاب پڑھا تھے لیکن اسے کوئی نہ پڑھا تو ہم سے کہتے کہ استاد سے بجاتے تم پچھرو ایک ہی بات ہے بات پودہ پھر بخاری کے نام سے کہتے تھے۔ پودہ پھر انکسین کے نام سے انکسین صوفی صوفی کا عزلی ادب تھا مگر انکسین اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لئے ہم سے کہا وہ تین پچھر چار کرو دوسرے دو دینی انکی اس کے استاد سے ساتھ تھے ان سے انکی کہا وہ دین میں پچھر تم لوگ بھی چار کرو کتابوں کے بارے میں کہ پودہ پھر آ کے کام سے پودہ لینا۔ چنانچہ ہم اس استاد ہم انی اس نے ہم سے

اگر انی خاموشی کے وہ ان میں ڈاکو کے زمانے میں نہیں کوئی خیال ہی نہ کرنا کہ ہم میں صوفی کے۔ سیاست و غیرہ اس وقت میں میں باہر میں نہ تھی اگرچہ اس وقت کی قریبوں کتابیں کاغذ میں قریب غلط قریب کاغذ تھوکی دھت پودہ قریب کے اثرات تو وہیں میں تھے مگر ہم خود ان میں سے کسی تھے میں قریب نہیں تھے۔

شروع میں خیال ہوا کہ ہم کوئی جاتے کہ کوئی جاتے نہیں کیونکہ انہیں سے کہ کتاب کا قافی تھا اور بہت کھیل کچے تھے ہماری پہلا استاد جانا چاہتے رہا شروع کرنے کا قافی تھا۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی۔ ہم کہ کوئی نہ تھے نہ استاد نہ پودہ پھر کی۔ بہت استاد ہو کہہ کر ترچے گئے۔

طاری زندگی کا شاید سب سے خوش گوار زمانہ امرتسری کا تھا کہ انقباض سے ایک تو اس وجہ سے کہ جب میں کئی دھڑ پڑھانے کا شروع تھا تو بہت لطف آیا اپنے طلبہ سے وہ انکی کا لطف ان سے ملے اور دوسروں کی رسم وہ استاد کا لطف ان سے کہہ سکتے اور انکسین پڑھانے کا لطف۔ ان انکوں سے وہ انکی ایک کاظم جب دوسرے یہ کہ اس زمانے میں کہہ سکتے تھے شعر گوشت شروع کیا کہ میرے یہ کہہ کر تری میں کئی بار یہ است میں خود ہی بہت سمجھتا اپنے بیکور کا کہی جو سے پودہ ہوئی تھی میں خود اظہار تھے ناگزیر رشید جہاں میں بعد میں ڈاکو کا پھر آ گئے تھے۔ پودہ کی دنیا کا بہت ہوئی۔ حور و در میں کام شروع کیا۔ سول لبرٹری کی ایک انکسین کی تو اس میں کام کیا۔ ترقی پند قریب شروع ہوئی تو اس کی تنظیم میں کام کیا۔ ان سب سے تھی انکسین کا ایک نام اس میں پودہ آیا۔ ترقی پند اب کے بارے میں ہمیں شروع ہوئی اور ان میں حصہ لیا۔ ادب لایف کی ادارت کی تنظیم ہوئی تو وہ تھیں یہ اس کا کام کیا۔ اس زمانے میں لکھنے والوں کے وہ نہ سے کہہ تھے ایک "ادب ہائے ادب" والے دوسرے ترقی پند تھے کی وہی

تک ان دونوں کے درمیان ہمیں پہلی رچی میں کی وہ سے کئی مصروفیت رہی جو ہمارے خود ایک بہت ہی دلچسپ اور تکنیکی وہ قریب تھا۔ یہ سٹیٹر میں ڈاکو شروع ہوا۔ ڈاکو میں استاد سے دست تھے۔ ایک سہ رشید احمد تھے جو ڈاکو میں پاکستان کے ڈاکو پکڑ کر حل ہوئے۔ دوسرے سہ ساتھ چپ تھے "جو آج کل ہندوستان میں شہر سیاست کے سربراہ ہیں۔ دونوں باری باری ہمارے ہمارے شعلیں ڈاکو پکڑ کر ہوئے۔ ہم اور ہمارے ساتھ شہر کے دو چار اور ادب ڈاکو پکڑ کر تھے" صوفی صاحب اور بڑی چند اختر و پودہ پھر آئے جاتے گئے۔ اس زمانے میں ڈاکو پکڑ کر ڈاکو پکڑ کر آتے پودہ پھر انکسین کا قافیہ کہ ہم ڈاکو کرتے تھے۔ انکی بائیں سوچتے تھے اور ان سے پودہ پھر مروت کرتے تھے انی ڈاکو ہم نے ڈاکو لکھنے پکڑ لکھنے وہ پودہ کیا میں انکسین یہ سب ایک مشکل مشق تھا۔ رشید جب دہلی چلے گئے تو ہم دہلی جاتے گئے۔ وہاں سے گئے لوگوں سے ڈاکو میں ہو گئے۔ دہلی اور کھنڈ کے کھنڈ والے کہ وہوں سے ڈاکو میں ہوئی۔ ہمارا سروراء چھتری "پاس ہمارا پکڑ لکھنے اور ہم مرحوم سے بڑے کئے اساتذہ ہند میں ابھی ہم سے ہاتھی کے علاوہ دھت پودہ پھر میں ہر طرح طریقہ کے لکھانے ہوئے۔ وہ ہمارا زمانہ مصروفیت کا بھی تھا اور ایک طرح سے سب بگڑی کا بھی۔

☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



بچوں میں گزرنے دے۔ یہاں انہیں اپنے دوست اہلب بیتی بچوں سے ملنے کی پہلا دعوت تھی۔ حتیٰ کہ وہ انہیں قلم بھی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ فیصل کی چشمہ لکھیں ان کے زمانہ قید کی یادگار ہیں۔

ہے اسی زمانے کی یادگار ہیں۔  
حیرا لیا، قلم بھی کی تو کیا تم ہے  
کڑوں دل میں آئی ہیں انہیں میں نے  
دل میں تو مگر ہے تو کیا کر دکھائی ہے

فیصل صحافت کے میدان میں: فیصل کی شخصیت صحافت کے میدان میں خوب گہری اور مردانہ پر نکلی۔ 1939-39ء تک انہوں نے آٹھ بار



”زندگی نامہ“ کی بہت سی نگینیں انہوں نے نگہری  
مستقل بکلی اور لاہور مستقل بکلی میں قیام کے دوران  
لکھیں۔ مارچ 1953ء سے مارچ 1955ء تک کی  
کئی جوائی نگینیں اس مجموعے میں شامل ہیں۔ ان کے  
یہ اشعار جن میں گہری حیات اور گہری کلام کا احساس جاتا

ہر ایک حلقہ دفتر میں وہاں میں نے  
سازاں کہیں کے خطبے میں قید ہے فیصل 20  
اپریل 1955ء کو لاہور میں۔ دوسری بار 1958ء میں  
کالج ایکٹ کے تحت گرفتار ہوئے اور اپریل 1959ء  
میں رہائی ملی۔  
”سنگ لیلیف“ کی ادارت کے قرائن اہام دینے  
1947-55ء تک انہار و دسراں میں دہائی کی  
مشیت سے شاعری اہام دینے۔ ان میں چند ایک  
قائل داکر ہیں۔  
روزنامہ پاکستان پائلٹ روزنامہ امرتسر خطبہ روز

لیکل و تھارڈ ہاس کے علاوہ فقیل صاحب جرحہ میں  
المرکز لیبٹری، راکارڈ فیلڈ ریش کے کوریج، سٹوٹس کے  
کافی مرصہ تک درپائل ہے۔

اعزازات: فقیل کو فنی خدمت کے  
دوران 1946ء میں ایچ۔ ایچ۔ ای کا خطاب دار۔  
1962ء میں فقیل کو فنی کونین انعام سے سرفراز کیا  
گیا۔ فقیل پہلے لیبٹری ٹیچر تھے جنہیں یہ عزت فقیل  
کی اور جس سے صرف فقیل کو تھیں اقوامی عزت  
اور خدمت حاصل ہوئی بلکہ پاکستان انڈیا اور اوروپا  
کا راکار بھی ملے ہوا اس کے علاوہ فنی انعام کے لئے  
بھی ان کا نام دے جانے کی تجویز ہوئی۔

سیر و سیاحت: فقیل نے انڈیا اور یورپ  
کے بہت سے ملک کے دورے کیے 49-1948ء،  
تک سان فرانسسکو اور جیٹا میں رہے۔ برطانوی  
1962ء سے دہری 1964ء کے دوران انگلستان  
دیں الجریا، مصر اور یوگنڈا کے طویل سفر  
کے۔

1958ء میں اپنا اور آخری کے دوروں کی  
پہلی کانفرنس باغیچہ میں ہوئی جس میں فقیل صاحب  
نے خرقی پندرہ ترک کے لیزا کی حیثیت سے شرکت  
کی۔

مطالعہ: فقیل علم دوست انسان تھے۔ مطالعہ کا  
شوق اور اس میں دھار دھار تالیف طے سے لے کر  
آخر وقت تک یہ شوق برقرار رہا۔ آپ نے سائنس فلسفہ  
تقدیبات، سیاسیات، تہذیب اور مذہب لائبرل پر موضوع  
پر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ جن اہم تصنیفوں کو  
انہوں نے چھاپا اس وقت کیا اور کتنا قہر ہے ان میں  
سے چند یہ ہیں۔

سرسید خاں کو لے کر "سائنس، فلسفہ، جہان نامے"  
برادارت "سفر الاقطار" "وسط" "نگل" "مادر" اور  
نظمیں۔

فقیل بحیثیت ڈراما نگار۔ فقیل نے  
1938-39ء میں لایپج کے لئے ڈرامے لکھے جو  
1940ء میں خیر بھنے اور پندرہ لکھے ان کے  
کامیاب ڈرامے ہیں: پانچویں بنگر فنی سناپ کی  
پچھلی لکڑیاں میرے آگے اب لفٹ مارنے میں  
شائع ہو چکے ہیں۔

فقیل کی فلموں سے وابستگی۔ فقیل کا  
تعلق فلموں سے گہرا ہے۔ انہوں نے فلموں کے  
لے گانے اور مکالمے لکھے۔ ایک فلم ہے "پاکو جا  
سویا" 1959ء میں فقیل کے لئے بنی ہوئی۔  
اس فلم کو تھیں اقوامی اعزاز دی گئی تھا کہ دوسری فلم  
ہے "دورے کھانا کھاؤں"۔

سماجی خدمات: تعلیم ختم کرنے کے بعد  
جب فقیل صاحب جرحہ کے سطح میں مقرر آئے  
تو ان کی عادت تھیں پچھلی پڑھیں جہاں پڑھ کر  
ڈاکٹر محمود اظہار اور دوسرے کیسٹ رجسٹرار سے  
ہوئی۔ اسی وقت سے وہ سائنس کی طرف مائل  
ہوئے۔ فقیل نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر رابطے  
ڈاک و جا کے دوروں کو مستحکم کرنے میں لیا  
کہ اور ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد فقیل لایپج میں  
کے ساتھ وابستہ ہوئے اور ایک مرتبہ لایپج میں  
کے صدر رہے۔ سچا فیسر کے ساتھ انہیں فنی پندرہ  
صحفیوں کے قیام میں حصہ لیا۔ فقیل نے تھیں اور سائنس  
فرانسکو میں مشفقہ آئی۔ ایچ۔ ای کے اجلاس میں  
شرکت کی۔ یہ فقیل کا جذبہ خدمت ہی تھا جس نے  
انہیں اپنے کل سائنس کے علاوہ فلسفہ سماج اور  
افریقہ مہم کی آزادی کی تحریک میں حصہ لینے پر مجبور  
کیا۔

فقیل کی تخلیقات  
شعری مجموعے

- 1- فقیل لایپج 1941ء میں پہلا مجموعہ نکلا
- 2- دسمبر 1952ء
- 3- زمیں نامہ 1956ء
- 4- دسمبر تک 1965ء
- 5- سرواٹھی 1971ء
- 6- شام شہر 1978ء
- 7- میرے دل میرے سفر 1981ء
- 8- کام فقیل 1982ء
- 9- کام فقیل 1982ء

نثری مجموعے

- 1- میراں (تھیں سناپ کی) لایپج 1962ء
- 2- صلیبی میرے دوست کے میں (مطلوبہ)  
1971ء
- 3- حیرانوں گھر 1973ء
- 4- لایپج کی نکلت 1975ء
- 5- مہاں کاٹل 1980ء
- 6- سفر نامہ 1974ء

دست چھو رنگ کے مطالعہ فقیل کے مجموعوں کے  
کی کی فنی شائع ہو چکے ہیں۔

تخلیقات: سچا ہے (پاکستانی فنی)  
مکالمے (فنی حارے) (علاقہ فنی)  
نثری ترمیم

- 1- اور دہری کا انتخاب
- 2- چاکلٹی گھر (اور اور چاکلٹی)
- 3- اقبال کی فنی

وفات: فقیل اور فقیل دہ کے مرض میں مبتلا  
تھے جس سے ان کا کئی کڑا کر رہا تھا۔ 18 نومبر کی  
رات کو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ ان کو چھانے کی  
چوری کاٹل کی گئی تھیں سناپ 20 نومبر 1984ء روز  
نظمیں اور میں ایک کڑا کر چھانے پر ہسپتال کے  
دست مہر ہل دہری میں فقیل اور فقیل کی شہادت گئی  
ہوئی۔



میرزا سلیمان شاہی







ہے ناہی میں بہت حد درجہ سادہ ہے۔ جو بچے کو  
 کھلی ہارم پلک میں کب آئے۔ انہیں سادہ سادہ  
 ہر سال ایک جیسے ہوتا ہے۔ جس میں مسلمانوں کے  
 بڑے بڑے لہذا آتے ہیں۔ ہمارے ہاں انہیں کے  
 صدر تھے ہادی مرچا پانچ سال کی ہوئی۔ وہ ہم  
 نے قرآن شریف مذکورہ قرآنی لکھا۔ جیسے  
 انہیں قرآن کرنے کے لئے کھڑا کر دیا گیا۔ ہم نے  
 پلے عام پر کھڑا کرنا قرآن شریف کی قلمی کرا انہیں کے  
 تکراری شیخ عبداللہ مولوی نے انہیں اٹھا کر سر پر کھڑا  
 کر دیا۔ وہاں ہم نے تھوڑی سی حاور۔ کی۔ یہ قلمی  
 ہادی پبلک اپیئر (Public Appearance)  
 ہمارے ہاں جو شہر کے رئیس تھے دوسرے ہمارے  
 وہاں کلٹر میں تھے اور نہ جانے کیا کیا تھے۔ وہ اپنی  
 کھنڈ کھنڈ کا ڈرائیونگ بائیس آتے تو ہمارے ہاں  
 ہمارے بڑے ہوائی ٹیبل اور چھوٹے ہوائی تھابت  
 چھوڑ کر ہمیں اپنے ساتھ دیکھتے تھے کیونکہ ہم انہیں  
 انگریزی بول جیتے تھے۔ ہمیں یہ سمجھا نہیں لگتا تھا کہ  
 اس طرح پبلک ایک سے بچیں میں ہی وہاں ہوں  
 گئے۔ جب ہم ساتویں انٹرمیڈیٹ میں پہنچے  
 بڑے ہوائی کے ہم جماعت تھے جو چھوٹے ہادی  
 جلسے سے کہنے کے کہ قلم شامی کی کتابیں جانتے  
 رہتے وہ کبھی شامی کی گئی۔ ہم نے کہا شامی تو کبھی  
 نہیں کی۔ کہنے لگے ہادی میں ایک کتاب ہے جو  
 نام۔ اس کی جاکھ۔ جو کچھ میں کہا۔ ہم نے اپنی  
 سیدھی لکھائی کی جو کچھ ہم کلاس میں طرح کا پتہ  
 اس طرح کا پتہ ہمیں اس طرح کی ہیں۔ انہوں  
 نے ہر چہ پی ڈی کہنے کے کہ قلم شامی۔ ان کے  
 سارے اسکول میں جو مشہور۔ کہی۔ ہمیں بہت  
 عامت ہوئی کہ کچھ نام کو بڑا ہوا ہو۔ ہم اسے  
 پاتے بھی نہیں تھے کہ کون ہے۔ دوسرا دوسرا اس  
 تک پہنچے۔ سوانی آگئی تو کہنے کہ "سوانی کبھی کسی تو

شکر کہ وہاں کہ آپ نے مجھے سادہ بے اسکول میں  
 مشہور کر دیا۔"  
 تو یہ قلمی شامی میں ہادی پہلی کو حاضری۔ ہر ہم  
 جب دوسری جماعت میں پہنچے تو ہمارے ماسٹر ہماری  
 اول نے ایک مصرعہ کہہ کر سب کو غول کہنے کی  
 دھمکی دی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "تو تھے۔ ہادی  
 غول کو پہا انعام ملے۔ حالانکہ میں کہتا ہوں کہ غول  
 کے آگے سر سے وزن سے خارج ہے۔ جس کا خلاصہ  
 نے غول کو پہا کہیں ایک دوسرا خلاصہ یہ ہے کہ  
 قلمی میں داخلہ آج تک یہ خلاصہ ہوا ہے۔  
 انگریز حریف کہہ غول کے بارے میں جانتے  
 کہ آپ کہتے تھے؟  
 لیکن جب 1989ء میں لڑائی شروع ہوئی  
 اس وقت ہمارے جو سیاہی دوست تھے انہوں نے کہا  
 یہ سامراجی جنگ ہے۔ حالانکہ اس سے کوئی واسطہ نہیں  
 ہے۔ حالانکہ میں نے "بھارتی ہونڈ" قلمی چھ  
 کی قلمی اور چھتے ہادی ہڈ کے لوگ تھے خاص طور  
 سے کیسٹ اور پولیسٹ ان سب کو انگریزوں نے  
 والا کیسٹ میں شکر نہ کر دیا تھا۔ ہمارے ایک بڑے  
 دوست جیسے ملک قلمی میں پبلک انٹرنیشنل امریکی کر  
 پٹے گئے تو انہوں نے بہت چاہا کہ ہم قلمی میں پٹے  
 جائیں مگر ہم نے انکار کر دیا کہ یہ انہیں غلام کی جنگ  
 ہے ہم اس میں شریک نہیں ہوں گے۔  
 اس دوران میں بی بی سی نے اس سلسلہ کے  
 کچھ پروگرام شرماء کے۔ افضل (موجودہ لاہور سٹی  
 (موجودہ) انڈیا ڈی بی سی سے ملے۔ وہ گئے۔  
 ڈی بی سی انڈیا انڈیا تھے۔ ان کا ہارنیا کہ بی بی سی  
 میں آہا۔ ہمیں ان دنوں سر سر میں بنگلہ کے طور پر  
 ایک مہینے وہ بنگلہ ملی قلمی۔ تو ہمارا سبیل لکھا کہ  
 اس ہمارے سے لکھیں۔ کچھ نہیں۔ ہم نے انہیں  
 نہیں دیکھا تھا۔ انہیں انگریز خاتون سے شادی کر چکے

تھے۔ انگریز خاتون سے شادی کرنے کے لیے  
 انہیں جانے کی دھمکی تھی۔ انہیں اپنی قلمی اور خود  
 آگئی تھی۔ دل کھاتا کہ دھمکی کے ساتھ ساتھ  
 ہوا تو کچھ جگہ میں داخلے نہیں کے "یا ہر سز  
 ہادی کے کہیں بہت سونے چاہے کہ ہادی ہم نے ہر کچھ  
 دیا کہ ہم اس جنگ میں انہیں غلام کا ساتھ نہیں دیں  
 گے۔ ہر سزوں نے وہی پہلو کر دیا دوسری طرف  
 ہادی احمد حسن کی سرحد تک آگئے۔ ہمارے  
 دوسروں نے کہا کہ ہادی جنگ کے خوف کا مسئلہ ہے یہ  
 قلمی جنگ ہے۔ یہاں شرم سے خوف جنگ تو ہادی  
 چاہیے۔ غول میں ہم اس طرح گئے کہ شام کو ہم۔ چاہے  
 یہ قلمی کرنے کے لئے گئے تھے کہ وہاں قلمی سے  
 ملک کا قلمی آگیا کہ قلمی آگیا ہادی آگیا ہادی سے ہاتھ نہ  
 میں کچھ کہا۔ دوسروں سے مشورہ کیا تو سب نے  
 اجازت نہ دی۔  
 قلمی میں انگریز نہ جیتنے کے سامنے قلمی کیا  
 کیا تو اس نے کہا "تمہاری سی آئی ڈی کی قلمی  
 ہمارے سامنے ہیں پر گئی ہے اس پر ہمارا ہے  
 "You are advanced communist"  
 (تم ایک ذہنی دوست کیسٹ ہو)  
 میں نے بچھا  
 "What is a retarded communist?"  
 (کہا کہ ایک ذہنی دوست کیا ہوتا ہے؟)  
 کہنے لگے خیر مجھے اس دھمکی کی چہ وہ نہیں ہم  
 کام کر گئے۔ ہم نے کہا ہادی کہیں کا جب ہم  
 اس طرح قلمی میں آگئے۔  
 انگریز حریف آپ نے ہادی کا قلمی کی کہیں  
 بھی تو کبھی قلمی تھے گئے تھے۔  
 قلمی ہادی۔ قلمی ہادی میں ہادی تھے۔ بہت سے  
 قلمی نے گئے تھے۔ قلمی ہادی۔  
 ☆ ☆ ☆

## ”میں کرکٹر بننا چاہتا تھا“

کرشن گوئل فیملی صاحبہ! اگلی جال ہی میں ایک اعتراف میں آپ سے پوچھا گیا تھا کہ آپ یہ تائید کر ایسے کون سے سوال ہیں جو آپ سے نہ پوچھے جائیں لیکن میں اس کے بالکل برعکس کہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے ہنگاموں بڑا دل اندر دے رکھا ہے۔ آپ ایسے سوال تائید نہیں جو آپ نے ہمیشہ سوچا ہو کہ کاش مجھ سے کوئی پوچھے اور میں اس کا یہ جواب دوں۔ ایسا کوئی سوال ہے؟

فیملی! سچی بات یہ ہے کہ ہم تو اعتراف دینے کے فائل ہیں لیکن ہیں۔ اور کام تو صرف کہنا ہے۔ ہم سے کوئی کیا سوال پوچھتا ہے کیوں پوچھتا ہے ہم نے کبھی سوچا نہیں کیا۔ جو کئی کوئی سوال کرے ہم جواب دینے کو تیار ہیں۔ آپ پوچھ رہے ہیں کہ کوئی ایسا سوال جو ہم سے کرنا چاہئے تھا اور میں اس کا جواب دینا چاہئے تھا۔ یہ ادا سوچنے کا نیچے موقع دیجئے۔ اگلا سوال کیجئے۔

کرشن! آپ نے اگلی کہا ہے کہ میرا کام کہنا ہے اچھا تو ہر یہ تادیبجئے! آپ نے شعر کہنا کب شروع کیا تھا؟

فیملی! شعر تو شاید میں نے بچپن ہی میں تک بڑی شروع کر دی ہو گی۔ جس کا ہم نے کبھی کوئی ریکارڈ نہیں رکھا۔ لیکن یہی کہی گئی ہے کہ اس وقت کہنا شروع کیا تھا جب ہم گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئے۔ یہ بات 1929ء کی ہے ہم قمر آباد انٹر میں

پڑھتے تھے جب پہلا مطالعہ گورنمنٹ کالج کا ہوا۔ میں۔ کالج کے اس مشاعرے میں شعر کے نامود شعراء حضرات تشریف لائے تھے۔ آج کل جو فرنی مطالعے کا رواج مل لگا ہے اس زمانے میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ کالج میں ایسا ہوتا کہ جو بڑے بڑے شعراء جوتے تھے وہ کچھ کرکٹوں پر بیٹھتے تھے اور ہمارے جیسے اگلی شاعر بننے کی کوشش میں ہوتے تھے

وہ سامعین میں بیٹھتے تھے۔ اور ہادی ہادی ان کو پکارا جاتا تھا کہ ہم نے مطالعہ میں پڑھا تو گورنمنٹ کالج میں ہی شروع کیا تھا۔ کوئی بار ہم نے نرل چمکی تو بہت دوا لی۔ اس مطالعہ کی سادہ سادہ بطوری جاری صاحب کر رہے تھے۔ پہلے دور میں بہت دوا لی تو دوسرے دور کے لئے کئی میں بنایا گیا۔ عمر ہمارے اس تو صرف ایک ہی نرل تھی۔ ایک بار ہمارے ایک دوست راج موہن نے اپنے ایک دوست کے نام ایک محکمہ لکھام سے کھویا تھا جو کہ ہم نے تم کر کے کہہ دیا تھا۔ ہم نے مجھ کو دوسرے دور میں وہ محکمہ عطا پڑھا۔ اس کے بعد مطالعہ فہم ہوا تو چراغ صبر حسرت صبری حسرت اور میرا کب تک جیسے بھ پائے صاحب فن اور اعلیٰ قلم ہمارے پاس آگے لکھتے گئے کہ محکمہ ہوتا ہے بدل کو بہت بڑھ گیا ہے۔ میں نے کہا ”قی ہاں گی تو ہے۔“ کہنے لگے ”اس بھی رنگ بہت اچھا ہے شعر کہا کریں“ ہم نے کھما کہ ہم تو دوا لی شاعر ہو گئے ہیں جو اس قسم کے بچنے کے لوگ نہیں

مراد ہے ہیں۔ یہ ہے ہمارے شعری طر کا آغاز۔ کرشن! اگلی آپ نے کہا کہ کسی زمانے میں آپ تک بڑی کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں کبھی خیال آیا تھا کہ آپ شاعر ہیں؟

فیملی! کبھی بھی نہیں۔ اس وقت تو ہم کرکٹر بننا چاہتے تھے۔ اپنی خواہشات کا دائرہ یہاں تک ہی محدود تھا۔ کرشن! شاعری کے علاوہ آپ پہلے کب سے اور اخبار کے ایڈیٹر بھی۔ آپ فوج میں بھی رہے۔ ان سب کے باوجود آپ کا شاعری سے ہلے برقرار رہا۔ یہ تائید ملے کہ عاز حوں میں آپ کیسے چلے گئے۔ مطالعہ میں آپ کیوں اور کیسے گئے؟

فیملی! جب جوتی نے دس پہلے کر دیا اور باپانی بعد حوں تک لکھے تو ہم نے سوچا کہ اب تو فائز کا سوال ہے۔ پانچریوں کی حمایت کا سوال نہیں ہے۔ وہ ایک مائیکر فونک تھی کا فائز کے خلاف اور مجھ سے بے حق میں۔ اب ہم نے سوچا کہ ہمیں فوج میں شامل ہونا چاہیے اور مجھری قدموں کی تھالی کے لئے ہمیں بھی ہاتھ دونا چاہئے۔ کرشن! اس کے بعد ہر آپ نے سیاست میں بھی حصہ لیا؟

فیملی! سیاست میں تو ہم نے فوج میں ہانے سے پہلے ہی حصہ لیا شروع کر دیا تھا۔ وہاں کر جب ہم 1935ء میں سسر میں پڑھاتے تھے تو

اگر اسے ساتھ ایک ادارہ ملے یعنی کار خیر عام سے  
 عاجز اور محروم نظر میں کی جگہ نہیں ڈالو  
 دیکھ جائے۔ وہ لوگ اگر اسے ساتھ تھے۔ محروم نظر  
 نے ہم سے کہا کہ ہم نے انھوں میں بددستی قری  
 بند مستقبل کی ایک ایسی افشائے قیام کی ہے اور اب  
 چاہتے ہیں کہ وہ عظیم بددستی میں بھی قیام کی  
 جائے۔ کیا تمھیں اس میں کوئی پہنچی ہے تو ہم نے کہا  
 ہمارا ہم ضرور کام کریں گے۔ یہ ادارہ سے شاپ کا  
 زمانہ طور اور افشائے فکر کا مرض بھی لاحق ہو چکا ہے  
 جہاں سے کہا پھر وہ یہ ماضی پھر کے پھر سب  
 فضول بات ہے۔ دیکھنا کہ وہ جو ہیں ان کی توصیف  
 زیادہ سمجھیں۔ یہ یہ قہار ماضی کا چھوٹا سا معاملہ  
 ہے۔ انھوں نے ہم کو سکھایا کہ کیا نام ہے یہ تو بہت  
 معمولی سی چیز ہے۔ دیکھ کر کہ دیکھ کر دیکھ کر انھوں  
 کے اپنی قوم کے اور اپنے ملک کے۔ ان کی چٹا کے  
 بارے میں جسیں سوچنا چاہیے۔ اگر اپنے لئے سوچتے  
 وہ کہ تو یہ خود مرضی کا عمل ہو گا۔ چنانچہ یہ شعر ادارے  
 اسی زمانے کی یادگار ہے۔  
 "سوداگی فلم میں زمانے میں محبت کے ساتھ"  
 کرشن دیکھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب آپ نکل  
 میں تھے وہ زمانہ آپ کی شاعری کا سب سے زرخیز  
 زمانہ تھا؟  
 فیصل اب ناکل ٹھیک ہے کیونکہ نکل خانے میں  
 اور کوئی مصروفیت نہیں تھی کوئی اپنا کھٹ نہیں ہوتی  
 تھی۔ فیصل کا زمانہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سے خلق کر لیا  
 جائے۔ جیسے خلق میں خود کو نہ شعر بننے چلے جاتے  
 ہیں۔ انسان ہذا بات کی ذرا شبہ بہ کر لکھا ہی چا جاتا  
 ہے۔ نکل خانے میں بھی ایسا ہی ہے جیسا آپ نے  
 "ادارہ خلق کر لیا"۔ نکل میں میرا یہ خلق شاعری سے  
 تھا۔  
 کرشن عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آپ

نے انجانی میر پراد کا سہا پہن لڑکی گزائی ہے کیا  
 آپ بھی ایسی ہی سمجھتے ہیں؟  
 فیصل: میر پراد ٹھیک ہے لیکن کا سہا پہن نہیں  
 کہہ سکتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ میر پاٹھیا چوسال کے بعد  
 انسان کو اپنا کام دل لیتا جاتا ہے جسے ہم نے پہلے پاٹھا  
 سال پر علو پر پاٹھا سال لڑائی کی تو کرسی کی۔ ہمارے  
 کے بعد پاٹھا یا چوسال صافیت کی ذرا کر رہے۔ اس  
 کے بعد پاٹھا سال نکل خانے گئے۔ اس کے بعد ہم  
 نے کچھ کام کیا تھا سال باہر کر رہا۔ ہم سمجھتے ہیں  
 کہ آئی لو کی ایک مدت میں نکل خانہ بنا چاہتے۔  
 کرشن کوئی ایسا کام ہر آپ کرنا چاہتے تھے  
 اور وہ نہیں تھا؟  
 فیصل ایسے تو بہت سے کام ہیں جو ہم کرنا  
 چاہتے تھے اور نہیں ہوئے اور ایسے بہت سے کام بھی  
 ہیں جو ہم نہیں کرنا چاہتے تھے اور وہ ہم نے نہ کیے۔  
 ہم سمجھتے ہیں کہ کام میں کرنا چاہتے تھے وہ ہمیں لئے  
 نہیں کر پائے کہ میں کام کر کے کی صحت میں نہیں  
 ملی۔ خطا ہم یہ چاہتے تھے کہ شاعری کو مجبور کر ادب  
 خاص طور پر انوار شاعری کے سیاسی اقتصاد اور سماجی  
 دشمنوں کے بارے میں ہم کے دینے کہ ہم نہیں کرنا  
 فرما لیتے اور کیوں بدلتی رہی۔ ملک زمانوں میں خطا  
 بدلنے کے لیے اور کیوں ہم لیا۔ دیگر جوں کے آنے  
 کے بعد ہفت کیسے وہ ادارہ پھر۔ ادارہ سے پار وائی تاریخ  
 تو کھلی تھی گی ہے لیکن وہ سب سگی ہے۔ اس میں  
 اولیٰ مساوات پر غور کیا گیا ہے اور ادب کے جو  
 معاشرتی اقتصاد اور سیاسی رشتے ہیں ان پر زیادہ  
 غور نہیں کیا گیا۔ ہم چاہتے تھے کہ کھینکے کے ساتھ دین  
 کر اس خاک کو کر لیا جائے۔ یہ کافی لباہر صحت طلب  
 کام ہے جو ہم بھی سمجھتے تھے۔  
 کرشن ان جوان شاعروں کو آپ شاعری کے  
 بارے میں کیا مشورہ دیں گے؟

فیصل: شاعری کے بارے میں نہیں مشورہ  
 ہیں۔ پہلا مشورہ تو یہ ہے کہ نہ کہ کھینکے دل سے  
 "سوداگی" کی کہنے کی بات سے مت کھینکے۔ ہذا شاعر  
 مت کھینکے۔ ادب کی خاطر مت کھینکے حتیٰ کیا سہا پہن کی  
 خاطر بھی مت کھینکے۔ جو دل سے بات نکلتی ہے وہی  
 کھینکے۔ اگر دل سے بات نہیں نکلتی تو مت کھینکے۔ دوسرا  
 مشورہ یہ ہے کہ انسان کی اپنی اداست تقریری چیز ہے۔  
 اداستے تم کیا لالہ لگے۔ اداستہ ہو کہ ہے وہاں ہری  
 سے آتا ہے تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا کیا ہے تو  
 باہر کی بات کے میں نکلتے ہیں ایک تو آپ کی اپنی  
 اداست کا حلقہ ہے۔ خواہ آپ یہ کیا گزری اور آپ یہ جو  
 گزری ہے اس کا آپ کے لوگوں اور آپ کی قوم پر کیا  
 اثر ہوا ہے۔ ان عناصر میں آپ حالات کا جائزہ  
 لیں۔ یہ تو قیام اور مریں میں بھی ہے انسان کی نظر ہوتی  
 چاہیے اور دوسرا آپ کو اپنے ماضی حال اور مستقبل پر  
 بھی نظر رکھنی چاہئے۔ یہ میرا مشورہ جیسا کہ ماضی  
 سے ہمارا کہہ رہا تھا حال میں ہم کیا کر رہے ہیں اور  
 مستقبل میں ہمیں کونسا راستہ پر چنا ہے ان پر  
 بھی نظر رکھنی چاہئے۔ ہر بار کرکھیں ہائی شاعری خلق  
 ہے جس سے معاشرے کی خدمت ممکن ہوتی ہے۔  
 کرشن آخر میں انہیں فیصل صاحب آپ سے  
 درخواست کہ ان کا کہنا کوئی تازہ ہکا نہ بنائے۔  
 فیصل: ابھی ہم کرکھ گئے تھے کوئی پاٹھا چوہینے  
 ہوئے تو وہیں جو حکم نہ دیکھا اور ہم پر گزری وہ  
 ہم عرض کر رہے ہیں۔  
 انہیں لگاؤ میں حوصلہ تو جتنی ہی سہی  
 نہیں دھال بھر تو آزاد ہی سہی  
 لازمی تو ادب ہے ہے ہمارے ہی سہی  
 کہ انھوں سمجھیں ہے تو جب تک اسے دل  
 کسی کے وعدہ فرما کی کھینک رہی سہی  
 ☆☆☆☆

## فیض سے ایک گفتگو

حضرت اردو ادب میں آپ کا ایک مندرجہ مقام ہے۔ اور اس کے علاوہ عالمی ادب پر بھی آپ کی نظر ہے اور ادب پر کم و بیش تسلیم بھی کر لیا گیا ہے کہ روایت اچھے ادب کی اساس ہے۔ مگر ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ کیا مشرق کی ادنیٰ روایت مغرب کی روایت کا مقابلہ کر سکتی ہے؟

فیض مخاطبہ یقیناً کر سکتی ہے اس لیے کہ ہر ملک کی روایت جو ہے وہ اس ملک کے مزاج کے مطابق، حالات کے مطابق اس ملک کے مذہب اور مگر کے مطابق اس کا ادب بھر جائے ہوتا ہے۔ یہ کیا بہت مشکل ہے کہ اس ملک کی روایت اچھا ہے اور اس ملک کی روایت گھٹا ہے۔ ان میں پہلی یا کتری کا مقابلہ نہیں ہو سکتا بلکہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں کیا چیزیں مشترک ہیں اور کیا مختلف۔ اس بنیاد پر ان میں گتلی ہو سکتا ہے۔

مثال کے طور پر ہندوؤں زیادہ فیض زیادہ مبالغہ اگر بڑی شاعری کا ہے۔ ہندی شاعری اور ان کی شاعری کا فرق انہی باتوں اور ان کی باتوں کا فرق ہے۔ اور یہ مگر اور ان کے مگر کا فرق ہے۔ ہمارے یہاں صدیوں تک ایک ہی نظام قائم رہا جس کو ہم دہائی شاعری یا جاگیردارانہ نظام کہتے ہیں اور اس جہ سے ہمارے طرز زندگی میں بہت زیادہ داخلی تبدیلیاں نہیں ہوئیں۔ مغلوں کے آنے سے پہلے وہاں کیجے کہ مسلمانوں کے

آنے سے پہلے وہاں انہیں بھی بکارتی تھی۔ لوگ آتے رہے اور اپنی اپنی تہذیب اپنے ساتھ لائے رہے۔ ہر کسی کے آنے کے بعد زبان و ملی شاعری کے علاوہ مختلف علوم پر اثر چڑھا لیکن مسلمانوں کے آنے کے بعد کوئی بڑا انقلاب نہیں آیا۔ جب تک مگر چلے آئے اس دوران ایک بڑا فرق یہ آیا لیکن سرحدیں اٹھارویں صدی کے بعد پھر سے الفاظ میں اگر زبانوں کے آنے کے بعد اوجھڑا شروع ہوا۔ ہندی تہذیب کا بھی اور ہمارے مگر کا بھی۔ اردو شاعری اس عہد میں اپنے عروج کو پہنچی۔ عام طور سے ہوتا ہے کہ جب کسی تہذیب کا عروج ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ادب صرف ادب بلکہ تمام فنون کا بھی عروج ہوتا ہے۔

اردو شاعری کی ایک نئی شکل مختلف مکتبہ ہے کہ اس کا عروج اس وقت ہوا جب ملک کی تہذیب کا ملک کے مگر کا ملک کی شکست کا اور ملک کی سیاست کا خطہ بدامور پانچا زوال ہو رہا تھا۔ حضرت اس عہد کے جو شعراء تھے۔ آپ کے خیال میں ان کا کیا مقام ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کیا ان کی اپنی کوئی روایت یا نظریات تھے؟

فیض: اس زمانے میں یہ دو تین سو سال کا قصہ ہے۔ اٹھارویں صدی سے لے کر بلکہ سترہویں صدی کے اخیر سے انیسویں صدی کے نصف تک جو شعراء ہیں وہی اردو کے داخلی شعراء ہیں۔ انہوں

نے اپنے اپنے طریقے سے اس زمانے کا جہنگی معاشرہ تھا اس زمانے کی جہنگی ثقافت تھی اس زمانے کی جہنگی مادہ تھی اس کو اپنے اپنے انداز سے منظر کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ اس وقت کوئی بڑا انقلاب نہیں آیا اس لیے اس عہد کی شاعری میں ایک طرح کا تسلسل ہے۔ اس میں ایک بنیادی کیفیت ہے۔ جن کی فلم کی اور دنیا کی سہ جہانی کی۔ یہ بات واضح طور پر انگریزوں کے سامنے آئی ہے۔ یہ کیفیت اس عہد کی روایت ہے۔ اب دیکھنا اس عہد کی روایت کا تو ہر اچھے شاعر کی اپنی نظریات ہوتی ہے۔

حضرت: آپ اس عہد کے کس شاعر سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں؟

فیض: ایک حد تک تو آدی ہر ایک سے متاثر ہوتا ہے۔ حضرت مجھے ہم اردو شاعری کی کھانگی روایت کہتے ہیں وہ آپ کے خیال میں کس شاعر سے شروع ہوئی؟

فیض: جہاں تک اردو شاعری کی روایت کا تعلق ہے۔ روایت شروع ہوئی وہی دکنی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی اردو شاعری موجود تھی مگر جس کو ہم اردو کی کھانگی روایت کہتے ہیں وہ ان سے شروع ہوئی۔ ان کے بعد پہلے بڑے شاعر میر پیدا ہوئے۔ میر کی ہندو روایت تھی اس میں دردمند اور دینا سے جو ایسی کا عالم تھا۔ ان کے مطالعے میں

فیض احمد فیض  
اور  
کرشن کمالہ



فیض احمد فیض کے ساتھ رحمان  
اور وہی اختر کراچی



ڈاکٹر منظور امی  
فکیل شغائی  
متیر یازی  
فیض احمد فیض  
احمد عظیم قاسمی  
ڈاکٹر سلیم اختر اور  
سعادت سعید



فیض احمد فیض  
احمد عظیم قاسمی  
ڈاکٹر سلیم اختر اور  
شبنم کھلیل



فیض احمد فیض اور  
سرفراز اقبال

تھوڑے اور بڑے جو کہ چھوٹے اور بڑے تھے۔ ان کے لئے زیادہ جان دار شاعر تھے۔ ان دونوں کی ایک ایک روایتیں ہیں کہ ان کے اقتدار سے بھی اس لیے کہ شاعر کی زبان سادہ و شیریں، مٹھنی اور ہندی قرار تھی۔ اس کے برعکس سوزا کی زبان زیادہ پر شکوہ۔ زیادہ زور دہ اور قاری نرا تھی۔ خیالات اور مضامین کے اقتدار سے بھی دونوں مختلف تھے۔ سوزا جو تھے وہ زیادہ غلبہ دیتے پند تھے۔ جو لوگوں پر گہرا اثر تھا۔ ان کی زبان زیادہ دکائی کرتے تھے۔ مگر زیادہ دلچسپی پند تھے۔ یہ دونوں روایتیں ساتھ ساتھ سمجھیں۔ اس کے بعد یہ اہم ہوتا ہے۔ جامع طور پر دیکھتے ہیں کہ ان کی شاعری کا نام ہے۔ ان کے آثار میں بڑا شاعر پیدا ہوا ہے۔ اس عہد کے خاتمے پر پیدا ہونے والے۔ انہوں نے سادہ اور کاغذ کا شاعر کر دیا۔ اس روایت کا جو تقریباً سو سال سے چل رہی تھی۔ ایک طرح سے خاتمہ میں اس کا خلاصہ ہوتا ہے۔ غالب کی شعری روایت کے تین پہلو ہیں ایک تو باطنی کے بارے میں باطنی کتا اجماع ہے اس کا ضمن اس کی طوابعیت۔ وہ جذبہ جس سے وہ واقف تھے اور وہ ان کی آنکھوں کے سامنے منظر تھی۔ ان کی طرح سے اس کا سرچشمہ غالب نے لکھا۔ ان کی شاعری کا دوسرا پہلو ہے حالی اس میں چاہیے کہ سوزا سادگی اور انسانی کا مضمون ہے۔ تیسرا پہلو ہے عقلی اس میں امید بھی ہے اور خوف بھی۔ ایک کیفیت ہے کہ پانچوں باب کیا ہونے لگا ہے؟

حضرت زبان کے حوالے سے روایت کا قصہ کہیں کہیں طرح ہو گا؟

لیکن جہاں تک زبان کا قصہ ہے کہ وہ غالب نے کوشش کی قاری کے ساتھ جو ادارہ شروع کیا تو

تیار کر کے ان کے اس کی وجہ سے لئے استعارے کی تشبیہیں 'نیا طرز بیان' غالب نے حریف کو دیا۔ اس کے بعد انگریزوں کا عہد ہے۔ انگریزوں نے باقاعدہ دور سے جانے ایک نکتے میں اور ایک دہائی میں اور ان کی مدد سے انہوں نے یہ کوشش کی کہ وہ ایک دہائی سے بہت کہیں جو انگریزی شاعری ہے اس کی تقلید میں اس کے نمونوں کی شاعری کریں۔ چنانچہ حالی اور آزاد نے کہا کہ کیا کہہ سکتے ہیں ان مضامین کے جو پہلے شاعر لکھتے آئے ہیں یعنی مکہ دل کی باتیں، نگہ گرد وچل کی باتیں، ان سب کی بجائے دوسرے کی باتیں لکھیں۔ لیکن شاعری 'سوشل شاعری' شاعر کا خیال زیادہ مسائل کا موسم دیکھو۔ یہ بالکل نئی ہی بات تھی۔ یہ ایک ایسی شاعری تھی جو لوگوں کے دل کو بھی گنتی تھی۔ دارالافتاء سے اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ انہیں ضرورت سے دلچسپی تھی اور زیادہ مسائل سے۔ نتیجے کے طور پر یہ شاعری جو کہ انگریزوں کی نقل میں شاعر کی تھی ان کی تھوڑے دنوں میں ختم ہو گئی لیکن اس شاعری کا ایک پہلو تھا۔ ملک کے معاشرتی اور سیاسی حالات کی جھلک بھی شاعری میں آئے گی اور اس سے نئی شاعری کا آغاز ہوا۔

حضرت اس دور کا سب سے بڑا شاعر آپ کے خیال میں کون ہے اور نئی شاعری کی ابتدا کہاں سے ہوئی ہے؟

لیکن اس دور کے سب سے بڑے شاعر چنانچہ اقبال ہیں جو اس دور کے افریقہ آتے ہیں۔ دیکھیں؟

پھر وہ بھی شاعر ہے وہ نہ صرف حالات کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ کسی حد تک ایک طبقے کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ جگہ جگہ سے زیادہ انداز ہوتا ہے۔ اس طبقے کے خیالات اس کے مضامین

اس کی ادبیات شاعری میں داخل ہوتی ہے۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے یہ طبقہ سوزا، سوزا اور انہوں کا طبقہ تھا۔ اس کے ختم ہوتے ہی اقبال کا اس آگئی۔ ان کی شاعری جو ہے اقبال تک اس متوسط طبقے کی شاعری ہے۔ ان میں ایک نیا سہا سہا شعور پیدا ہوا۔ قومیت کا جذبہ آزادی کا جذبہ اور اس زمانے میں جو انگریزی شاعری کی تقلید ہوئی ہے وہ اسی اگلے اگلے تھی کہ بیشتر شعرا انگریزی سے تقریباً واقف تھے لیکن بعد میں لوگوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی مغرب سے چاہے کہ آئے انہوں نے غور و فکر اور مطالعے کے بعد انگریزی کو اور انگریزوں کے شاعروں مثلاً Methods کا پتہ لیا اور انگریز کی شاعری پڑھ لی۔

حضرت اس عہد کو جہاں پر انگریزوں کا دور کیا جا سکتا ہے۔ بالکل برعکس ان کے خلاف ہو گئی ہے۔ ان کی ہوتے۔ حالی اور آزاد سے شروع ہو کر ان انگریزوں کی شاعرت کی طرح ہو گئی ہے۔

لیکن شروع شروع میں دراصل حالی اور آزاد 1935ء کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے انگریزی شاعری کو سمجھا کہ ان کا انداز نگاہ ان میں سے کون سے گروہات ایسے تھے جو ہندی زبان کی مداح میں داخل تھے ہیں۔ انہیں ہم ان کی شاعری میں سوزا کر دیا کہہ سکتے ہیں۔ اس عہد کے بعد عقلی گروہات شروع ہوئے اس سے پہلے کے گروہات عقلی تھے۔ عقلی گروہات نے انہوں میں ان کے ہر واقعہ اور تجربہ کی۔

حضرت تعلیمی گروہ کہنے والوں میں بہت کم ہیں۔ لیکن حالی اور آزاد کے علاوہ ان میں خورشید بھی شامل ہر گز نئی اور ان کے علاوہ ان کی حضرت آپ کے خیال میں شاعری میں کئے گئے

ہوئے پانچویں اپنی قسمت منہ دکھائی، رایت کی  
تواضع کرتے رہنا چاہیے؟  
فیض کوئی بھی گرجہ اس وقت تک بھابھ نہیں ہوتا  
جب تک اس میں رایت کا جو براہ اس کی درایت نہ  
ہو۔ یعنی جو بے کی مثال دلی ہی ہے جیسے ایک  
نما سراج ایک تہ اور دھندلے سے اور اس کے  
لئے مناسب زمین اور موسم کے علاوہ اس کی جڑ  
کے پھیلنے اور پھولنے کی کھائیں بہ مناسب مقدار  
میں پانی اور حساب ہو، کوئی گرجہ اس وقت تک  
کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں پانی نہ  
ہو۔ جہاں تک رایت کا تعلق ہے، وہ اس وقت  
تک نہیں پہنچی، جب تک وہ بے موسم کا  
خیال نہ رکھے۔ بے قاعدگی کے تجربوں کی بنیاد  
پختہ ہیں اگر یہ چاہئے، پڑے وہیں تو جی بھلا  
پہلے ان کا ہاں ہے تو میرا ہاں ہے۔

ضرورت ایک ذہنی سوال۔ آپ نے اپنی شاعری کے  
اندیشے اور میں کی شاعریوں کا اثر قبول کیا؟

فیض جب شاعری شروع کی تو اس وقت کے بے کمال  
مشہور شاعر تھے ان کا اثر اپنا حلقہ 'آختر شیرانی'  
ضرورت سمجھائی۔

ضرورت جو قلمی آزادی؟

فیض جو قلم کا آزاد کام نہیں تھا۔

ضرورت علامہ اقبال کا؟

فیض یوں تو اس عہد میں پھر۔ علامہ نے اقبال کا اثر  
تھا اگر جہاں تک براہ راست میرا تعلق ہے وہ  
میر کی نو جوانی کا زمانہ تھا اور اس زمانے میں عام  
طور سے ہر شاعر وادبی شاعری کرتا رہا ہے اس  
لئے اس زمانے کے جو ادبی شاعر تھے 'آختر  
شیرانی' 'سرت سہانی' حقیقہً بے جا شاعریوں کا اثر  
تھا اور وہ تو شاعر کا ہر ہے کہ اگر چہ ان کے ساتھ  
بھی تھا تھا۔ اس زمانے میں اگر چہ ان کے بھی

مشہور شاعر نہیں ہو چکے تھے انہیں کاروان تھا  
ان کا بھی اثر تھا۔ مگر ان میں وہ رستہ سبک رانہ  
تھے اور ان کا اس وقت کا آخر شیرانی کے شاگرد  
تھے ان سے قریب تھے۔ ان کی ادبی کی سیر  
سے ان کا بھی اثر تھا۔ مگر کے ماحول کے پیش نظر  
قاری شاعری کا اثر بھی تھا۔ اس کو درکار میں  
عربی چلی اس لیے عربی شعراء سے بھی تھوڑی سی  
واقعہ تھی۔

ضرورت اور خیال؟ آپ نے اپنی شاعری میں کون سی  
چیز ہے؟

فیض پتہ ان کی بات ہے۔ کسی نے پہنچ کر دیا تو  
اپنی میں شاعری کر کے دکھائی۔ ہم نے کہا  
کہ چھانکوا۔ پتہ ہیں اپنی میں بھی لکھ سکے۔

ضرورت اپنی کے علاوہ آپ نے اپنی زبان کو  
کھلا کیا؟

فیض اپنی کی خاص بات ہے کہ بہت سے مضامین  
ایسے ہیں جو کہ صرف اپنی میں لکھے جاسکتے  
ہیں۔ آپ انہیں اردو میں نہیں لکھ سکتے۔

ضرورت آپ کا انداز ادبی شاعری کی طرف ہے۔

فیض ایسی ہیں۔ حمایت شاعری اردو میں ہو ہی نہیں  
سکتی۔

ضرورت آپ کے اس زبان پر لکھنا وہاں کا خیال ہے  
کہ آپ نے اس کا کردار کو منہ سے پہنچایا ہے۔

فیض میرا خیال ہے کہ اس میں حد سے کی تو کوئی  
بات نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں ہے اس میں۔ ہر  
زبان کا اپنا حواض ہوتا ہے۔ اردو جو وہ شاعری  
زبان ہے وہ گاؤں میں بولی ہی نہیں جاتی۔ کسی  
بھی علاقے کے دیہات میں اردو نہیں بولی  
جاتی۔ آپ ادبی سے چند میل باہر چلے جائیں۔  
وہاں لوگ اردو نہیں بولتے۔ لکھنؤ سے تھیں ہار  
میل باہر چلے جائیں وہاں بھی اردو نہیں بولی

جاتی۔ وہاں کی زبان اگر بولتے ہیں کڑی بولی تو  
کبھی بولتے۔ آپ انہیں حمایت بولی نہ لکھتے ہیں۔  
عمر اور نہیں۔

ضرورت آپ کا مطلب ہے کہ اردو کی ادبی زبان  
نہیں ہے؟

فیض جی ہاں۔ اس میں شاعری میں لکھنا نہیں کرنا  
خاص شاعری زبان ہے۔ وہ جہاں میں کسی بھی  
نہیں لکھتی جاتی۔

ضرورت آپ نے کی جڑ کھدائی ہے کہ اگر آپ کو شاعری  
کرنا تو ناگہب شاعر کر سکتے ہیں مگر لکھنا،  
ادبیت لکھنا نہیں۔

فیض بالکل نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ  
بے خاص ہیں۔ بے خاص ناگہب کی ہے۔ وہ  
ہے کہ اپنی اردو میں نہیں لکھنا نہیں جاتا  
اردو لکھنے کی کھائی رایت ہے۔ ناگہب

ذہن اور ادب کی سادہ سادہ بیکاری ہو سکتی  
ہے۔ صرف اردو شاعری کے لیے سوا نہیں ہے۔  
ضرورت تو میرا آپ نے اپنی شاعری کی طرف کیوں  
رجوع کیا؟

فیض جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ اصل مضامین  
ایسے ہیں جو صرف اپنی میں لکھے جاسکتے ہیں۔  
اگر آپ کسی کہیں کے لیے شعر لکھنا چاہیں تو وہ  
اپنی میں لکھا جاسکتا ہے۔ اردو میں نہیں۔

ضرورت آپ کا مطلب ہے کہ آپ کے کہیں کہیں؟  
فیض جی ہاں۔ کہ آپ کے کہیں کے لیے نہیں بولی  
کہ کہیں کے لیے آپ اردو میں نہیں لکھ سکتے  
نہ کڑی بولی میں لکھنا پڑے گا۔

ضرورت آپ نے اپنی شاعری میں کس طرح کے  
تجربہ کیے؟

فیض لکھنا، تجربہ شعر لکھنا ہے ساتھ ساتھ ہے۔  
ضرورت آپ کی پیش شاعری شاعری شاعری ہے کہ



آپ کے خیال میں "نظریہ" سامنے رکھ کر اپنا شعر کہا جاسکتا ہے؟  
 فیض میرا ایک نظریہ ہے مگر نظریہ کو سامنے رکھ کر انسان شاعری نہیں کرتا۔ وہ نظریہ شاعری کا جزو بن جاتا ہے بلکہ آئی کی لپٹی ذات کا جزو بن جاتا ہے۔ اسے سامنے رکھ کر کہنے کا سوال نہیں اٹھتا۔ شاعری ایک مضمون سامنے رکھ کر نہیں کی جاتی بلکہ مضمون وہ شاعری اور ذات قلب اس کی ذات کا حصہ بن جاتا ہے جسکی وہ شعر کے ادب میں ذمہ دار ہے۔

حضرت اسی سے یہ کہا جاسکے کہ کوئی ایسا شاعر نہیں ہے جو کل ایک مضمون نظریہ کو سامنے رکھ کر شعر کہتا ہے؟  
 فیض کہیں نہیں ہیں ایسے بھی شاعری جو نظریہ کا شعر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت ایک عام خیال ہے کہ جو بھی ترقی پسند شعرا تھے وہ سب نظریاتی شاعری کرتے تھے۔

فیض نظریاتی شاعری سارے ہی شعراء کرتے ہیں۔ ہر شاعر کوئی نہ کوئی نظریہ تو ہوتا ہی ہے۔ خالی الذہن تو کوئی نہیں ہوتا۔ نظریہ کا مطلب یہی تو ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو اس زاویہ سے دیکھتا ہے اور کہتا ہے اچھا۔

حضرت ترقی پسند فرما رہے ہیں مگر ترقی پسند فرما کر کے شعرا میں آپ کے ذہن کی بلندی فری کا ہے؟

فیض ترقی پسند فرما کر کے شاعروں اور ادوروں میں بلندی فرقی یہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے کو معاشرے کی طرف اشارے کے ساتھ کچھ ایک خاص زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں ہے کہ ترقی پسند شعرا کو معاشرے کے شعریات کی ممانعت ہے یا ان پر قید لگائی گئی ہے کہ وہ مضمون مضمون پر نہیں لکھ سکتے۔ فرقی صرف یہ ہے کہ ترقی

پسند شعرا کو عقل کرتا ہے کہ آج کی دنیا کی جو بھی حقیقت ہے اس کو ذات داری سے پیش کرے۔ اس میں ہر طرف سے آج کی آزادی ہے اس میں اپنی حاشی بھی شامل ہے اس میں سب سے زیادہ اہمیت ہے "سب سے زیادہ اہمیت" شامل ہے اس میں ہر طرف سے آزادی ہے اس میں سب سے زیادہ اہمیت ہے "سب سے زیادہ اہمیت" شامل ہے اس میں سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ یہ صاحبِ چرخوں کا جلال کے شعر ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس میں سے یہ نکال دو اور نکال شامل کرلو۔ اس میں سے حاشی نکال دو اور نکال چھوٹا کرلو۔

حضرت آپ نے "تھو سے پہلی ہی محبت مرے محبوب نہ لگ" بھی نہیں لکھ کر حاشی کو شاعری سے نکال نہیں دیا۔

فیض (مکملی اپنی اپنی محبت مرے ہاتھ میں نکال کر کہتا بھی تو ایک طرف سے حاشی کا اعتراف ہے۔ بات صرف اہمیت کی آہلی ہے۔ کہ "کب" کی محبت ان سے مسائل اہم ہیں اور ان سے غیر اہم غمناک بلکہ کچھ ہوتے ہیں۔ ایک طرف سے انہار کی مثال لے لیتے۔ یوں تو دنیا بھر کی خبریں ہوتی ہیں "خبر اخباروں کے پاس ساری خبریں اچھی جاتی ہیں" مگر سب خبریں تو نہیں سمجھتی۔ یہاں صاحب تو یہ بتاتا ہے کہ کون سی خبریں سمجھیں گی اور کون سی نہیں اس کے بعد یہ فیض ہوتا ہے کہ کہ فر کے لیے کتنی بڑی سڑکی ہو۔ ہم اس کو پہلے سٹپر پر چما دیں گے یا پھر سٹپر پر نہیں لگائی میں ہی ہوتا ہے۔

بعض چیزیں آپ کو اہم نظر آتی ہیں اور بعض چیزیں اہم ہیں۔ میں تو آپ زیادہ اہمیت نہیں دیتے انہیں جو بھی لگتا ہے وہ بھی اہم ہے اس کو تو آپ ہر صورت بیان کریں گے خواہ وہ

حاشی ہے "خواہ وہ حاشی راست ہے" خواہ وہ غور ہو۔ وہ مکان ہے "خواہ وہ ایک خوبصورت محل ہے۔ اگر آپ کا گھر ہے تو آپ اسے بیان کریں گے مگر یہاں اس کو اپنی اہمیت نہیں دے گے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے وہاں نہیں۔ اس کی اہمیت اپنی جگہ ہے اس کی خوبصورتی اپنی جگہ ہے انہیں اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ کون کی ذاتی چیز ہے کسی کی اہمیت زیادہ ہے اور کون کی احساسِ شاعری میں قریب ہے اور اہمیت میں کتنا ہے۔

حضرت جب کوئی مضمون آپ کے ذہن میں آتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ زیادہ اہمیت دیتے ہیں اگر ہے؟ اس بات کو یاد رکھنا کہ

فیض عبادی خود ہی ان میں کوئی فرقی نہیں ہے۔ ہوتا ہے کہ جب کوئی شعر کہتا ہے تو مختلف ذہن میں مختلف طرح سے شعراء دیتا ہے۔

حضرت آپ کے ذہن میں پہلے کیا آتا ہے پہلے اس کا کچھ؟

فیض میرے خیال میں پہلے ذہن میں ایک عقل پیدا ہوتی ہے اور تب یہ سوچتے ہیں کہ اس عقل کو کتنا کچھ ہمارے لیے پہنچا جاسکے۔ کبھی ایک ذہن ذہن میں آجاتی ہے تو کبھی ایک انجانہ سے پہلے انجانہ آتا ہے جیسے ایک غم کے بارے میں میں نے لکھا تھا۔ "زندگی کی ایک تمام۔"

حضرت یی ہاں۔ بہت خوبصورت غم ہے۔ فیض میں نے اس کا تجزیہ کیا تھا۔ وہاں میں سب سے پہلے تمام ذہن ہمارے ہاتھ میں آتا ہے کہ کچھ نظر آتے ہیں۔ کچھ نہیں آتا تھا کہ اس انجانہ لکھنوں میں کچھ اچھا ہوتا ہے۔ بہت سوچ کر خیال آیا کہ اس کا تمام اس کے چاندلم سے تعبیر کیا جاسکے اور مصرعہ بن گیا۔

زندہ انداز ہی ہے رات  
آئی بات وہاں میرا آگے تو فرما کی آگے زدن بھی آگیا۔  
پھر کوشش کی کہ اس کو آگے بڑھایا جائے تو پھر  
تالیف بھی زدن میں آگیا۔ رات کا قافیہ ہے پھر  
سوچا کہ اس کا بیڑن کیا ہو۔ دو تین مصرعے ہو  
گئے تو بیڑن بھی بن گیا۔

حضرت کہو اللغات آپ کی شاعری میں بار بار آتے  
ہیں۔ مثلاً غزل و سلاسل بہار زدن میں آؤ گھبرا  
موسم اور بہت سے دوسرے الفاظ۔ کیا یہ الفاظ  
اشعوری طور پر آپ کی شاعری کا انداز ہیں جزوی  
جانتے ہیں یا غیر شعوری طور پر آپ انہیں استعمال  
کرتے ہیں؟

فیض باطل شعری طور پر۔  
حضرت میرا مطلب تھا کہ جس طرح کچھ حرکات و  
سکناات اشعوری طور پر ہماری شخصیت کا حصہ بن  
جاتی ہیں، کیا اس طرح کچھ الفاظ بھی پھر ہمیں  
طور پر ہمارے انجیبا کا لنگ بن جاتے ہیں؟

فیض شاعری میں مانتا آدمی کچھ بھی نہیں کرتا۔  
شاعری میں آپ سب کچھ شعوری طور پر کرتے  
ہیں۔ بار بار اگر کوئی لفظ آپ کی شاعری میں آتا  
ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اگر آپ کو بار  
بار رہتا ہے۔ دلدردن۔ ظاہر ہے کہ جب سے  
دارالکتاب جانا ہے دلدردن کے علاوہ کچھ بڑا ہی  
نہیں ہوا ہے یہاں۔

حضرت آپ ان کے علاوہ بھی تو کچھ تہذیبی الفاظ  
استعمال کر سکتے تھے؟

فیض ٹھیک ہے۔ تہذیبی الفاظ استعمال کیے جاسکتے  
تھے مگر ان کے صحیح تو فنی ہوتے۔ قسم بھی  
استعمال ہوتا ہے۔ زغاں بھی استعمال ہوتا ہے  
عقل بھی استعمال ہوتا ہے مگر غور تو یہی ہے کہ  
دارالکتاب میں زغاں اور قسم بھی تقریباً آتی

ہی کیا رہا ہوگا عقلی یا دلدردن۔ چوتھے کی بات  
ہے۔ یہ تو ایک کیفیت ہے۔ لیکن دلدردن کی  
زغاں کی قسم کی عقلی دلدردن دھماکا اس  
کے مقابلے میں زیادہ بڑی۔ کشتاں دلدردن اس  
قصید کا دھماکا اس ہے۔ ایک طرف یہ ہے اور  
دوسری طرف وہ۔ ظاہر ہے دونوں گجرات ایک  
دوسرے سے لاتے ہوئے ہیں اس لیے یہ الفاظ  
بار بار آتے ہیں۔

حضرت آپ کی شاعری کا قصور آجک ہے یہ مکرر  
ایک طرح سے آپ کی پہچان بھی ہے۔ اور اس کو  
ایک خوبی سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر جب بھی مکرر  
ہمیں جاز میں نظر آتی ہے تو وہ صحیح بن جاتی  
ہے یا کیا کہیں؟

فیض تھوڑی شاعری تو بہت مختصر ہے۔ اس کو وقت ہی  
فہم ہوا۔ میں نہیں سمجھتا کہ الفاظ کی تکرار سے کوئی  
غای نظر آتی ہے یا نہیں۔ بات یہ ہے کہ اس  
میں کیا آتا ہے۔ انہیں ہے کیونکہ ان کی شاعری کی عمر  
بہت کم رہی۔ انہوں نے جب شاعری شروع کی  
ان کا یہاں مجموعہ ”آجک“ شائع ہوا جو چار پانچ  
سال پر محیط ہے۔ اس کے بعد انہیں وقت نہیں  
ملتا۔ کہنے کے ذاتی حالات اس قسم کے ہو گئے  
کہ وہ زیادہ نہیں لکھ پاتے اور جیسے کبھی یہاں  
کی شاعری اپنی پہچان کو پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی  
تھیں جتنی بھی ہے ان کی شاعری وہ بہت  
غریب رہے۔

حضرت سردار شعلی کے بارے میں ایک عام خیال  
یہ ہے کہ وہ صرف ایک انقلابی شاعر ہیں۔ ان کی  
شاعری میں ماحول کے خلاف ماحول ہے۔ کیا  
آپ بھی ایسی سمجھتے ہیں کہ ذرا انقلابی شاعر  
ہیں یا ان کی شاعری میں اس کے علاوہ بھی کوئی  
جہت ہے؟

فیض میں انہیں انہیں ہے۔ شروع شروع میں تو انہوں  
نے صرف انقلابی شاعری کی، بعد میں ان کی  
شاعری میں بہت تبدیلی آئی ہے۔  
حضرت ان کی آواز کی شاعری چار چار پر محسوس ہوتا ہے  
کہ وہ آپ کے رنگ میں ضم ہو رہے ہیں۔

فیض ان کا رنگ تو اب ایک عام رنگ بن گیا ہے جس  
کا دارالکتاب دلدردن دوسرے کوئی بھی رنگ کی کافی  
بھارت نہیں ہوتا۔ بلکہ ہوتا ہیں ہے کہ وقت کے  
ساتھ ایک عکس اور ایک عام قسم کی آواز ایک خاص  
قسم کا مستند و عقلی ہو جاتا ہے جس سے اس سید  
کا مزاج بنتا ہے۔ کسی نے اس کو پہلے اختیار کر لیا  
اور بعد میں وہی رنگ عام ہو گیا۔

حضرت مگر آپ تو بہت سے لوگ آپ کے رنگ میں  
شاعری کر رہے ہیں۔ آپ کے اعداد کا پتا دے  
ہیں۔

فیض میں نے عرض کیا تھا جب کسی عہد کو عکس یا  
استعداد مل جاتا ہے اور لوگ شاعر کے مصداق  
اس کی انقلابی ادراکات کسی عہد سے آجک کو اپنی  
ضرورت کے مطابق پاتے ہیں تو اس کو زیادہ  
استعمال کرنے لگتے ہیں اور پھر ایک خاص انداز  
کی شاعری ہونے لگتی ہے۔

حضرت لیڈر انٹرنیشنل نے اپنے ایک مضمون میں  
لیڈر شخصیت کے اعتبار کا نام نہیں بلکہ شخصیت  
سے گرج کا نام دیا ہے۔ کیا آپ اس خیال سے  
متفق ہیں؟

فیض نہیں۔ شخصیت کا نام سے مراد اگرچہ سماجی  
نہیں ہے اور لیڈر عالمی یا انٹرنیشنل کے نام  
میں بہت جگہ آتی ہے لیکن اگر انسان صرف اپنے  
داخلی تجربات یا اھماکا کرے تو وہ بات اپنی پرستی  
آپنی ذاتی ہو جائے گی کہ کسی دوسرے کو اس میں  
دلچسپی نہیں ہو گی۔ دوسرے لوگ کسی تجربے میں

دلچسپی اس وقت لے سکتے ہیں جب وہ خواہش میں شریک ہو سکیں۔ اس اعتبار سے آپ اپنی ذات کو الگ دیکھ کر خوش کریں گے کہ آپ کی ذات کا وہ حصہ جس میں دوسرے بھی شریک ہو سکیں اس کا اعتبار کریں۔ اور وہ حصہ جو صرف آپ کی ذاتی بات ہے جس سے دوسروں کو کوئی فائدہ نہیں اس کو الگ دیکھیں۔

ضرورت سمجھا آپ، اچھے سے اتفاق کریں گے کہ آج کے جدید شعراء صرف ذاتی شاعری کر رہے ہیں۔ ان کی شاعری کا محور ان کے ذہن سے ذاتی قسم کے داخلی تجربات ہیں۔

فیض دیکھئے انسان کی ذات اپنے ماحول اپنے معاشرے سے الگ تو کوئی چیز نہیں ہے۔ جدا جدا معاشرے ہیں جن میں کے مسائل ہیں ان سے کوئی بھی شخص اپنی ذات کو باہل الگ تو نہیں کر سکتا۔ ایسا ناممکن ہے اگر خوش کر کے یا غرض آپ اپنی ذات کو ناہموار معاشرے سے الگ کر سکیں تو پھر آپ کا جو، ذاتی دینداروں کے لیے مکمل ہو جائے گا۔ اگر آپ کے پاس میں کا کلام پڑھائے اور آپ اس کا ذکر کریں تو دوسرا کسی حد تک اسے محسوس کر سکتا ہے کہ کتنا پیچیدہ ہے سچی تکلیف ہوئی ہے لیکن اگر آپ سادہ سی تفہیم بیان کرنے چاہتے ہیں تو ناگوار طریقہ بھیہا نہیں دیکھیں سے بھیہا کسی وقت بھیہا تو اس سے دوسروں کا کیا واسطہ۔ شاعری اس حد تک تو مفروضہ ہے کہ آپ اپنے ہر کے کہنے کا ذکر کر رہے ہیں لیکن اس گرجے میں اور لوگوں کا گرجہ بھی شامل ہونا چاہیے کہ وہ اس میں داخل ہو سکیں تو اس میں کوئی سکڑاؤ نہیں ہے۔ وہ تاہم ہے کہ ہر آدمی کی ذات کے میں مرکز ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی ذات ایک اس کا ساتھ اور ایک سادہ یا جو

اس کی ہم مصر ہے۔ جتنا اس کی فکر کا دائرہ وسیع ہوگا، جتنی دور تک وہ کیے سکتا اچھی بری اس کی شاعری ہوگی۔ جتنا چاہتا ہو گا اچھی چھٹی اس کی شاعری ہوگی۔ یہ تسلیم کر سب کہ اس کی فکر دلچسپی ہے۔ آزادی دیکھتا تو اپنی فکر سے ہی ہے مگر اہم یہ ہے کہ اس کی فکر جتنی کہاں تک ہے۔ اگر کسی کو یہ نظر ہی نہیں آتا تو یہ نظر سے کیا ہوگا۔

ضرورت یہ کہ لوگ اپنی ذات کے حوالے سے ذہن کو دیکھتے ہیں۔

فیض بڑی خوشی سے دیکھیں مگر جب ان کو یہ نظر آئے گا بھی تو دیکھیں گے اہم چیز دیکھنے والی فکر ہے وہ کیا دیکھتا ہے بعد کی بات ہے۔

ضرورت تھی شاعری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

فیض وہ سب ایک طرح کے ہیں جس طرح طرح کے شاعر ہیں۔ ان میں سے کچھ اچھے شاعر ہیں اور کچھ برے شاعر ہیں۔ سب کو ایک دماغی سے تو نہیں پا لیا جاسکتا۔

ضرورت سمجھا، انا اور وہ دو تان کے ہیں یہ شعری طرز تھا۔ آپ کی آواز، ہاشی طراز کمال ہیں۔ غرض ان میں قادیان شاعری اور شعریاد ہیں۔

فیض: (غصہ کر کے) بھائی میں کسی شاعر سے لڑائی کے لیے چلا نہیں ہوں۔ آج کے جتنے بھی شاعر ہیں ان سب کو ایک خانے میں تو رکھا نہیں جاسکتا تھی نسل میں جو بھی شاعری شروع کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ یقین ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ چاہے جانے کا اور دوسرا سب میں دہ جائے گا۔ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں کچھ بات ہیں اس میں اسکاں نظر آتا ہے، مکمل میں اسکاں نظر نہیں آتا لیکن کسی کے بارے میں یہ یقین ہے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ان شاعر ہیں

ہے گا۔ اس لیے جو وہاں شاعری کے بارے میں رائے قائم کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔

ضرورت آزاد شاعری میں ایک اہم اور مستند نام۔ م راشد کا ہے، انہوں نے بہت خوبصورت نظمیں لکھی ہیں، ان کی شاعری کو آپ اردو کی ادبی تاریخ میں اضافے سے سمجھ کر رہے ہیں یا محض ایک گرجہ کا نام ہے۔

فیض: راشد کی شاعری کے لحاظ سے پہلے ہیں اور اس کے مختلف دور ہیں۔ ان کی شاعری بڑی ایک اشارہ ہے۔ ان کی بہت سی شاعری سادہ سادہ شاعری ہے عملی تجربہ نہیں ہے۔ اس لیے اب وہ ادبی دور میں محض شامل ہیں۔

ضرورت: اگر ایسا ہے تو ان کی شاعری آپ کی شاعری کے مقابلے میں کم اور ہے کی کہ ان شعروں کی پہلی ہے اور اس کے علاوہ آپ کی تخلیق زیادہ کیوں ہوئی ہے اور ان کی تخلیق مقابلہ کیا کریں؟

فیض: اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ راشد یہاں آئے نہیں زیادہ دیر باہر ہے۔

ضرورت: عمران کے شعری گھر سے آئے۔

فیض: ہاں لیکن زیادہ عرصہ انہوں نے بدلتا میں گزارا اس لیے ان کا دھڑ نہیں رہا یہاں کے لوگوں کے ذہن کے ساتھ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر بعد کی شاعری ہے وہ عام چہل چلنے والوں کے لیے اتنی مشکل ہے اتنی سبب ہے کہ وہ اس سے لطف اندوز نہیں ہو پاتے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اس سے لطف اٹھانے کے لیے بہت سا مطالعہ کرنا چاہیے بہت سی کتابیں چھنی چھنی انھوں نے قاری بھی آئی ہے، قصیدہ ہی مگر یہ بھی آئی ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے چہل چلنے والوں سے فاصلہ بن سنا۔ لوگ ان تک نہیں آتے

پاسے ہرستہ دیاں تک۔

صورت ان۔ ہاں شاعری کی شاعری کے بارے میں بکھار  
تائیگی۔

فیض (بیکہ سوچ کر) راضی بہت اچھے شاعر تھے  
بہت تہہ در تہہ تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ  
انہوں نے بہت سے مشکل تجربے کیے مگر اس  
زبان میں کیے جس سے بچہ فک و ہنس ہاں نہیں  
تھے۔ مگر یہی کہ وہ تنگ فہم لوگوں نے انہیں مان لیا  
لیکن زبان اور خیالات کے حوالے سے وہ لوگوں  
تک ٹھیک سے نہیں سمجھ سکے۔ اس کی فہمی ہو  
سکتی تھی کہ وہ جس تک تک سے بہرہ رہے۔

صورت اب تیرائی کے بارے میں۔ انہوں نے  
جواہر میں گیت کہے ہیں کیا وہ اردو گیت کی  
دعوت میں ایک تہہ تھے یا اصل ایک تجربہ؟

فیض تجربہ کوئی نئی چیز نہیں ہے مگر گیت حوالے  
یہاں کوئی نا تجربہ نہیں تھے۔ یہ پہلے سے کہے  
ہو چکے تھے مگر شاعر نے اس کا ان تک۔ ہاں  
جج میں ایک ایسا وہ آیا تھا جب لوگ گیت نہیں  
کہتے تھے۔ گیت تقریباً آبادی سے زیادہ کسی  
نے کہے ہیں۔

صورت عظمت اللہ خاں کی ہیں۔

فیض جی ہاں عظمت اللہ خاں نے بھی گیت کہے ہیں  
حقیدہ چاندھری نے کہے ہیں۔ گیت کا رواج تیرا  
نی کہہ رہے تو نہیں ہے۔ وہ تو حقیدہ کے بعد آئے  
جی ہاں بے گیت تیرائی کی کیا انگلیں ہیں۔ اگر  
آج کے عہد میں کسی کو مسودہ دیاں تو وہ حقیدہ  
چاندھری ہیں۔

صورت آواز اور نواز کے بارے میں آپ کا کیا خیال  
ہے؟

فیض آواز اور نواز کوئی چیز نہیں ہے۔

صورت آپ نے کوئی تجربہ کیا ہے اس ضمن میں؟

فیض جب یہ کوئی نئی چیز ہے تو تجربہ کیا ہے  
کہتے آواز اور نواز ایک جملہ چیز ہے جس کا کوئی  
مطلب نہیں ہے۔ نواز ایک کام کا نام ہے اس  
میں آزادی کا سوال ہی نہیں ہے اور نہ۔ اگر آپ  
اس میں آزادی رہیں گے تو یہ کوئی اور چیز ہو  
جائے گی کہ نواز کیا ہو چکی۔

صورت آپ کا مطلب ہے کہ نواز میں کوئی تجربہ نہیں  
ہو سکتا؟

فیض کیوں نہیں ہو سکتا نواز میں تو یہ نواز تجربہ  
ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ نواز کے اندر وہ کر  
قابل نے تجربہ کیے۔ استاد کے ارے تنظیموں  
کے خیالات کے۔ سب سے بڑے تجربہ است  
اقبال نے کیے مگر نواز کی کام میں وہ کراس میں  
فقط شکستہ اور باقی چیز ہیں۔ نواز کی کام  
سے الگ وہ کہ نواز میں کوئی تجربہ نہیں ہو سکتا تو  
کوئی اور چیز ہو جائے گی۔

صورت ترقی پسند شعرا کے فوراً بعد شکستہ شعروں نے  
تیر کے رنگ کو اپنا شعار بنا کر گاکی اچھے اچھے  
مصدقی وغیرہ کیا ان کی شاعری کا دعوت میں  
کوئی حتم ہے؟

فیض روایت میں ان کا حتم نہیں ہے۔ ان کا حتم  
جدید شاعری میں ہے۔ آج کے شاعر کا دعوت  
میں کیا حتم ہے یہ تو ان کا مشکل ہے۔

صورت حقیقی اور آزاد کی دعوت کے بارے میں کیا  
خیال ہے؟

فیض آگاہی کی کوئی روایت تھی تو وہ انہیں کے ساتھ شتم  
ہو گئی۔ اس کو آج کوئی دعوت نہیں مانا وہ تو کوئی  
چیز نہیں تھی۔

صورت ایک ایسا نکل تو مانے تو جتے ہوئے۔

فیض ان کی اہمیت ہے مگر وہ اہمیت ان اصولوں کی  
ہے جو انہوں نے اپنی شاعری اور تجزیہ میں جان

کیے۔ شاعری محض الفاظ کی خانہ دہی نہیں ہے۔  
اس میں حقیقت کا انعکاس ہونا چاہیے۔ ان کی  
شاعری جو انگریز کی نمونوں پر تھی، دایا دھام نہیں  
ہے مگر انہوں نے اصول بیان کیے انہوں نے  
جوش شاعری کا مذاق لیا وہ بعد میں صحیفائی روایت  
کی بنیاد بنا۔

صورت عام طور سے یہ خیال ہے کہ آپ کی وہ شاعری  
جو آپ نے اردو ناول کے چیلے کی ہے وہ بہت  
خوب صورت ہے اگر آپ کو یہ تسلیم ہے تو اس کی  
کوئی بنیاد ہے؟

فیض ناول میں ظاہر ہے فرصت زیادہ ہوتی ہے۔  
آزادی قاضی برائے زیادہ کر سکتا ہے۔ عام ناول  
میں دوسری صورتوں کے باعث آزادی کو اتنی  
فرصت نہیں ملتی کہ وہ شعر پر اتنی توجہ دے سکے۔  
دوسری بات یہ ہے کہ ناول میں ایک خاص قسم کا  
بوجھ ہوتا ہے وہ کسی ہے۔ ان ناولوں میں تو وہ شعر  
پہر کر دھوئی ہے اور اس وقت آزادی جو شعر کہتا ہے  
تو پہلے سے جیسے ناخوش کر لیا ہے سمجھتے۔

صورت ایک بات اور۔ آپ نے اپنی بیشتر نکلوں میں  
نواز کے آج تک نواز کے لب و لہجے کو اپنا لیا ہے  
مگر ان کے نظم کا اپنا لب و لہجہ ہے نہ آج تک ہے اس  
کی کوئی خاصیت؟

فیض اس لیے بھائی کہ کام کو آتا بھی ہے۔ جاری  
زبان کا حراج بھی سیکھی ہے۔ شاعری کی لہجہ  
ہلے کے لیے بہت بڑا شاعر ہوا ہے۔ تقریباً  
آزادی نے کوشش کی تھی اس کے بعد کسی نے آج  
تک کوشش نہیں کی۔

صورت تقریباً گیارہ دہائی کی شاعری کے بارے میں کیا  
خیال ہے آپ کا؟

فیض مجھ ہی شاعری ہے۔ وہ ان کا شاعر تھا کہ  
اس نے شاعری کی زبان ہلے کی کوشش کی۔

اس کے بعد کسی نے انہی کو قتل نہیں کی۔ بعد میں گریڈ سے شام ہوئے۔ مظاہر غالب انہی انہوں نے ٹھیک دلی مضامین دے لیا ہوا ہے۔ ہم نے بھی وہی لکھتے استعمال کی اس لیے کہ یکساں ہمارے ذہن میں آسانی ملے۔

حضرت محمد آپ کے بعد میں قریب سے ملے ہوئے تھے۔ ہم نے اسے قائل کیا ہے۔ آپ کو انگریزی ادب پر بھی مہور ہے۔ قلم کار آپ نے راجی انداز میں لکھا؟

فیض (فیضی) میں یوں کہتا کہ تم کو یہی چاہیے۔ حضرت آثار آپ ہندوستانی قریب قریب دوست کی ہدایت کر دیں۔ اپنے بارہ کلام میں سے ایک شامل ہے۔ آپ کے بارہ کلام میں سے ایک قلم کار کی دوست مہاراجاں مراد مست جہنگ۔ ان کے بارہ میں قریب قریب کہتا ہوں چاہتا ہے کہ آپ کی ہر جہاز کا بھی آئی ہے۔ مراد کی ہوا شام شام ہوا۔ ہمارے دل میرے ساتھ اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ میں نے یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہی کوئی کلمہ نہ لکھ۔ فیض ٹھیک ہے۔ ایک چھوٹی سی نظم میں۔

حضرت مراد فیضی

آج ہر روز وہم کے دھماکے میں ہم یہ کہہ کر تیرے خیال کے پھول ترک حالت کے دھت سے تھیں کہ آتشیں کے بارہ سال کے پھول میری دلیر ہے ۲ آئے ہر قریب یا ہے چاہا آئے ہاتھ کر آزاد کے بلا سے میں ہر کی دانت اور جمال کے پھول

حضرت بہت خوب۔ بہت چارہ نظم ہے۔ اس سے پہلے کہ میں آپ سے اجازت لوں۔ یہ ہندوستانی شعرا کے بارے میں لکھی۔ آپ نے تو ان کو چارہ مہور۔ فیض ہم تک کہنا دیا ہے نہیں۔

حضرت ۱۰ سال پہلے تو آپ ہندوستان تشریف لے گئے تھے تو کہہ چکے تھے، اسے کا مروجہ لکھو؟

فیض، عام طور سے مشاعروں میں سننے کا مروجہ ہے۔ شاعر نے جب آدمی شاعر کو سننے والا اس وقت کا فیض ہوتا ہے۔ جب تک اس کو ہمارے نہیں تو ٹھیک سے اسے قائم نہیں کی جا سکتی۔

حضرت آپ کو شعری مجھے تو ساتھ لائے ہیں۔ کئے گئے ان میں سے کچھ کہہ پائی ہیں۔

فیض ہاں کمال دانی دھتے ہیں۔ خیر باد دھتے ہیں۔ ہمارے لوگوں میں اختر الامان ہیں۔ غلیل الامان اگلی ہیں۔ انہی آخر میں سب لکھے ہیں۔

حضرت اختر الامان کی شاعری کے بارے میں کہہ فرمائیے۔

فیض اختر الامان بہت اچھا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ جب کوئی نئی کتاب آتی ہے تو وہ یہاں لکھی نہیں۔

اس کے علاوہ اسے مراد شعری بھی لکھتے ہیں۔ کتنی اعلیٰ لکھی ہیں۔ کچھ تو یہ ہے کہ یہاں کے شعرا اور وہاں کے شعرا میں کوئی ہی فرق نہیں ہے۔

حضرت میرے خیال میں فرق ہے۔ میں نے یہاں کی شاعری کا کلام سنا، ہزار ایک ملے۔

فیض (فیضی) ہاں تو مراد سافری ہے کہ زیادہ نہیں ہے۔

حضرت کہ یہ فرق کیا ہے؟ فیض اس لیے کہ ہم سب لوگ دیہات کے قریب

ہیں۔ ہم تو یہاں لوگ ہیں۔ یہاں زیادہ ہے۔ شریف ہیں۔ کس میں چار ہیں۔ ہندوستان میں تو یہ شاعر بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ہے۔ دلی ہے۔ لکھتے ہے۔ اس لیے وہاں کے شاعر زیادہ شعری ہیں۔

حضرت قرائی کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ ہندوستانی کو کہا جا رہا ہے؟

فیض اسے ہمارے شاعر کے بارے میں کہا ہوتا کریں۔

حضرت اور شاعری کی روایت میں فرق کا بھی تو ایک مقام ہے۔ اس میں مغربی کہہ کر لکھا۔

فیض اور شاعری کی روایت کے دو بے متعلقہ ہیں اور ہوتا ہے۔ میری ہر روایت تھی اس کے بارے میں شاعر جانتے تھے۔ یہاں انہی

اور ادب میں ساتھ ساتھ آئی ہیں۔

حضرت میرے پاس وہ لکھتے ہیں جن سے میں آپ کا شعر ہے اور اس کو اس نے میرے

کلمے لکھے۔ ہمارے ہمارے کا ادب اس قدر کون سے اور ان کا بہت سا وقت دیا۔

☆☆☆

میرے دل سے مراد  
۱۰۰ ہمارے کلمے  
کہاں ہیں ہم  
دیکھ لگتی صدا  
کہہ رہا ہمارا

## اپنی بہترویں سالگرہ پر فیض کا انٹرویو

صنعتی دعوے، آج ہم نے دہتر سالہ جنگ اور یہی جانب سے جانب فیض اور فلاح کو درست دی ہے۔ فلاحی صاحب کی شخصیت کسی قدامت کی جتنی نہیں، وہ اپنی افکار سے وہ منفرد شخصیت کے حامل ہیں اور پاکستان کی بین الاقوامی شناخت کا وہجہ دیکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ گفتگو کرانے کے لیے ہم نے اور ادب کی چند سفر خیمات کو بھی مدعو کیا ہے۔ ہماری مراد جانب دستور بحر، جانب اشتعال اور جانب فلاحی شعاعی، جانب دارغ، جاری پر فیض حیوانی کامران، سعادت سعید اور اصل غازی سے ہے۔ ہماری گفتگو کا موضوع ان کی شخصیت، فن اور نظریہ ہے۔ جس سب سے پہلے جانب دستور صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ گفتگو کا آغاز فرمائیں۔

دستور بحر فلاحی صاحب آپ اپنے حالیہ قربات کے بارے میں کچھ بتائیں۔ لبنان پر اسرائیلی جارحیت کے دوران آپ بھی تو قربت میں تھے۔

فیض اور فلاحی لبنان کے چتر واقعات، افہادت، رہنمائی اور رہنمائی کے لیے آپ تک پہنچے ہیں میں ان میں زیادہ اضافہ نہیں کر سکتا۔ اسرائیلی جارحیت تو پہلے سے متوقع تھی۔ کسی طریقے سے ہوگی کب ہوگی جس کے بارے میں کسی کو شک سے اطلاع نہیں تھی۔ میرا خیال یہی تھا کہ

اسرائیلی اپنی آزادی کو بخوبی لبنان تک محدود رکھیں گے۔ اس سے ان کے خیمات نہیں گئے۔ اس کی ایک وجہ عالمی رائے عامہ کا دباؤ تھا اور دوسری یہ کہ لبنان کی حکومت کے اقتدار فلسطینیوں کے ساتھ بھی ہیں اور مغربی طاقتوں کے ساتھ بھی۔ سو خیال تھا کہ اسرائیلی امن مہم کا لٹلہ رکے گا۔ مگر یہ خیال تھا کہ ناکارہ ہو گا کہ نہ پتا چلتے ہیں وہ اس قدر بے لابی سے نہیں کریں گے۔ ان کی کارروائی محدود رہی۔

دستور بحر اس مسئلے کی کوئی طرف نہیں تھی۔ فیض اور فلاحی، جب پہلے دن قربت سے ہماری مدد ہوئی تھا تو چونکہ ان کا نہیں تھا ایک بار سے زیادہ جائیں صاف ہوئی تھی تو اس کا انہوں نے غور یہ نہیں کیا تھا کہ اسرائیلی کے جھوٹے جیسے یہاں کا اپنا کوئی بھی ہوئی ہو وہی سرگرم سے مارا گیا تھا اور یہ کہ چونکہ ان کے ایک دستور پر انہوں میں کوئی چٹائی تھی جس کا پتہ نہیں کس نے چٹائی تھی۔ اس دور سے وہ ان کا کارروائی کر رہے ہیں۔ اس کوئی مسئلے سے پہلے میں اتفاقاً ہی مل گیا۔ تاہم یہ کہ اس معاملہ کو موقوفہ اس مسئلے کے بعد اگلے دن چکر لگائی تھی کہ اس کو موقوفہ اس مسئلے کے بعد ان کا ان کا کارروائی کے طور پر انہوں نے یہ مسئلہ کیا ہے۔ اس مسئلے کا کشادہ علاقہ تھا جہاں اپنی اہل دے وقت تھے۔ آخر کار جہاں اسرائیلی نے

لبنان میں اپنی فوجیں اجارہ دیں اور اس کے بعد وردہ مسلسل دو دن کھلے کے بعد کبھی کبھی شام اسرائیلی کی طرف سے ہوائی حملے ہوئے۔ وہاں ہم بدلتی ہوئی دبی اور شرجہ اور دوبارہ وہ صرف اپنی اہل دے وقت پر ہی غصہ نہیں کرتے تھے ان کے علاقہ مشرقی لیبانی پر بھی ہم کھینچتے تھے۔ یہ ان کی دہشت اور ہراس پھیلانے کی حکمت عملی تھی۔ رات کو بھی یہاں تھا کہ اپنی اہل دے دستور اور اہل دے قیام کا وہ اپنی بند کر دیں گے۔ اپنی اہل دے جواب تھا۔ سیم بھیر فوجیں فلاحی کے آخری دم تک لڑیں گے۔ بخوبی لبنان میں جہاں فلسطینیوں کے کیمپ ہیں وہاں کیمپ بیات ہیں اسرائیلیوں کا ان دیات میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوئی۔ انہوں نے ان کیمپوں اور دیات کا ہاروں طرف سے مہم کر کے ان پر مسلسل ہم بدلتی کی جس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں پر مہم لوگ بھاگ جائیں یا سر جائیں یا باہر لڑیں وہاں پر کوئی خدشہ اس وقت وہ وہاں داخل ہوں۔ یہی انہوں نے کیا۔ وہ اپنے حکم فلسطینیوں کی طرف سے مطالبہ ہوتا رہا۔ شام نے تو میرے ہی ان فلاحی بندی کر لی تھی۔ فلسطینیوں کا مسئلہ اور جرات قابل داد تھی۔ انہیں نہیں، کاترہاں، پہچانی، سکول، مسلسل اسرائیلی ہم بدلتی کی تو میں دے۔ فلسطینیوں کے خلاف اور فلاحی مراعات بھی اس

استیضات بہار کی سے جڑ ہونے جہاں فلسطینی  
 قیادت کے لوگ تھے غصہ سا اس طرح اٹھ گیا  
 سے دوسری گلی 'ایک مکان سے دوسرے مکان  
 تک' چلے لکھانے ہوئے رہے مگر ہم بادی اس کا  
 تعاقب کرتی رہی۔

سادات سمیع فلسطینی صاحب! اس دوران میں  
 فلسطینیوں کا سہارا کیا تھا۔

فلسطینی احمد فقیح اس کے محصل بہت بلکہ تھے۔ اس  
 دوران میں کھانے پینے کی انتہا ملتی رہی۔  
 ضروریات زندگی اور ادب کے کتابیں ملتی  
 رہیں۔ ان حالات میں جس قسم کا یہاں مارا خوف  
 ہوتا ہے وہاں اس کا شائبہ تک نہیں ملتا تھا۔ وہ  
 تلخ کے بعد لپ صیب اور دیگر تنقید کرانے  
 والے، وہاں پہنچنے والوں نے وہاں اٹھنا شروع کیا  
 اور فلسطینیوں سے کہا کہ آپ ضرورتاً ہی دار  
 شرط پہ لگائی کہ پہلے تنہا دارال دین اور اس کے  
 بعد انہیں وہاں سے باہر لگنے کا پتہ نہ دہادی  
 اسے یاد دہانے کا۔ اس عرق رات سے تنہا دارالے  
 سے انکار کر دیا ایک تلخ تک یہ معاملہ چنا کر  
 پھر لگے کی نہ کی طرہ سے وہاں سے لگنے کا موقع مل  
 گیا تھا لیکن اس وقت تک یہ معاملہ شروع ہو چکا  
 تھا۔

صدر محمد آپ کے لکھانے پر بھی گم ہادی ہوئی؟

فلسطینی احمد فقیح ہمارے خیر کا تو خیر سے دینی تھے  
 نام ہو کیا تھا جس میں ایک دن پہلے ہی وہاں  
 سے کچھ مارا پھینکا ہو گیا تھا۔

حسن رضوی فقیح صاحب یہ فرمائیے اس سارے  
 عرصے میں مسلم نمائندہ کیا رہا؟

فلسطینی احمد فقیح ان کو کوئی کاروبار نہیں رہا۔ انہیں نے تو  
 اس سارے عرصے میں قرار دیا تھا کہ یہاں تک کہ  
 نہیں کیا۔

اتحادی احمد اسرائیل کے جن استیضات کے کہ گھبراوا  
 تھا وہاں کا بھی کوئی پانی کھانے نہ تھا؟  
 فلسطینی احمد فقیح جی ہاں انہیں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔  
 یہ اسرائیلیوں کے ساتھ خیرا پ چھتا مگر تھا۔  
 پہلی لڑائی 1948ء میں ہوئی جب اسرائیل کا  
 اس وقت نہیں نمائندہ رہا "شام اور مصری  
 فوجیں ان کے خلاف مل کر انہیں مگر تین چار  
 دن کے بعد اس نمائندہ کو جریت اٹھانا پڑی۔

دوسری لڑائی 1967ء میں ہوئی، وہ کوئی سا تھکا  
 جلی پھر 1973ء میں لڑائی ہوئی یہ سب جنگیں  
 فوجوں اور شخصوں کے ساتھ تھیں۔ سورج اور لڑائی  
 صرف فلسطینی دشمنانوں نے لڑی تھی کے پاس  
 نہ حکومت نہ خود نہ جدید ذریعہ اسلحہ ان کے  
 ہاتھ نہ تھا۔ مگر انہیں جنگوں میں اسرائیلیوں کا انکار  
 ہائی تنہا انہیں ہوا تھا کہ سورج اور دیگر کے تھیں  
 جنگوں میں ہوا۔

دارغ بخاری اس جنگ کے ضمن میں ہم آپ کے  
 تاثرات کی یاد دہانی کریں گے۔

فلسطینی احمد فقیح اس زمانے میں میں ہاتھ کھل کے  
 سامنے آئیں ایک تو یہ کہ اسرائیلی جو اپنے آپ کو  
 "تعمیم یافتہ مذہب اور کھلیت عالم داخل لوگ  
 سمجھتے تھے ان کی دھڑلے سے ہاتھوں کو لگی بات  
 کر رہا۔ دوسرا ان اس وقت وہاں میں تنقید  
 کرانے والا فریق امریکہ تھا "اس کی دہری  
 پانچویں بھی سامنے آئی۔ تیسری ہمارے ہائی ہند  
 اسلامی نمائندہ کی ہے اگلی اور ہے کسی بھی سب پر  
 مہیا ہوئی۔

فقیح شکاری ایران کا اس خطے میں کیا کردار رہا؟  
 فلسطینی احمد فقیح ایرانی تو براہ راست اور اس طرح  
 سے کر سکتے تھے کہ وہ شام کے راستے سے انہیں  
 پہنچیں لیکن ان کو وہاں پہنچنے کی نہیں دیا گیا۔

عمادی ساج پر خلف نمائندہ سے رضا کار وہاں  
 پہنچے۔ پاکستان سے بھی گئے بلکہ دہلی سے بھی  
 گئے کی لوگ، وہاں غریب بھی ہوئے۔

صدر محمد لیکن حکومت کی طرف سے نہیں لگے۔؟  
 فلسطینی احمد فقیح عوام کی طرف سے دیا امر میں  
 رضا کار بھی ہوئے اور لوگوں نے جو کچھ ان  
 سے دیا تھا وہاں رکھا۔

حسن رضوی ایران میں تو سختی ساج پر فلسطینیوں کی  
 اور ان کا تعاون کیا کیا تھا۔

فلسطینی احمد فقیح جی ہاں، شخصیت کی طرف سے تھا۔  
 جینیائی کامرواں فلسطینیوں نے جی بھاری اور  
 عزت کا اعتراف دیا ہے۔

فلسطینی احمد فقیح چنگی بات جس خطے میں واضح طور پر  
 سامنے آئی وہ فلسطینیوں کا عزم ان کی شجاعت  
 اور ان کا قابل تفسیر ہوا۔

احمد ابازا ایک تو اگلی قسم میں ہوئی۔ اب جو کچھ  
 سوچ رہا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے  
 ہے۔؟

فلسطینی احمد فقیح فلسطینی بھائی حنا صوں پر یقین کر کے  
 جب وہاں سے لگے تو ان سے بھی کہا گیا کہ ان  
 کی باقی نہ جانے دلی آبادی کو کوئی نقصان نہیں  
 پہنچے گا لیکن اگر وہی اور دہلی حنا صوں پہنچے کر کے  
 وہ وہاں سے جاد میں ہونے تو اس کے بعد آپ  
 نے اظہار میں دیکھا ہوگا کہ جب اس حرکت  
 کے ساتھ آخری خاک لکھا تو کسی امریکہ نے اس  
 حرکت سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ یہاں سے  
 لکل کر کہاں جائیں گے تو انہوں نے کہا۔ "ہم  
 فلسطینیوں جائیں گے۔" ایک بات میں کہنا بھول  
 گیا تھا کہ اس سارے عرصے میں ہم ایک دن بھی  
 فلسطینیوں کا رنج پر نہ لیں "ایک دن بھی  
 اہلاد بد نہیں ہوئے فلسطینیوں کے انجام اور

انتظام کی ہمہ دہ دینے والی شخصیت رہ سکتے۔ جس کے  
میں ہم نے اس کے ساتھ غلطیوں کے مشہور نام  
مضمحل ہوا بھی رہتے تھے۔ میں اور میں نے اس  
کے ساتھ رہا، ان کی چودہ چودہ برس کی بچی اور  
ساتھ رہا، ان کی چودہ چودہ برس کی بچی اور  
اس میں کہ ہتھال میں بچی کی تھیں۔ جتنے چودہ  
چودہ برس سے زیادہ عمر کے بنے تھے وہ سب  
کاواوں پر چلے گئے تھے، باہر سے بھی غلطی  
طالب علم ہنگ میں حصہ لینے کے لیے وہی بھیج  
گئے تھے اور تار سے انہیں اس طرف کر دے  
کہ وہی سے خود اور ان کی وہاں بھیجے گئے۔ وہ  
میں نے اس اور میں نے اس کے ساتھ رہا۔ ان کا  
رابطہ بہ مستورہ قسم تھا اس کے باوجود کہ میں نے بھی  
بہت سے اور عمر کو پہنچی گلیوں میں رہی تھیں، ہم  
بھی پہلے تھے۔ نہ تو غلطیوں کے انتظامی  
اوصاف میں کوئی فرق آیا نہ ان کی ضروریات  
رومی کی بہرہ رسانی میں کوئی رکاوٹ بنی تھی۔

مختار، میر میر تقی میر، دوست میں لہستان کی یہ جنگ ہیں  
افغانی اتحادات کا ایک اہم موڑ ہے۔ اس سے  
طریقۂ اشتیائی سماج اور ہماری دینی زندگی میں  
ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ جس قسم کی لڑائی وہاں  
ہوتی ہے قصے ہے اسی قسم کی لڑائی بہت سے دیگر  
اسلامی اور طریقۂ اشتیائی سماج میں ہو۔ اس  
تاکثر میں آپ اپنی پہلی زندگی اور علمی و نظر  
دور ذکر ہمیں یہ بتائیں کہ آپ کیا سوچتے ہیں کہ  
طریقۂ اشتیائی لوگوں کے ادب میں اس وقت  
کس قسم کی تحریک کی ضرورت ہے کیونکہ 1937ء  
1938ء سے جب سے ہم آپ کی شاعری پڑھ  
رہے ہیں اس وقت بھی آپ کا ایک مختار انداز  
موجود تھا جو آپ تکلف قائم ہے۔ اس سے بہت سی  
نئی تحریکیں پیدا ہوئی ہیں آپ جو آزاد کیا ہے

اس میں آپ اللہ آپ کے بارے میں اپنی رائے دی کہ اس کو گناہ بھی جنت میں لے جائیگا ہے۔<sup>۲۰</sup>

فیض احمد فیض اصل میں کسی کے کہنے سے ادب کو انٹرکٹن نہیں ملتی تھی وہی جانتی ہے۔ انٹرکٹن حالات سے اور حالات کو ٹھیک سے ملتی ہے۔ جیسے جیسے حالات بدلتے ہیں اور نئے حالات میں ان کا شعور بڑھتا ہے اور اس شعور سے جس قسم کا وہ سختی حاصل کرتے ہیں اس سے تحریک پیدا ہوتی ہے اور اس کا اثر ان کے دل اور ادب پر ہوتا ہے۔

افریقہ کو لے لیتے تھے اور سے وہاں مشکل یہ ہے کہ اس سامنے انگریز جاتی اور امریکی ادب کے دنیا کے دوسرے علاقوں کے ادب سے واقفیت ہی پیدا نہیں کرتا چاہئے۔ طریقہ ہذا ملتی امریکہ میں جڑ سے لگتے والے ہیں۔ کیلیا، ٹانجیریا، جنوبی افریقہ، فیلیپا، انڈونیا، کھار کوئے اور دوسرے ممالک کے ادب کو سامنے رکھ کر آپ انفرادہ کر سکتے ہیں کہ انٹرکٹن وہاں کے حالات نے پیدا کی ہے۔ یا فیض میں ہی کے ادب کو لے لیتے وہاں کے شعور اور ادب۔ حلقہ موجود ملتی ہیں۔

ان حالات وہاں موجود تھے اور ان حالات کے جو محرکات تھے ان کو کسی جذبے، دیانت اور فنی قدرت کے ساتھ انہوں نے قبول کیا ہے وہی صورت دوسرے ممالک کے ادبوں کے پیش نظر ہوتی چاہئے۔ وہی ہی باتیں ہوتی ہیں ادب ایک ایمانی کا طریقہ ہی ہے۔ اس کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے، وہی ایک عنصر ہے اور دوسرا عنصر یہ ہے کہ گھن مرقا فیض ادب کے اپنے سے حاصل نہیں کرتی چاہئے۔ اس کے اور بھی بہت سے اوراق ہیں اس میں انٹرکٹن ضروری ہے۔

[illegible]

1936ء میں انہی تو پر مسلط تھا ترقی پسندوں نے ان دنوں خاموشی اختیار کر رکھی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

بش اسی نقشِ خرقہ پندگی کی اصطلاح کی بھی کئی  
جوابیں ہیں۔ مختلف لوگوں کے ذہنوں میں اس  
کے مختلف معانی ہیں۔ ہمارے ذہن میں خرقہ  
پندگی کا تصور یہ ہے کہ کل عورتوں کے کھانے  
پینے اور ہو کر وہ چیز کے حامل کے قاتل ہیں  
اور یہ ہوشیار لوگوں کا تصور ذہنیت تصور ہمارا کہ  
ضرور ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس  
بابے میں وہ طریقے کے قرار کو اختیار نہیں کرنا  
چاہیے۔ بلکہ قوی تصور خواب ساری سے گرج  
کرنا چاہیے کہ حالات کو سمجھ کر ایسے خواب  
جہاں کرنے ضرور کر دیتے چائیں کہ آپ کو  
بھرنے والی ہے ہر سب کو بلکہ وہ چاہے گا کہ یہ  
بھی سمجھ لیں ہے جو مشکلات اور مسائل ہیں ان  
سے گرج کرنا بھی درست نہیں ہے۔ دوسری  
طرف یہ کہ چونکہ مصلحت ہے مسائل ہیں اس  
وجہ سے ضرور ہونا چاہیے کہ یہ کہنا کہ آپ  
حق نہیں سکتے یہ بھی درست نہیں ہے۔ تیسری بات  
یہ ہے کہ وہ دنیا میں بھی ایک خاص سی دنیا ہے جو  
آپ کا کردار ہیں ہے۔ ایک داخلی نا ہے جو آپ  
کا ذہن ہے۔ آپ وہی دنیاؤں کے صحن اور  
ہمہمراہوں کو دیکھتے ہیں۔ ان میں ابھی باتیں بھی  
ہیں ہمارے دانشمندی میں جو آپ کو ہمارے ہیں۔ ان  
میں سے کسی سے گرج کرنا درست نہیں ہے۔ خرقہ  
پندگی کے سمجھنا تو یہ ہیں کہ اگر بھی اس حالت  
آپ کے سامنے حقیقت ہے اس کی اس قسم کی  
تاویل نہ کیجئے کہ اس کی ابھی باتیں سامنے آئیں  
اور یہی باتیں سامنے نہ آئیں۔ جو سامنے ہے وہ  
بھی جہاں کرنا چاہیے جو ہر صورت میں ہے اسے بھی



جس کا انکار ملنا چاہیے۔ جو امید ہے وہ وہی ہے  
رکھی جائے جو باقی ہے اس کا بھی ذکر ہوتا  
جائے جو ہم سے اس کی بیان میں آتا ہے اور  
جو باقی ہے اس کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ زندگی کی  
ادب میں ہر لمحہ کا لحاظ درست نہیں ہے۔ یہ  
مجیدہ حق ہے۔

فارغ بخاری فقیل صاحب فلسطینیوں کے ساتھ  
ان کے کہنا پر دست بردار ہو کر ملک دیا ہے  
اس کے بارے میں بھی کھڑا ہے۔

فیض احمد فیض ان میں ایک بہت سے اور انہیں بھی  
اسی صورت حال میں دیکھتے ہیں وہ اس کے مطابق  
بل دے رہا ہے۔ لیکن یہ کہ ان کے ساتھ ایک  
زمانے میں انسان نے بھی غم کیا "ان کے ساتھ  
نہیں ان نے بھی غم کیا ان کو کھڑوں نے بھی  
ان کا "خارجی زبان میں ایک لفظ ہے شرطی  
اور ہر اے فلسطینی۔

تو وہ باقی اصول فلسطینیوں کے سامنے ہے  
اس پر قائم رہنا چاہیے۔ جہاں تک حکمران کا حکمت  
ملی کا قضا ہے اس میں جیسے ہی حالات ہوں  
اور صورت حال کا جیسا بھی قضا ہو اس کے  
مطابق آدمی کو مل کرنا چاہیے۔ فلسطینی ایک واحد  
پر قائم ہیں کہ انہیں فلسطینی اپنا گھر ریاست پر  
چاہیے۔ آخری ہم تک جب تک ایک فلسطینی  
ہوئی ہے اس حالت تک انہیں بڑے رہتا ہے۔ اس  
لاڈلی میں آج عربیوں کو ہے اور اہل حلیف کو  
اس کے مطابق انہیں مل کرنا ہے۔

جیلانی کامران موجودہ صورت حال تو یہ ہے کہ  
فلسطینی لبنان سے چلے گئے ہیں اور ایک طرف  
گھر گئے ہیں اور لبنان میں اسرائیلی فوجیں داخل  
ہوئی ہیں اور وہاں ہیں۔ مسلمانوں کی جانب سے  
لبنان میں اسرائیلی واسطے پر کوئی مثبت احتجاج

نہیں ہوا اور کسی مسلم ملک نے ان کو مدد نہیں۔  
اس طرح ایک تکلیف وہ اس میں پیدا ہوا ہے  
کہ ایک بین الاقوامی اصول قائم ہو گیا ہے کہ کسی  
ملک تک میں کسی بھی وقت کی دوسرے ملک کی  
فوجیں داخل ہو سکتی ہیں۔ ہم جس دلائل میں وہ

دے رہا ہے پہلے ہی بہت پریشان کن حالات  
سے دو چار ہے اور جس طرح کے سیاسی مسئلے  
پہلے قائم ہو چکے ہیں ان میں بہت گناہوں ہے  
کہ اس اصول کی روشنی میں کسی دوسری جگہ بھی  
ایسا تو ہو سکتا ہے۔ اسی صورت حال میں کہ وہ  
اور یہی وجہ تو اس اور عوام کے لیے آپ کا گمراہ  
کرتے ہیں کہ وہ کسی قسم کی فلاحی قریب حاصل  
کریں کہ اس صورت حال سے بے خبر نہ ہو سکیں۔

فیض احمد فیض اس کی مثال تو فلسطینیوں نے قائم کر  
دی ہے فلسطینی جن کے پاس نہ کوئی گھر نہ  
تھوکت ہے تو باقی کر رہا ہے۔ یہی وجہ کہ وہ ایک  
بڑی طاقتوں کو دیکھنے کا احترام کر سکتے ہیں۔  
الگوانے نے فرانس کو بروڈ پانچوٹ نام نے امریکہ  
کو لیکن فرانس کا تو اپنا گھر تھا وہاں رہے تھے۔  
فلسطینیوں کے پاس ان کا گھر بھی ہے اور  
حکومت بھی نہیں اسلئے تو انہوں نے دیا ہے۔

جیلانی کامران فلسطینی غیر طاقتوں میں رہا اپنے  
دلی کی آزادی کے لیے کڑا رہے ہیں۔ لیکن تو  
داخل کسی بڑی طاقت کے ساتھ میں آ جاتا ہے  
جب تک بڑی طاقتوں کا وہ بہت موجود ہے لیکن تو  
ان کی مرضی سے نہیں ہے اور یہ تو قریب صرف  
اپنا خون ہی دے سکتی ہیں اور تارنٹا میں کی ایسے  
قیلے ہوئے ہیں جو تو قریب ہو گئے ہیں۔

فیض احمد فیض آئیے اس کے سے بڑی ہر پارہ اور  
کوئی نہیں ہے نہ یہ نام سے اس کی تو ہمیں اگل  
گئی ہیں۔

اسٹانی احمد اس کے سماج پر بھی تو ہے کہ فلسطینیوں  
سے بھی دلی کی فوجیں نکل جائیں۔  
فیض احمد فیض ظاہر ہے۔ بات تو یہ ہے کہ لڑائی میں  
فریق اول کرنے والا انسان ہے جیسے کہ فلسطینی  
کہتے ہیں۔

Palastine is no longer a state,  
it is a state of mind.

جب تک ایک بھی فلسطینی باقی ہے فلسطینی باقی  
ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آزادی کی جنگ میں جانی  
ہی قربان کرنی چاہیے۔ جس وقت تو میں  
میت بھی چلتی ہیں اس کا نام دیا جاتا ہے اس نام  
کی وجہ سے اس کو سہارا دیا ہے اور وہ اس  
سے توجہ دیتی ہے۔

اصل نیازی فقیل صاحب کا یہ نہیں ہے کہ دنیا سے  
سپر پاور کی اصل داری ختم ہو جائے اور تیسری دنیا  
کے قریب نہ مل سکے۔

فیض احمد فیض جس کو ہم تیسری دنیا کہتے ہیں جہاں  
اس کے کہ وہ سپر پاور کی دست گرداویں سے  
فرشتے بھی مانگے اور ان سے بھی رابطہ کرے  
انہیں چاہیے کہ غیر جانب دار ملک کی تحریک  
میں شامل ہوں اور سپر پاور پر انھیں نہ کریں۔  
داخلی طور پر یہی نظام تشکیل دیں جس میں سپر  
پاور کی مداخلت نہ ہو سکے۔ چاہے یہ عظیم اور  
ظاہری کی وجہ سے ہو سکتا ہے یا نہ یہ عظیم اور نظام  
جو دوسروں کی ممانعت نہ کھائے۔

محمود فلسطینی کی جدوجہد کے بارے میں  
پاکستانی فوجیوں نے بھی بہت کچھ لکھا ہے اس  
کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایک  
طرف تو فلسطینی کی صورت حال پر فوجیوں نے  
نور دیا ہے اور دوسری طرف گزشتہ کئی سال سے  
افغانستان کی صورت حال پر کچھ اور کچھ

اس صورت حال میں بدقسمتی گہی ہوتی ہیں جو بعض اوقات اصول سے باہر ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے ہر ملک کے لیے اپنے حق کا سواہ ہے اور یہ ہے کہ کوئی ملک یہ نہیں چاہتا کہ اس کے اندر اسے چاہی کی طالب کوئی اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے جس سے انھیں ملو ہو۔ امریکہ نے ہانگ کانگ پر تسلط کا کرنگی اس وقت نام سے کرنا کبھی کہتا ہے افغانستان تو اس کے اندر سے یہ ہے۔ افغانستان سے دور۔ ہندوستانی، تبت، بنگالی ہیں اور وہی رہتے ہیں۔ ان کے معاملے میں ہندوستانی ہونا چاہی ہے اور کاشلیم بھی ہے۔ افغانی قوم کی ہر طرف پھلتی ہوئی ہے۔

افغانی اور افغانی صاحب آپ افغانستان کے تمام کی صورت حال کے مطالعے سے اپنی طرف کا محسوس کرتے ہیں؟

افغانی اور افغانی افغانستان سے میرے تعلقاً رہتے ہیں۔ صورت حال وہاں کی ہے کہ وہ انڈیا کا سب سے بڑا ملک ہے جس میں بہت سی آبادی رہی ہے جس نے اپنی مادی زندگی میں نہ ہونے کا کبھی سے نہ دیکھی ہے اور انہوں نے تیرہ سو ملین روپے کا ایک بانی اور شاہی نظام وہاں پہنچا ہے۔ یہ سارا ملک ہے جس کے نیچے میں سب سے زیادہ باغی خانہ، مٹل اور بیکس ہندو ملک وہی ہے اور ان کی جنس طریقے سے اپنی تربیت کی گئی ہے کہ اپنے سربراہ کی فرمائیں ہرادی کہہ رہے ہیں اور اپنے طاقتور چوہوں کی زیادت کر کہ ایک کو تو انہیں کہتے ہیں کہ سب ٹھیک نہیں ہے تو نظام چاہا جائے کہ کہہ رہا ہے چاہیے۔ انہوں میں سے باہر سے تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں۔ بیکو ایسے ہیں جنہوں نے

ہندوستانی کھسوں کی فوجوں کے افغانستان میں آجائے سے وہی ان گروہ ہندوؤں کے قریب آ گیا ہے اور انہوں کو ان کا کہنا ہے کہ وہی آپ انگریزانی ریاست نہیں، پاکستانی ملک ہو گیا ہے اور وہی سرحدوں کی تو متکا چاہتا ہے کیا انہیں یہ سوچنا ہے۔

افغانی اور افغانی اس میں مشکل یہ آجاتی ہے کہ وہی پہلے سے جس طرح سوچا رہے ہوتے ہیں اس کی تصدیق چاہتے ہیں کہ اس کے بارے میں وہی قسم کی ترمیم کریں۔ لیکن نظام کا مسئلہ یہ ہے کہ انہیں نظام یہ نہیں ہوتا کہ ان کی ملک کو کچھ کیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ملک کے اندر ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔

ماہرانی ملک نے نہ صرف دوسرے ملک پر قبضہ کیا بلکہ انہوں کی حیثیت ازراہ بین الاقوامی دوسری چیزوں کا پتہ مقاصد کے لیے استعمال کیا ان کا استعمال کیا۔ اب صورت یہ نہیں کہ جہاں جہاں ان کے مثال کے طور پر جوڑ ہے وہاں نام اور انہوں سے وہ جہاں اس کے کہ وہاں کے اندر ان کا پتہ مقاصد کے لیے استعمال کرے اس نے انہیں اندازہ چلانے کی کوشش کی۔ کئی ملک میں اندرونی داخلی انتظام کی وجہ سے اگر سوشلسٹ حکومت قائم ہو جائے تو جہاں اس کے کہ وہاں انہوں سے کہہ حاصل کرے انہیں کہہ دینا چاہیے۔ اس کو انہیں نظام نہیں کہتے۔ افغانستان کا مسئلہ مختلف ہے اور اس دور سے کہ وہاں کا سرمایہ ملک ہے اور یہی دنیا کی اس وقت صورت حال ہے کہ امریکہ نے اور دیگر نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ ہم نظام کو ختم کر دیں گے۔

We will throw them into

سارے ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟  
افغانی اور افغانی میں تو انہیں کہتا کہ چپ سارے ہوتے ہیں۔ فلسطینی اور افغانستان کی صورت حال بہت مختلف ہے۔ افغانستان میں ایک حکومت یا اس کا قبضہ ہے اور ایک ان کے مخالف۔ دونوں طبقوں کے مابین موجود ہیں۔ دونوں طبقوں نے اپنے اپنے مابین سے اور طلب کی پتہ چلے ہے ہمارے عام افغانی بنگی کے دو دلوں میں نہیں رہے ہیں۔ سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ اس مسئلہ کا سیاسی حقیقہ ہونا کہ کسی طرح سے افغانستان کے تمام کو دونوں طرف سے حرکت دلوں ہو رہا ہے اس سے نہایت دشواری ہوتی ہے۔

افغانی اور۔ اس میں بھی کسی جیتے میں جیسا احساس موجود ہے کہ افغانستان کے مسئلہ کا سیاسی حقیقہ ہونا چاہیے۔

افغانی اور افغانی سب بھی کہتے ہیں۔ وہی بھی کہتے ہیں کہ ہم بھی بھی کہتے ہیں کہ انہیں اب حقیقہ کیسے ہو۔ اصل ہلاکتی جیتے دلوں ہمارے ہاں افغانستان کی صورت حال پر نہیں اور افسانے لکھے گئے ہیں کیا یہ آپ کی فکر سے گزرا ہے؟

افغانی اور افغانی ضرور گزرا ہوگا۔ بنگی طور پر لوگوں نے اس مسئلہ کی جس طرح سے محسوس کیا ہوگا اس کا اعتبار ہونا ہوگا۔ فلسطینی مسئلہ افغانستان سے مختلف ہے۔ افغانستان ابھر ملک موجود ہے اور اس کے تمام کی۔ فلسطینی بے گھر ہیں۔ بے یار و نگار۔ ان کی صورت حال بہت مختلف ہے۔ تحریک ہے افغانستان میں وہی تو انہیں موجود ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ میں کہہ رہے ہیں کہتے ہیں اور وہاں ہیں اور ان میں ہیں۔ ان کے مابین موجود ہیں۔ حقیقہ کی کیا صورت ہو رہی ہے۔

مسکرتی تعلیم، اس میں حاصل کی ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اس مسئلے کا تذکرہ ہونا چاہیے۔ وہ ایک دن سارے ملک پر جھنڈ کر پلٹے ہیں اور مدعو ہیں سے اپنے کام سے شرمناک ان کے ساتھ چھوٹے بچے لگتے۔ یہ کہانی یاد نہیں ہے یہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جب انان اللہ نے اپنی اصلاحات نافذ کرنا چاہیں اس وقت ماہی اللہ کی مدد کے لیے وہی فوجی ٹیمیں اس کی قیادت میں خود اس کی ٹیمیں تھا کہ اس حالت میں وہ بھی میں اس سال پہلے ایک کتاب آیا تھا اور وہاں اس کی انان دوست لکھا اور انان اللہ اس وقت وہیں کو اپنی امداد کے لیے بلاتا تو صورت حال مختلف ہوتی۔ انان اللہ کا کہنا کہ نے اللہ اگرچہ وہیں نے یہاں اس وقت انان اللہ نے اس کی قیادت میں فوجی بھیجی تھی۔ خدا خدا جلد خدا خدا کی آواز میں نہانے لگی تھیں۔

فیلڈ سٹاف اس وقت انان اللہ کی حمایت کرنے کا مطلب تھا خدا خدا اور اسے لوگوں کی لگی کرتے۔ اصل تیاری فیلڈ صاحب اسلام کے قتل کی کارروائی کے بارے میں بھی آپ کو بتانا پسند کریں گے۔ مذہب کے انتھائی بدل رہا تھا اور بدل فرما نہیں؟ فیض احمد فیض ہم تو سمجھتے ہیں کہ وہ یہاں نہیں ملای تھا وہ انتھاب ہی کے لیے آیا تھا۔ جیسا جا انتھاب اسلام نے پیدا کیا اس سے جا انتھاب بہت کم کہہ سکتے ہیں یا ہے۔ یہ ایک جڑ ہے اور وہیں کے جڑا ہوا دھرم کی جڑ ہے۔ یہ وہاں صریح جس نظام میں مختلف قسم کے عقائد ہوتے ہیں اور ہر طبقے کا اپنا پانچ ستارہ ہوتا ہے اس میں ایک لکھا ہوتا ہے کہ یہ عوامی بھلائی کے لیے اور ملحق تھا کی ضرورت کے لیے آیا ہے اس کی ترقی وہی جا رہی ہے یا نہیں۔ ہم وہم اور جبر و تکبر کی حمایت

کئی بھی اپنی میں ہاڑ جھنڈ ہے۔ وہیں کے کچھ مسلمان بھی ہیں کہ وہ ملحق تھا کی بھڑی اور بھڑ کے لیے ہے۔ اصل تیاری وہیں میں آپ کے بہت سے دوست ہیں ایک شاعر رسول مراد ذوق کے بارے میں لکھے وہ چڑا ہے کہ آپ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ آپ ان کی بات کے لیے قرآن کا کھنڈہ لے کر گئے تھے۔

فیض احمد فیض رسول مراد ذوق مسلمان تھے اور یہ جھنڈ ان کی والدہ کے لیے تھا۔ وہیں اور مذہب کے تعلق کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ یہ درست ہے کہ انتھاب وہیں کے انتھائی ساتوں میں لکھا "دار شادی زار پرستوں" تو وہیں اور ملحق یاد ہیں ان کے ساتھ تمام کی یہ وہاں درست جنگ تھی۔ اس وجہ سے شروع شروع میں اس مذہب اور وہیں کے خلاف جبر و شادی کا خلیف ہی کیا تھا قریب جلی جلی تھی اب چونکہ وہاں گور کیا ہے وہاں مرنے والی مدد ملتی آ رہی ہے۔

فیلڈ سٹاف 1967ء میں جب مجھے سوویت یونین جانے کا اتفاق ہوا وہیں میں ایک کیمپریل میں گیا وہاں مہارت ہو وہی تھی پھر جو کائنات تھا وہ میں لیکن گراؤ تھا تو وہاں ایک مسجد میں بہت سے مسلمان مسجد کی نماز ادا کر رہے تھے۔ ان سے میری گفتگو ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ یہاں مذہب اور کیمپریل کو سرکاری امداد نہیں ملتی۔ لیکن اگر ہم اپنے مذہبی فرائض ادا کرنا چاہیں تو ہمیں کوئی دینا نہیں۔

دیوانی کام میں انتھاب کے ہم جہانمات سامنے آیا فیلڈ صاحب نے فرمایا اس کی داخلی زندگی میں کوئی تفریق ہے یا نہیں؟

فیض احمد فیض اس انتھاب سے پہلے سوویت یونین

کی ریاستوں میں داخلہ ملی اور فیلڈ صاحب نے اسے فاسی لکھ دی تھی۔ اب اس ساری باتوں میں 90 سے لے کر 99 لکھو تک لوگ فوجی ہیں۔

ان کی پہلی پارٹی ملی اور داخلی زندگی کے کئی اہم نکات سامنے ہوئے ہیں۔ وہاں آپ کس طبقے میں چلے جائیں جو درجہ اس کی "سویت کا رولر کٹر کا پہلی بار یہ موقع ملا ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ زندگی اور لائق مسائل سے اپنے رابطے قائم کریں۔ وہاں ہر ریاست میں فیلڈ ہیں۔ پہلے سر کرپوٹ شہر ساتھی ادارے ہیں۔ 1968ء میں جب ہم آجکات گئے۔ اس کے بعد حکام کو دیکھتے ہیں وہ سے کہتے ہیں کہ وہاں وہ مجھے کے دن ملتی تھی۔ وہاں شہر سے بڑے پیمانے پر لکھا گیا کہ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا ہم یہاں گیا تو لکھا لکھنے لگی کرتے تھے۔ یہاں حکومتی عہدہ دار کوئی اسپتال، یہاں کے سوچیہ یہاں کے کھانوں کے انکار بھی تھے۔ وہ کہیں گرم کر کے صحت لکھا کرتے تھے۔ اب وہاں زندگی کی ہر سہولت موجود ہے۔ طب کی بڑی اعلیٰ تعلیم ملی جاتی ہے۔ جہاں تک داخلی زندگی کا تعلق ہے، یہاں ہے کہ کس طبقے کی داخلی زندگی سے پہلے ملی داخلی تربیت خاص طبقے کے لیے جلتی تھی۔

یہ ضرور ہے کہ اس خاص طبقے کو کڑی ضرور پہلی کیمپریل کو وہ عوامیات اب حاصل نہیں رہیں۔ پہلی دفعہ تمام اناس کی داخلی اور داخلی زندگی کو نشانہ بنانا پانے کا موقع ملا ہے۔ اس میں گراس کا سوال یہ نہیں ہے۔ جلد غلام یا زور میں طبقے کو کیمپریل کے ضرور سامنے ہوا ہے کہ انہیں اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ اپنی زور منہج کا اختیار کریں۔ یعنی داخلی سے الگ ہو کر اپنا آزادی اور جاننے پر فوج نہیں ہے۔

حسن رضوی اپنی انتساب کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

فیض احمد فیض کی اپنی تمام کا جزا انتساب ہے اور فرنگی راجہ ہلائی کے بعد اس قسم کا انتساب دینا میں نہیں آئی۔ دس تھن دیت نام و طریقہ کے انتساب میں طرفین کی فوجوں کے دو میدان جنگ تھی۔ امیران میں رانا داسے تمام کی فوج اور حکومتی اداروں سے لڑائی جیتی ہے۔ یہاں پر تمام نے فوج کو ہرایا ہے۔

فیض احمد فیض انتساب دس سے ملے دس کا ادب خاصا اور نیا ادب تھا۔ انتساب کے بعد جو مصنفی جوڑے آگیا اور ساری قدریں وہاں کی منظم ہو گئیں اس کے بعد کیا دس ادب میں عام انسان کی جذبات کو بھی اہل دس کی کوشش کی گئی ہے؟

فیض احمد فیض 1963ء میں لندن گرا میں جب پرجہن رائز کی کانفرنس ہوئی تھی اس میں صرف ہم نہیں لوگ نہیں تھے۔ یہ کتب گھر کے لوگ تھے۔ یہ سارے سوات وہاں چکے تھے۔ انتساب سے پہلے انسان اور مخالف جیسے بڑے رائز موجود تھے جن کا مسئلہ کوئی تک تھا۔ آپ نے ان کے بعد کیا حیرانہ ہم وہاں موجود تھے۔

اس کا جواب اعلیٰ ترین درجہ نے دیا تھا کہ "تھیک ہے ہم نے انتساب کے بعد انسانی" دوستوں کی اور پیچیدہ پیدا نہیں کیے۔ لیکن وہ چیز ضرور ہے اکی ہے جو اپنی جڑا سارا تہادہ میں پیدا نہیں کر سکے۔ پیچیدہ تہادہ سارا تہادہ لیکن تہادہ میں پیچیدہ کے پیدا ہونے سے لے کر آج تک تم نے جتنے اپنی جہاں چھاپے ہیں ہم اس سے زیادہ ایک سال میں چھاپتے ہیں۔ ہم اس نے اپنے خاصہ نکلا کہ جب 1934-35ء میں دس میں بڑے خط انتساب کا راز تھا۔ جب یہ کہا

گیا تھا کہ صرف حرد اور کسان کی زندگی کے بارے میں لکھتا ہے اس زمانے میں میں ادراک اور وہاں کے ادیب ایک کارخانے میں گئے اور میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ تم ان حرد وہاں کے لیے کو لکھتے ہو۔ اس نے کہا ہیرا جو سیر ہے وہ کیا لکھیں گے میں ان کے لیے کیا لکھوں۔ چنگے سال ہی ادیب اور میں ایک کارخانے میں گئے میں نے ایک حرد سے سوال کیا کہ یہ ادیب تو میرے ساتھ ہیں تم ان کی کتابیں پڑھتے ہو تو وہ کہنے لگا کہ ہمارے سپان کا نہیں ہے۔

فیض احمد فیض سوال کا مقصد یہ تھا کہ وہاں کے ادیب سوائے سیاست کے دل کی بات بھی کرتے ہیں یا نہیں؟

فیض احمد فیض انسان کے دل سے میں اپنی خاص خیالی کی گئی تھی کہ مصنفی ادب ہونا چاہیے لیکن وہ زمانہ بیت گیا۔ اب وہاں کے بے شمار اور انسان کا زندگی اور انسان کے داخلی سوا کا کو بھی ذرا بحث دار ہے ہیں۔ پائیز مقصود رسول حرد "سلیمان لالو بڑے پچا اور بکے دالے رائز ہیں۔

سعادت صدی اسی کانفرنس میں یہ سوال بھی تو کیا گیا تھا کہ دس کی رائز تو میں نے کرتا حرد بڑے رائز نہیں ہیں اور ان کے ہاں پچھلے دلی بشر کتابیں نہیں ہوتی ہیں۔

فیض احمد فیض اعلیٰ ترین درجہ نے اس کا بھی جواب دیا تھا۔ جب ہم نے انتساب دیا کیا تھا تو ہم نے یہ بھی کیا تھا کہ یہاں کے حرد اور کسان کا احصال نہیں ہوگا۔ ہمیں شادی سے نہایت دلی جاسے گی۔ ہم نے یہ کہ کیا تھا کہ ہم بڑے رائز ہیں انہی کریں گے اور ہم نے یہ کہ

گیا تھا کہ رائز تو میں نے پچھلے ادیب کا نہیں نہیں ہوگا۔

اصل بنیادی سوچ یہ تھی کہ انتساب سے پہلے اور بعد کی شاعری میں آپ کو کیا فرق محسوس ہوتا ہے؟ پہلے وہاں کی شاعری کا تاثر کیا اور تھا۔ اب یہ کہ اور ہے؟

فیض احمد فیض یہ فرق صرف انتساب دس ہی کے خوالے سے نہیں ہے بلکہ خود اپنے ہاں دیکھ لکھتے۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے کی شاعری اور بعد کی شاعری میں اتنا فرق ہے۔ حالات کے مطابق شاعری اور ادب میں تبدیلی دانا جوتی دانی ہے۔

اشفاق احمد میں تو عام شاعری کی مشیت سے پوچھنا ہواں گا کہ آپ کی شاعری کا طرز امتیاز جو صحت اور شفقت ہے۔ صرف اپنی رنگ اور اس کی آواز اور اس میں موسوں کا ذکر یہ چیزیں دس کے ساتھ رہتی دیکھتے کے بارہ پچھلے انگریزوں کا سامنے آئیں۔ یہ بات عام آدمی کو حیران کرتی ہے؟

فیض احمد فیض جو کہ ہم نے پچھا "لکھا" لکھا اور دیکھا اس کا قصہ تو دس کی دینی سے کہ نہیں ہے۔ دس کی دینی تو زندگی کے جہاں بہت سے اور اور ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ انہوں نے ہم سے دینی کی قسم لے لی ان سے دینی کی۔ جلدی دینی تو ہی اتنی دانی ہواں سے بھی ہو جاتی ہے۔

حسن رضوی آج کل ہمارے ہاں ایک مسلمان بنی ہوئی ہے محبت دین اور غیر محبت دین آپ اس کی قرینہ کہہ سکتا کریں گے؟

فیض احمد فیض کبھی محبت دین تو ہم جانتے ہیں غیر محبت دین کے بارے میں معلوم نہیں۔ محبت دین کے سوالی تو اس خط میں موجود ہیں۔ جہاں سے

اختلاف پیدا ہوتا ہے اس کا تعلق سب وطن یا  
بعض وطن سے نہیں ہے اس کا تعلق آپ کے  
نظر سے ہے کہ آپ کے ذہن کی حکومت کبھی  
ہوئی یا ہے اور سیاست کبھی ہوئی یا ہے۔ جو  
آپ سے ممکن نہیں ہیں ان کو آپ غیر محبت وطن  
کہہ دیتے ہیں۔ یہ تصور سوائے ہمارے ملک کے  
اور کبھی دہلی نہیں ہے۔ افغانستان میں بہت سے  
لاٹاف گروپ ہیں لیکن وہ انہیں میں ایک  
دوسرے کو غیر محبت وطن نہیں کہتے۔

فارغ بخاری آج کل ہر ادبی پرے میں زیادہ تر  
ذہبی شاعری دیکھنے میں آ رہی ہے اس کی کوئی  
خاص وجہ ہے؟

فیض احمد فیض، مرزا، میں حکومت کے طریق کار اور  
حکومت کی ہے جس کی ایک حاشہ ہوتے ہیں۔ مرزا اور  
نصرت مرزا میں کی گئی ہے۔ مرزا ان کا آواز ان  
سے ہوتا تھا۔ اور سناٹے میں بھی غرضی خان  
طاسا قابل اور دیگر بڑے شعراء نے ذہنی حوالوں  
سے شاعری کی ہے۔

اصل چارڑی "دوست جبرنگ" میں آپ کی ایک نظم  
جو کے عنوان سے ہے جس میں زندگی کے تعلق  
یا تمہی کی گئی ہیں کیا اس میں آپ نے زندگی کو خدا  
سے مراد رکھا ہے؟

فیض احمد فیض زندگی خدا ہی نے پیدا کی ہے۔ ساری  
موجودات خدا ہی کی تخلیق ہیں۔ ان کے حوالے  
سے نظم لکھنا بھی ایک نوع کی حوسہ کہان کا تعلق  
خدا سے ہے۔

سعادت سمیع آپ کے تنقیدی مجموعہ "سیدان" کے  
بعد بھی لوگ آپ کی تنقید کے منتظر ہیں آپ نے  
تنقید کے میدان سے کنارہ کشی کیوں کی؟

فیض احمد فیض کنارہ کشی نہیں کی۔ "سیدان" میں جگہ  
دی گئی تھی کہ میں ہیں۔ اس زمانے میں ریلوے

کے پدگرم پر پورا سر محبت نہیں کرتے تھے  
ماخوذ ترتیب دیتے تھے۔ ساتھ "سحر" انارکلی  
تا شہر اور دم دھکے پدگرم میں کیا کرتے تھے۔  
ریلوے کے لیے تھر لکھا آج کی طرح نہیں تھا کہ  
پھر سوچے کبھی جی ٹی بیٹ دی۔ بحث کرنی  
پڑتی تھی اور ڈیو کا کوئی اور ملائی میڈا بہت اونچا  
تھا۔ میرے دفتر تنقیدی مضامین اس زمانے کے  
ہیں۔ انکار دہیں برس "نوب لطیف" کی ادارت  
بھی کی اس کی وجہ سے تنقیدی مضامین لکھتے  
پڑے۔ اس کے بعد پڑے اور زمانے سے رشتہ  
نوت گیا اس لیے کوفہ میں پلے گئے۔ بحث ہی  
نہیں ملے۔ لوٹ کر آئے تو پاکستان دھڑکی  
ادارت اور سناٹے کر دی گئی۔ اب تو وقت  
پاکستانی نہیں تھا "نمبر تنقید" کیا تھیل خانے  
میں تنقید کیا لکھتے شاعری پر آنکھ کیا۔ بعد میں  
تنقید کے لیے بحث ہی نہیں ملے۔

سعادت سمیع 1857ء سے 1936ء تک جسے نوب  
میں اختیار پانے والے شعراء انسان سے آپ کس  
جنگ تعلق ہیں؟

فیض احمد فیض وقت کے ساتھ ساتھ انسان کا شعور بھی  
بلا کر جاتا ہے۔ انسان کسی ذہنی سواٹر سے کاٹ کر  
ہوتا ہے۔ کسی طبقے کا فرد ہوتا ہے۔ جیسے جیسے  
انسانی اور فطرتی صورت حال بدلتی ہے ویسے  
ویسے انسان کا شعور بھی بدلتا ہے۔ 1857ء سے  
فعلی یا تو ہمارے ادب میں صوفی کا شعور انسان کا  
یا پھر اس میں جاگیردار لیکن یا امیر کا شعور یا پھر  
نظر آتا ہے۔ جنگ آزادی کے بعد آزادی کی  
فنون سے معمور انسان کی تصویر بھی نظر آئی۔  
1936ء کی تحریک میں عزم و کسبان اور عام آدمی  
کے شعور کا اظہار کیا۔ طاسا قابل کی شاعری میں  
بھی ایک خاص قسم کے انسان کا شعور بھرپور اظہار

سے سامنے آیا۔

سعادت سمیع جدید شاعری کی تحریک "سیدان" کا جاتا  
ہے ترقی پسند تحریک کے دھڑکے کے طور پر ابھری۔  
آپ راقش "سیدان" اور دیگر صوفی کی شاعری  
کے شعور انسان کے ہارے میں کیا دانے رکھتے  
ہیں؟

فیض احمد فیض فرق شعور انسان کا نہیں ہے۔ ترقی  
پسندوں نے صوفی کی بات کو ادب میں لانے پر  
زور دیا "واحدیت پسندوں نے نوب کو ادبی  
مسائل کی شعور اور لاشعور کے سوالات تک وقت  
رکھا اور کہا کہ ہمارے لیے بچا کر دیا ہے جاتی دیا  
سے خدا کا کیا رابطہ؟ فرق اس شعور کا ہے کہ آیا  
انسان کی ادبی یا ادبی ہے یا کہ شاعر یا کہ کمالی  
ہے۔ بہت سی باتیں دونوں میں مشترک ہیں  
تھیں۔ راقش سماجی تھیں بھی لکھتے تھے۔ سیرانی  
تقدیر آتی تھی انہوں نے داخلی مسائل پر توجہ  
دی۔ جمالی اور شاعری مسائل ترقی پسندوں  
کے لیے اہم تھے۔

سعادت سمیع انے شعراء نے راقش اور سیرانی کی  
جدید ادب علم کی تحریک سے بھی اختلاف کیا۔ ہم  
آپ کی دانے کے شعروں کے ہارے میں بھی  
جانا چاہیں گے۔

فیض احمد فیض، ہر شاعری کا واسطہ انسان سے ہوتا  
ہے۔ شعری لفظ بہت اس کے کنارے میں ہے۔ نئی  
شاعری کی تحریک بھی حالات ہی کی بدولت ہے  
ان کے حالات ایسے تھے کہ کوئی اور تجربہ ان کے  
ادب سے نہیں کر سکتا شاعری کی جدید علم لکھتا ہے  
کس تک بات پہنچی یا نہیں پہنچی اگر پہنچی تو اس  
میں کوئی صحت اور نیا نظر آتا یا نہیں۔ اس کا سب  
سے بڑا نمیش تو یہ ہے کہ اس شاعری کو لکھنے  
لوگوں نے قبول کیا یا نہیں قبول کیا یا اس وجہ سے

قول نہیں کیا کرتا، ری کھڑا میں ہے یا اس جو سے  
 کہ اس شامی میں ہی کوئی بھی تھا، جب تک  
 شعر میں زندگی کی طرح کوئی کئی کوئیں نہ چھوٹا  
 بات خالص ہو جاتی ہے۔ اگر شامی میں جان  
 ہے تو وہ اپنے آپ کو مٹا لے گی۔ یہ خواہش پیدا  
 ہوگی کہ اپنے لشعور سے نکل کر پانی کا بجھ سے  
 بھی رشتہ جڑا جائے۔

اصل غازی آپ سے ایک شکایت کی جاتی ہے کہ  
 آپ کے شاعروں کو نہیں جانتے وہ جو لڑے کر  
 رہے ہیں وہ آپ تک نہیں پہنچے کیا یہ شکایت جہا  
 ہے؟

فیض احمد فیض، جہاں پہ شکایت تھی سے نہیں کرتی  
 چاہیے۔ پہنچانے والوں سے کرتی چاہیے۔

سعادت سید آپ کو اپنے محاسن پر دے لوں  
 کی طرح میں کسی نے حاش کیا ہے۔ کیا آپ  
 حوالہ دے سکتے ہیں؟

فیض احمد فیض، میرا مصروفی کے ہم بہت مشغول ہیں  
 تاثر کا بھی کے بھی۔ پانی اور بھی بہت سے ہم  
 ہیں۔

سعادت سید ہم جانتا ہوں گے  
 فیض احمد فیض، نام لینے سے میں گھبراتا ہوں کہ کون سی  
 کامیاب جانے گا ان کے بارے میں نہ کہ وہ نہ  
 ہے۔

فارغ بخاری آپ کو کون کون نام نہیں کرتا  
 پاتے؟

فیض احمد فیض، میں پتا نہ جانتا ہے۔ اس کے علاوہ  
 بھی بہت سے لوگ ہم سے فارغ ہیں جی رہے  
 ہیں۔

سعادت سید کوئی اور مثال آپ کو پتہ نہ آتا۔

فیض احمد فیض، اس ضمن میں ہم ایک مثال کا بہت  
 پرانے رکھتے ہیں، وہ ہے "پانچ لکھ لاکھ میں

وہاں"۔ مگر خدو کا لکھا ہوا ہے۔ میں کہتا  
 ہوں اس کے جواب میں کوئی چیز نہیں کہی گی۔  
 انجمن میں کہ "اسحق" بھی بہت پتہ ہے۔

سعادت سید افسانے کی، پتا نہیں؟  
 فیض احمد فیض، جی اپنے افسانے اور جی اور بہت  
 سے سہارے ہیں۔ "گہلا چٹا جنم"۔ یہ بھی پتہ آتا  
 اور پتہ نہ دے کے افسانے بھی۔

حسن رضوی آپ نے پہلی شامی بھی کی۔ پہلی  
 میں لکھنے کا خیال آپ کے دل میں کیسے پیدا ہوا؟  
 فیض احمد فیض، میں نے پہلے بھی نہیں پہنچا تھا کہ کچھ  
 سعادت اپنے جی میں اس کے اعتبار کے لیے پہلی  
 زبان کا سہارا لینا چاہتا ہے۔ اور میں دیکھ گیت  
 نہیں کہتے جانتے کہ کون سا زبان شری بھی ہے اور  
 اس کا تعلق جو مٹنے سے بھی ہے۔ اگر آپ  
 مای اور میں بھی لکھتا ہوں گے تو وہ اور کی  
 جانے کسی خاصے کی تھی پانی کا وہ اختیار  
 کر لے گی وہ کڑی پانی کا جانے گی یا پانی اور  
 جانے گی یا کسی اور خاصے کی زبان۔

حسن رضوی آپ نے مرے بھی کہے ہیں ان کی  
 قریب کا سب کیا تھا؟

فیض احمد فیض، ایک موضوع ہی آیا ہے کہ اس سے  
 اپنا تعلق دیتا ہے۔ ویسے بھی دیا اے بخاری  
 اور سے میرا بھی مرے لکھتے تھے ہم لڑائی بھی  
 ہوئی اور ہم نے مرے لکھا۔ کراچی میں کچھ اصول  
 اور لکھا بھی دیکھ سرائی کر مرے لکھنے کی توجہ  
 پیدا ہوئی۔

سعادت سید ان دنوں غازی لکھ کا بھی بڑا چاہ ہے  
 آپ اس صنف کے بارے میں کچھ کہنا بہت  
 فرمائیں گے۔

فیض احمد فیض، ایک چیز ہے شامی اور دوسری غزل۔

پانی، ری غزی لکھ۔ یہ اصطلاحی شامی لکھ سے  
 بار ہے۔ غزل کے شامی کھیرے کے ہیں اور غزل  
 کے شامی کھیم کے ہیں ایک ہا کر لے کے ہیں۔

اشفاق احمد فیض صاحب یہ اصطلاح دیکھی  
 اصطلاح ہے جیسے عارضی مستقل خاصیت کی  
 اصطلاح۔

فیض احمد فیض، غازی لکھ کوئی پتی نہیں، 1930ء اور  
 1930ء کے دور پہلی غزل میں سے لکھ کر دے تو  
 ہو لے تھے۔ "پتہ لکھی"۔ غزل کے وہ شاعر اور  
 میں تھے۔ اس قسم کی غزل کو بھی ادب لطیف بھی  
 کہتے تھے ادب اور بھی غزل لطیف کہا جاتا تھا۔ اس  
 کی ابتدا پتہ لکھی ہی کے "گلزار" سے ہوئی۔ آخر  
 غزل ہی کے "گلزار" میں بھی اس کی جگہ نہیں  
 تھی کہ اپنے اعتبار سے غزل صاحب نے بھی اس  
 غزل میں بہت کچھ لکھا ہے یہ سلسلہ کالی اور تک چلا  
 پھر یہ بات ختم ہو کر رہ گئی۔

سعادت سید مطرب میں تو غازی لکھ کا ایک باقاعدہ  
 صنف کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ پانچ لکھ  
 نے بھی اس قسم کی لکھیں بھی ہیں۔

فیض احمد فیض، مطرب میں کوئی ایک صنف نہیں ہے  
 وہاں لکھی کوئی چیز نہیں۔

اشفاق احمد میں اسے نہیں، ان کا کہ مرے آپ نے  
 فرمائی لکھا تھا اس لیے کہ آپ اپنی ساری ساری  
 اچھی لکھ اپنے آپ کو لکھتے تھے۔ میرا  
 مطلب ہے کہ اگر اسی زمانے میں اسی مقام پر  
 آپ سے کوئی غزل شامی کی فرمائیں کہ تو کیا  
 آپ کی شامی بھی کرتے؟

فیض احمد فیض، فرمائیں سے میری ساری غزل لکھ سے  
 تھی۔ واقعہ یہ کہ غازی ساری کا قصہ ہے، یعنی  
 قریب کے لکھ میں مرے لکھتے کہ لکھتے تھے۔ "گلزار"  
 شامی کے لیے میں "پانچ لکھ" پر چار نہیں

ہوں۔

اصل چٹاری آپ کے خیال میں پاکستانی ادب کیا ہے؟ یہ کیا ہو سکتا ہے۔ ہمارے کیا ہونا چاہیے؟  
فیض احمد فیض پاکستانی ادب وہ ہے جس میں پاکستان

کی روایات، عادات، ٹپس، مٹھروں، چٹلی، مٹھرے، مطابقت موجود ہے۔ وہ اپنے ذہن ادب، ہمدرد کا بلند نہیں ہوتا۔ اس میں مقامیت کے ساتھ ساتھ عالمگیریت اور آفاقیت بھی موجود ہے۔ عالمگیر ادب کا نکتہ وہی ایک مقام نامول اور ایک طبقے میں ہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم، طبقے، مٹھرا، اپنے آپ، دھارم، تاریخی اور ثقافتی سے جس حد تک جڑا ہے اس کا اثر اس کے ادب میں آنے کا لیکن اس کے باوجود اگر وہ اپنی خاص یا ادیب ہے تو وہ آفاقیات کی جانب سڑ کرے گا۔ جیسے جیسے عرفیہ نام حافظ احمدی، مولانا دم، غالب کو ساری دنیا پڑھتی ہے۔ مقامیت کے باوجود ان کے پاس آفاقیات کے عناصر ہیں۔ ان پر دہانہ ڈکا کرنا ہے کہ ذہن ادب بھی تو بیکل نہیں ہوتا۔ عصری ہوتا ہے۔ یہ ہر زمانے کے ادبی اور کلاسیک ہے۔ پاکستانی ادب وہی ہے جو پاکستان کے گلاس کی ٹوٹا ہوا حالات کو ساتھ لے کر جاتا ہے۔

اصل چٹاری آپ کم کو بھی ہیں۔ انکی اشعار بھی دیکھتے ہیں جو صوفیوں کی مسکنات ہیں۔ ہمارے بہت سے شاعر تصوف سے متاثر دیکھتے تھے۔ آپ کے بارے میں کیا جاتا ہے کہ آپ کے دامن میں بھی روحانی ہے؟

فیض احمد فیض میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اگر شاعرانہ طریقے سے دیکھا جائے تو ہمارا دینی، شیعہ، صوفیائی ہے۔ ہماری غزل میں اصل دامن اور اصل تاثیر کی افکار، شروعی سے موجود ہے۔ طریقت اور شریعت کے

درخانات ہمارے دامن میں ہیں۔ اہل طریقت انسان روحی سمیت اور انسانی کا دین دینے تھے۔ ان کا دین اور ظاہر برقی، تعصب، قدرت اور حکم کے خلاف تھے۔

اصل چٹاری جن دنوں آپ فیض کو نسل آف دی آرٹس اسلام آباد کے قیام میں تھے میرے لیے ایک اعزاز ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ گورنمنٹ ہائی سکول میں کیا تھا۔ وہاں آپ نے ایک حصار ماضی دینی تھی۔ آپ کی حصار بندی بھی بھلی تھی اور آپ نے وہ جگہ میں مٹھروں، اپنی فکر میں رکھا۔ ہمیں فرمائی تھیں۔ آپ مسلم پاکستان کے گھر کے ساتھ اس صورت حال کو کیسے سمجھا کرتے ہیں؟

فیض احمد فیض ہمارے گھر کا حصہ ہے۔ ہم تو دیہاتی آدمی ہیں۔ چٹاریاں میں دیہات میں کوڑا تھا۔ دیہاتوں میں اس زمانے میں رات کو گائیں کی روشنی میں چٹا، مالوگ اور پھٹ ڈال کے قیام پائے جاتے تھے۔ وہ دن میں گرم اور دن کے مزموں پر بھی جاتے تھے اور دیہات کے دوسرے ماحول میں بھی گھر پر مصروف کرتے تھے۔

فیض احمد فیض ایک دفعہ آپ نے فرمایا تھا کہ بڑی ہر سے تھیں میل کے قریب سے ایک گاؤں ہے، سرائے صاحب آپ کا وہاں کوئی رشتہ دار تھا اس کے بارے میں فرمائیے؟

فیض احمد فیض سرائے صاحب فیض ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور بھائی، وہاں جو کل رہتا تھا اور سہ ماہی سے بڑی حقیقت دیکھتے تھے۔ ہم جو گل پادشاہ کے وہاں ٹھہرتے تھے۔ یہ بات ہے ساتویں آنسو کی۔

اشفاق احمد فیض صاحب نے کہا ہے کہ شاعری کے

رہنے سے وہ صوفی ہیں۔ میں یہ عرض کر رہا تھا اور ارشد یہ ہے کہ آپ کی اصل تخلیقی انتخاب کے ساتھ ہے۔ یہی ایک ادیب سے صوفیانہ سوچ کی کا صبر ہے کہ صوفی پر کام کو ایک جماعت کی حیثیت میں کرنے پر یقین دیکھتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ صوفی یا تو بھٹ صاحب جی اوتا ہے یا صاحب جی کی بات کرتا ہے۔ وہ حال کے حوالے سے ہر بات سوچتے ہیں۔ بھٹ شاہ "طموں میں کریں" ہمارا اس لیے کہتے ہیں کہ ادب کتاب کا بھی کھتے ہیں اور حال کی بات کو پسند کرتے ہیں۔

فیض احمد فیض ساتھ ان کی فکر سے کہ رب تک ہم کا بھی نہیں پہنچتے تھے۔ ہمارا ذہن صوفی کا ہے۔ ہمارے گھر میں ہر وقت ہر وقت ہر وقت کے لیے جاتے اور ہمارے ہر صوفی اور اہم سہا کوئی ٹھہریں بھی تھے۔ ہم اسانی باتوں کا اثر انسان کی سانچے پر لڑتی ہے۔ ہم نے تو کوشش کی ہے کہ اپنی جوانی نہ نکالتا ہے۔ اور ایک حد تک بھی ہے کہ تحفظ اور صلاح اللہ اسے نظر رکھتا ہے۔

فارغ بخاری فیض صاحب آپ نے ہمدردی کے کہیں کی بھی قدر رکھیں گی ہے۔

فیض احمد فیض میں بھی جب ہم ایک بار کے تھے ان دنوں لاگوئیں میں تھیں کہ اس وقت ہمارا وہاں دس برس سے لاگوئیں میں تھیں کہ ایک سال کا تھا۔

حسن رضوی طائے دینی میں سے تھے کسی سے آپ جڑا رہے ہیں؟

فیض احمد فیض میں بھی یہ سہیلانہ دینی مطاف شاہ بخاری سے بہت سے ملے اور شاعرانہ صوفی انہم کے گھر میں ملاقات رہی ہے کہ گھر سے باہر کا

جو بھی کوئی عالم یا شاعر آقا قاسم کو اس کی  
لغت صوفی شمس کے گھر میں ہوا کرتی تھی۔  
وہ ایک سید سلیمان ندوی سے ہماری ملاقات ہوئی۔  
بھارت کے سیر کیا ایک مصرع "غریبوں کی عقل  
کا جی" پر ادبی دنیا میں اعتراض کیا تھا۔ بھارتی کو  
عربی نہیں آتی تھی میں نے سید سلیمان ندوی کو علم  
بخائی۔ انہوں نے بڑی جلدی اور کمال عقل کا جی  
میں کیا فرمایا ہے بالکل درست استدلال ہے۔  
انہوں نے سند کے طور پر جگہ کا مصرع پڑھا۔  
کس حد تک کو حریف کو قصہ کہہ سکتے

اصل پہاڑی حسن عسکری کی کتاب "جہادیت" کے  
بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟  
فیض احمد فیض حسن عسکری تھا۔ بہت دھمکے تھے۔ کسی  
زمانے میں انہوں نے افسانے لکھی بہت اچھے  
لکھے آفری میں انہوں نے یہ کام ہی بھڑا دیا  
اور ایک کتاب "جہادیت" لکھی جو لکھے بھار  
عارف نے لکھائی۔ میں حیران ہوا وہ لکھا ہے  
باصطلاح کتاب ہے اس وجہ سے کہ اس میں  
مطرب کی گراہیوں کا گھاسا ہے پہلے وہ یہ کہتے  
ہیں کہ مطلق اور مستحال جہاد ہی عقل ہے۔ پھر  
اگر یہ جہاد ہی عقل ہے تو پھر آپ سے بحث کیسے  
ہو؟ پھر بحث کے کوئی دوسرا آدمی بالکل اس سے  
الٹ خیالات پیش کر کے مشرقی گراہیوں کا بھی  
تکرار کر سکتا ہے۔ ہمارے لیے تو نظریاتی بحث  
میں مطلق اور مستحال کو بنیادی اہمیت حاصل

ہے۔

حسن رضوی صوفیہ تصور دینی کے بارے میں آپ کی  
کیا رائے ہے؟  
فیض احمد فیض، نیکل خانے میں ان نے سرسری  
ملاقات دی۔ وہ اب میں امرتسر میں تھا تو انہیں  
اپنے کالج میں بھی بلا دیا تھا۔ مگر بہت اچھی لکھتے

تھے اور اپنے نظریے کے حوالے سے عالم آدمی  
تھے۔  
فیض احمد فیض اسٹیڈی آپ کی تحریک کے سلسلے میں کچھ  
فرماتے۔

فیض احمد فیض، ہمارے خیال میں مسلم ممالک میں  
مسلمان لکھتے دہلیوں کی ادبی تحریک اسلام ہی کا  
حصہ ہے۔

اصل پہاڑی عربی ادب کے سلسلے نے آپ کی  
شاعری پر کیا اثر ڈالا ہے؟  
فیض احمد فیض ہم نے اسے مگر جگہ استمال کیا ہے۔  
سعادت سعید جہاد اور دہلیوں میں آپ کی کتابوں  
کا کام جانتے ہیں؟

فیض احمد فیض ڈاکٹر محمد حسن، قرآن مجید "کوئی چند  
دارک" لا۔ انصاری "خانہ احمد" قازی سلطان  
الدین احمد علی مدنی وغیرہ۔

حسن رضوی آرش کاظمی اور ان کی آف لیزر کے  
کام سے آپ مطمئن ہیں۔

فیض احمد فیض اصل تو لکھے مطمئن نہیں ان کی یہی آف  
لیزر کیا کرتی ہے۔ پچیس کونسل آف آرش کا  
مصرف یہ ہے کہ اسے ایک رائج اور موجب  
پر گرام اور انوکھ لکھنا کے سارے ملک میں  
ادبی ثقافت اور جذبہ کی کھلی اور عقل پرانی  
صور میں دیکھا کر کرنا ہے لیکن اب مطمئن ہونا ہے کہ

اس کا کام صرف اتنا ہے کہ جہاد کی ممالک کے  
خانوں کا استعمال کریں اور اپنے طائفے باہر  
بھجیں اس کی قوت اور سوا طائفے ہی ہوئی  
ہو ہے۔

حسن رضوی دہلی اور پٹنہ دہلی کے یہ گراہیوں کے  
بارے میں آپ کا خیال؟

فیض احمد فیض لکھا کی کھڑی تھے جہاد لکھا دیکھتے ہیں  
اس سے زیادہ کوئی رائے نہیں ہے۔

فیض احمد فیض آپ غم بھی تو جہاد ہے تھے۔

فیض احمد فیض غم ہی جہاد ہے کہ ان میں۔

قاری جہاد ریلز کیوں نہیں لکھتی؟

فیض احمد فیض ڈاکٹر محمد حسن کا بھڑا ہو گیا تھا۔

جینا کی کاروان بھڑا کوئی لکھ رہی ہے؟

قاری جہاد غم کا موضوع کیا تھا؟

فیض احمد فیض تشکیلی غم نہیں۔

حسن رضوی فیض صاحب آپ کا بہت بہت فکر ہے

آپ نے اپنے تئیں وقت کا بہت سا حصہ نہیں

دیا۔ جینا آج کی یہ کھٹکھٹا اقتدار سے تامل

ابھی کی حال ہو گی، اس کے لیے میں

اور "جنگ" کی جانب سے آپ سب کا بے حد

مکمل ہوں۔ بہت بہت شکریہ

☆☆☆☆

خدا آج لکھ کر آکا کر لکھ کر رو دیکھے  
ہدایت دیکھ کر تیرے گھاس کی بات نہیں  
یہ آرزو بھی بدی چھ ہے مگر ہوم  
دو سال یا دھڑا آرزو کی بات نہیں



# پاکستانی عورت کی حیثیت پر فیض کے خیالات

16 نومبر 1994ء کو میں نے اپنے بھائی فیض احمد فیض سے بالکل جڑوں میں ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی اس وقت پاکستان میں عورتوں کی حیثیت کے بارے میں ان کا نقطہ نظر معلوم کرنا تھا۔ میں جیسا چاہتی تھی کہ عورتوں کو کھتر کھتے کے درجہ کو کس طرح دیا جاسکتا ہے اور حقیقت سے یہ ان کا آخری اندر دہ چارہ تھا۔ اس سے اگلے دن وہ اپنے آبائی گاؤں چلے گئے اور وہاں سے واپس پر تھکے چارے گئے۔

فیض صاحب نے اس موضوع پر بہت قیمتی اور شہتہ احساس کے ساتھ اظہار خیال کرتے ہوئے کہا "مورخین اپنے حقوق کو مردوں کے حقوق سے الگ کوئی چیز سمجھتی ہیں اور ان کے لئے علاحدہ جدوجہد کر رہی ہیں حالانکہ مردوں اور عورتوں کے مسائل کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا اس صورت حال کا انحصار تمام تر عورتوں پر ہے۔ تو ہم اور ان کے علاوہ معاشرہ میں جہاں مرد اور عورت کی حیثیت کی تنظیم میں کوئی فرق نہیں دیا جاتا ان کے حالات بھی یکساں ہیں۔ عورتوں کی حالت اس نظام کے مطابق بھڑکاؤ پر مبنی ہے جس کے تحت وہ زندگی گزارتی ہیں۔ جس سماجی نظام میں مرد کی ذات اہم کردار ادا کرتی ہے وہاں عورت کی حالت اس معاشرے کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ضرور مرد سے متاثر ہوگی۔ وہ مرد یا استاد کا نظریہ ہو جائے گی۔ پاکستان کے جن علاقوں میں عورتوں کو نہایت بھڑکائی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے مرد بھی ترقی کر چکے ہیں۔ چنانچہ یہ سوچنا تھا ہے کہ

مورخین مردوں کے بغیر اپنے حقوق خواہتگی ہیں۔ مورخین انکی کچھ نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے جب مرد تعلیمی، قانونی اور سماجی اعتبار سے ہیں تاہم وہاں کے عورتوں کو زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"ہمارے بعض علاقوں میں تو صورت حال بہت ہی خفوسناک ہے مثلاً دیہات وغیرہ میں بالغ عورت کی شادی نوٹیز بچوں سے کر دی جاتی ہے یا راجہ کی شادی شہر سے ہونے کے باعث اس کی شادی ہی نہیں کی جاتی۔ اس کو چاند کے حصے سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ثواب پر کا علیہ نہیں عورتوں کو زیادہ کر کے ہلوس لٹا دیا اور یہ ہے ان کے جسم کو بھانپ کر کھائے گئے اور مردوں کی طرح مذہب اوریت ہی کا شہوت ہے۔ جن علاقوں میں سماجی نظام بدستور چل رہا ہے۔ ایسے ہی واقعات ہوتے ہیں۔ یہ دراصل معاشرے کے بارے میں اس کا مسئلہ ہے۔ جہاں معاشرے کا یہ اچانچہ زیادہ دشمن خیال ہے اور عورت اور مرد دونوں کی صلاحیتوں کی نشوونما کے مواقع مہیا کرتا ہے وہاں بھی کجھت کجھت ترقی پاتی رہتی ہے لیکن وہ اتنی زیادہ نہیں ہوتی جتنی کہیں تاہم معاشرہ میں ہوتی ہے۔"

عورتوں کو قانونی اور سماجی طور پر مردوں کے برابر لانے کے لئے ضروری ہے کہ سیاسی اور سماجی نظام میں انقلابی تبدیلی لائی جائے۔

عورتوں اور مردوں کو کھتر کھتے کی کام کرنا ہوا چاہی صورت میں نہیں ہے جب عورتوں کے حقوق کی

جدوجہد صرف ایک چھوٹے سے مراعات پانہ ملنے تک محدود نہ ہو بلکہ پوری آبادی کی طرف سے ایک عوامی سیاسی جدوجہد کی صورت اختیار کر لے۔ مردوں میں بڑے بڑے حالی مورخین بھی آکر ہو سکتی ہیں جب وہ سیاسی تحریکوں میں حصہ لیں۔ سیاسی نظام ایک بہت ہی بڑی چیز ہے اور ہائی رینج اس سے وابستہ ہے۔ ایک پس تاہم اور سیاسی فیصلے پہنچا کر ان کو بے اثر کرنا ہوتا ہے۔ آپ کہنا چاہتی ہیں نا کھتے۔ سیاسی نظام ہی دراصل سماجی نظام ہے مثلاً طوائف کو ہی کھتے۔ دنیا بھر میں کسی جگہ بھی آج تک یہ نہیں ہوا کہ ایک ایسا قریب سیاسی تحریک کے نتیجہ میں عورتوں کو ہر طرح سیاسی جدوجہد کے بغیر سیاسی تحریک میں جلی نکلے۔ اسی تحریک سے طوائف کی بہانہ چلے گی۔ سیاسی نظام کی غرابوں کے اثرات سے معاشرت بھی متاثر ہوگی۔ دہائی کے ہر پر انداز میں قائم افغان کے لئے ضروری ہے کہ لوگ اپنی جدوجہد جاری رکھنا چاہتے ہوں۔ اس وقت ہمارے یہاں زیادہ تر دہائی چار لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اسی کے عوامی صلاحیتوں کو بڑی طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی بھی انقلاب بلاجہد برپا نہیں ہوتا۔ یہ انقلابی کے خلاف ایک دھمکیل کے طور پر ابھرتا ہے۔ کیوں کی مثال نہیں۔ وہاں 70 فیصد طوائف کی تھی۔ کوئی صحت عامہ کا نظام نہیں تھا۔ وہاں کی فنی قہوت نے انقلاب کے بعد ہی ان سارے مسائل سے توجہ شروع کیا۔ سماجی نظام کو بدلنا بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر ہم کسی ایک مسئلہ کو

طبعاً سے مل کر نے میں کامیاب نہیں ہو سکے مگر  
 فیملی چانگ کو قطعاً اور وہ بات کے بغیر رہا نہیں کیا جا  
 سکتا۔ بہت میں لڑائی فیملی چانگ کا کام ہو گئی بلکہ  
 اور اگر گاہی کو اس سے کامپ میں تھساں اٹھاتا جا  
 چکے تھیں میں فیملی چانگ کا سہا رہی۔ مورتوں کو

مردوں کے شانہ بشانہ نر کی کی اور بعد میں حصہ لینا  
 چاہیے خاص طور پر عازمت پیش خواہین کو کھل لینا  
 چاہیے کہ ان کی کامیابیوں سے حق جادات کی بھڑکی کی  
 کوئی صورت مل سکے ہے۔ مورتوں اور مردوں کو الگ  
 الگ خانوں میں نہیں چاہا جا سکتا۔ جب تک مردوں کو

ملکی نظام میں اضافہ نہیں لے گا مورتیں بھی اس  
 سے محروم رہیں گی۔"

☆☆☆☆

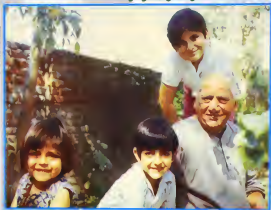
[illegible]

فیض احمد فیض اور استاد امن





فیض احمد فیض اور ایس فیض



فیض احمد فیض ان کے بچے علی یاسر اور فواہی میرا

## ہم سفر اور شریک حیات

اہلِ اہل ہوتی ہے، انھوں میں داخل اگر ایسے ہوں  
جہیں ادا کرنے کے لئے ہاتھ دے جانے کی کمی  
خبروت ہو لیکن یہ کون شکل ہے کہ عام لوگوں کے  
حقا بے میں فکرا زیادہ خود اراش کیوں ہوتا  
ہے قاتلاں کا سبب ہے کہ اس کا حکم برداشت  
ہوتا ہے لیکن میں ہے اور اس کی وجہ میں ہی موجود  
ہو اس کا فوٹو میں ہی ایسا چھوڑا ہوتا ہے۔ اس  
کے اور اس کا سبب کو طحا و کرپہ تمام باتیں برداشت  
کرنا ہوتی ہیں بلکہ ان کی سرکری مسئلہ انھوں کا تھوڑی کمی  
علم کسی حد تک یا انھوں یا کسی اور شاہکار کی شکل میں

”کیا تم اپنے شوہر کی شادی کبھی کرتے ہو؟“  
سوال مجھ سے اٹھایا گیا ہے اور میں نے کافی غور  
لوٹنے کے بعد اس کا ایک ایسا جواب دیا جو اس کے  
میرے خیال میں صداقت پہنچا ہے اور جواب آخری  
نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ میرا جواب بھی اس کی ہمت  
کہ میں ان کی شادی کو کبھی نہ کرتی تھیں کرتی لیکن  
یہ دینی ضرور ہے کہ میں شوہر کو لگتی ہوں اور کسی شوہر  
کی نصیبت یہ اس کی شادی کا سر پر شوہر اس کے  
وہ ان کی قوت حرکت کرتی ہے کہ میں اس صورت میں  
ان کی نصیبت کی صورت کرنی کی کو قوت نہیں کروں گی  
کیونکہ اس کے لئے ان انھوں کو اسے کھانا کھانے کا  
ایک دہائی کے ہاتھوں سے اور چونا کھانے میں ایک  
شوہر کے گھر کی زندگی کا خاکہ پیش کروں گی جہاں وہ  
اپنے اور اس کا سبب کے نتیجے میں ہوتا ہے جس کے  
کوئی نمائی میں وہ ہستی اور مالی نظام دور کرتا ہے  
اور جہاں وہ کسی شوہر اور کسی بیوی شوہر شوہر کی  
گفتگو کرتا ہے۔

تاریخ پیدائش معلوم نہ گاہ فزات میرے جنوری ۱۹۱۱ء اور  
۱۹۱۲ء میں درج ہے، میرے حال کی میرا ترقی و تہ  
فزات میں کہ قتل کر دہ سبب کو اس کے پیدائش کے انداز میں  
ریکارڈ دیکھ کر مصحح تاریخ معلوم کرنے کی کوشش کرتے انھیں تحقیق  
بہ صلاحیت بلوچ نے گاہ فزات میرے انہوں کو اس تاریخ پیدائش  
میں لکھ دیا

۱۹۵۴/۴/۱۱

مصرط رہتا ہے۔ ہر صورت یہ ایک مسئلہ حقیقت  
ہے کہ فکا کی مجلس کو ان سے ہر مجلس کو ساتھ چلتا  
رہتا ہے اور اس سے بھی انکا نہیں کیا جا سکا کہ وہ  
ایک سے کنگ قاتل معلوم بھی کرتا ہے۔ ان لوگوں سے  
مٹنے کے بعد سے کرے بھول جاتا ہے۔ اپنی وجہ  
گروہ کا ہوش نہیں رہتا۔ کہیں جاتا ہوتا ہے وہاں  
جانے کے بعد انھیں بھٹکتا ہے۔ وہاں کا گناہ کہیں  
دکا کر بھول جاتا ہے اور اس کے لئے سدا گھر جہاں

میں نے لوگوں کا کڑا کچھ شام ہے کہ انھیں  
کا حراج عیب طریقہ کسی اس کے اظہار دیا جہاں  
سے نالے ہیں تو کیا ہوا۔ ہر صورت ایک فن کار  
ہے اس کی تھوڑی حواشی اس کی کا قوت ہے اور اس کے  
کا اہلی ہیں کہ صرف اس کے قاتل معلوم کیا جاتا ہے  
کہ وہ فکا ہے۔ اسے کسی حد تک خود اراش کی ترانہ  
قر آسانی اور مجلس و اپنی فراغت سے گریز کرنے کی

ظاہر ہوتا ہے انھیں اپنی قسمت پر شاکر ہوتا ہے۔  
کی سال دور کی بات ہے کہ کنگ ایک کتہ کی  
کم شہ کی کا پتہ قریب ہوا۔ جاری کی کی شادی ہوتی تھی  
اور جاری آمدنی بہت کم تھی۔ کنگ بڑا علی گئی اور  
تھیں تھوڑی سے چڑھائی تھیں۔ میں جہاں میں  
تھی اور میرے والدین انکسٹان میں رہاں نے ان  
سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی انھیں کوئی انھیں کوئی شادی  
تھی کنگ سے پہلے ہی تھی۔ میں شادی اور کاروان

کمرہ یوں کے لئے کوئی ادا دلی بھی نہیں تھی جنہیں وہ اپنا حق تصور کرتا ہے۔ اس کے باوجود ہم نے ایک سوٹ خواہی ڈالا۔ نیا سوٹ خواہی اس زمانے میں ایک عیاشی سے کم نہ تھا۔ فیض اسے پہنے کے لئے امرتسر کے سردار کے پاس گئے اور وہاں آئے سالن میں ہم سوٹ کے قریب ایک دور دراز سوٹنگ ٹیمک مکان میں رہتے تھے۔ اس وقت کوئی تانگہ والا وہاں تک جانے پر چار نہیں ہوتا تھا۔ چار ہٹکل سے ایک تانگہ والا اس پر راضی ہو گیا کہ وہ انہیں بیکہور تک پہنچا دے گا۔ تانگے والے نے فیض کو جس جگہ اتار دیا وہاں سے ہمارا گھر قریب ایک میل دور تھا اور انہیں یہ سرافت بول ملے کہ چلی۔ چلتی چل ان کی بھلی میں رہا ہوا تھا۔ مگر پہنچ کر فیض نے بھگے ہنگامہ میں نے چل ان سے لے لیا۔ لیکن اسے ہاتھ میں لپٹے ہی میرا ہاتھ ٹھکا کیونکہ اس میں ایک گرم سوٹ ہونے کے باوجود چل بہت ڈکا تھا۔ چل کا ایک کنارہ کھرا ہوا تھا۔ کوٹ کنارہ فیض نے کھات بہت ہو گئی ہے اب اسے صحیح حال کر دیں گا لیکن بھگے بھینس ہے کہ جہاں تانگے والے نے بھگے ہاتھ اتار دیاں سے سر ٹک آنے میں ہی آت کہیں کر کیا ہے۔ لیکن توڑی ہی ہوتے کے بعد جو ایک حد تک یک طرفہ تھی یہ ملے پیا کہ وہ تارچ لے کر اسی وقت کہت تلاش کر لے پہلے جانیں لیکن تلاش نیم مل کے باوجود کوٹ نہ مار۔ چلون ایستہ میرے پاس کی سال تک چل کی قوی رنگی رہی۔ اسے کسی نے استعمال نہیں کیا اور وہاں لاہوری زبانی کے پہلے سراف کی یاد تازہ کرتی رہی لیکن 1950ء کے سال کے بعد یہ لٹائی میرے پاس باقی نہ رہی اسے ایک شخص کو بے جا گیا۔

چند مہینے بعد کپڑوں سے میرا ہوا ایک سوٹ کیس کم ہو گیا تو میں نے کسی ناگوار کی کا اقرار تک نہیں کیا لیکن 1949ء میں کراچی جاتے ہوئے فیض



فیض اور فیض بیگم کے ساتھ

کا ستر ایک اور مسافر سے بدل گیا تو بحری قوت  
دراشت قریب قریب جواب دے گئی۔ ستر کھلے  
پر لکھے اس میں جو کچھ لکھا وہ اس گم سے بہت اچھا  
تھا جو کچھ اس پر لکھا تھا کچھ لکھے اپنی ہر  
عامت اور کچھ پر پڑائی کی جی جی کسی ستر کے ایک  
نے اپنے دل میں کا سوا ہوا۔

کچھ عرصہ گزرا تو میرا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ یہ  
وہ ٹھکانی ہیں ان کی طبعی طرح دلی اور وہ بے غدائی کی  
غلامی کرتا ہے اور انھیں کسی چیز کی غلامی قدر قیمت  
کی کوئی پیمائش نہیں ہے۔ اس سے صرف ان کی کتابیں  
ضرور مستحکم ہیں جنہیں وہ بذریعہ تصانیف سے  
دیکھتے ہیں اور انھیں اس طرح چنے سے لگا کر رکھتے  
ہیں جیسے کوئی بندہ کار اور ٹکلی اپنے بال و دولت پرانی  
جان بچا کر رہا ہو۔ لیکن کوئی شخص ان سے کوئی  
کتاب مانگا ہے تو ان سے انکار بھی نہیں کیا جاتا۔  
جب میں ان سے ملتا ہوں "تم نے کیا سچے کچے  
کتاب کہاں دے دی۔ معلوم نہیں اس دور میں بھی  
لے کی بات نہیں" تو وہ باری حاشیت اور برنجی سے  
جواب دیتے ہیں۔ "بہت کچھ کوئی اس کتاب کو پڑھا  
رہا ہے اسے دیکھ کر کلمہ رسول پڑھنے میں کوئی مضائقہ  
نہیں۔"

1947ء میں میرے تمام زہدات چوری ہو  
گئے۔ بحری قوت انہیں نے لکھے کچھ چھوٹے چھوٹے  
لیکچر پر تلف زہر دیتے تھے۔ چند چوری میں نے  
خود بھی خریدی تھیں پر وہ سب اٹھا کر لے گئے۔  
میرے اپنے گھر میں یہ بچلی چوری تھی۔ پولیس کی مدد  
سے میں انہیں کوئی قانع نہیں پہنچا اور ہم یہ سوچ کر چھوڑ  
دے کہ جانے دانی چھوڑ کر تم ہی کیا میرے چورے پر  
اساسی غلامی کی جھلک دیکھ کر لکھیں کہنے لگے۔ تم نے  
یہ غلامی یہ مصرع لکھیں۔

نہ کلمہ نہ چوری کا دفاع میں روزی کا

اور میں اپنا کچھ یہ مضمون کرنے لگی کہ میرے  
اساسی غلامی میں ایک طرح کا اساسی شخص بھی  
شامل ہو گیا ہے۔

میرا خیال آج بڑا ہی مضبوط ہے کہ لکھی گیا  
ہے کہ "میرا بھی سیر بھی اپنے والد کے شخص قدم  
پر چل رہی ہے کہ ان سے کئی کئی سال پہلے میں  
یہ بھی چاہتی ہوں کہ جو لوگ ذاتی فراغ دلی سے اپنی  
انجمن سے انجمن چھوڑ دھڑوں کا اٹھا کر دے اپنے چہ  
کسی چیز کی گم شدگی پر ذرا بھی ملوث نہیں ہوتے بلکہ  
جن کے لئے اساسی غلامی بھی تھی کچھ نکل میں ہی چاہتا  
ہے ان کی سمجھت اپنی سرحد افزا ان کی شخصیت  
اپنی دلی راز پر اور ان کی رفاقت ہیبت یا مہذب لکھی طبع  
ہوتی ہے۔"

ان باتوں میں بالخصوص میں کا تو ذکر کرنے کے لئے  
غرض تھی سے کچھ ایک طرح کی ملکیت ہندی پیدا  
ہو گئی ہے اور کچھ کچھ کوئی ایسی چیز بھی مانگ لے لیجی  
ہوں میں کی باتیں کی کوئی ایسی بات نہیں وہ جاتی  
کیونکہ حمار سے اس بھی تو کچھ ہوتا چاہئے حرام  
دوسروں کو میرے کیا اختیار یا بذریعہ سمجھت سے زیادہ  
حقیقت پسند ہے اور ہر چیز کا باقاعدہ حساب رکھتی  
ہے۔ وہ بہت چھٹی سی جی جی کچھ کتابیں پڑھتے اور  
تصویریں دیکھتے کی مدد سے زیادہ خوشگفتار تھی۔ ایک دن

اس نے اپنی دانی کی کتاب اٹھاتے ہوئے بے چارہ  
"دانی! میں آپ کی کتاب دیکھ لوں؟" سیر کچھ  
اپنی کتابیں بہت عزیز تھیں۔ اس نے جواب دیا۔  
"نہیں تم خود اپنی کہاں نہیں رکھیں۔" "دانی میں  
اپنی کتاب بہت زیادہ دیکھوں گی تو وہ کس جاسے  
گی۔" "میرہ نے جواب دیا۔ "نکل کو کلمہ ہوا تو انہوں  
لے اطمینان کا سانس لیا اور لے "ہمارے گھر میں  
کوئی تو ایسا بھی ہونا چاہئے۔"

ظاہر ہے کہ فیاض اور فراخ دل آدمی انسانوں

کے کچھ حماران کی سمجھت کچھ بہت پسند کرتے ہیں  
میرا بھی بہت کچھ اور میرے حماروں میں میرا بڑا راز  
کرتے دانیوں کا کلمہ دیکھ کر لکھیں غرض سے چورے  
نہیں مانتے۔ وہ ان کا دور سے نہ تو نہیں دیکھتے بلکہ  
ان کی رنگ دلیوں میں خوشی حمار چلتے ہیں۔ اپنی  
خاصی اور کم اچھڑی کے باوجود اور یہ بھی ایک  
حقیقت ہے کہ وہ ہیبت چلی یک سوئی ایک بڑا سکون  
گھر پڑائی کی مدد سے لکھتے ہیں۔

ہمارے گھر کے معمولات چور کے کلمہ  
ان رفاقت کے تابع ہیں اور انھیں نے اسے بے چارہ  
پیدا کر لیا ہے تاکہ کچھ کی باقاعدہ دانی میں کوئی  
نکل نہ پڑے یا انھیں کسی قسم کی رفاقت نہ ہو۔ بلکہ  
قول چور کے لئے غم کی طبیعت رکھتا ہے جس کے  
خلاف کسی مدد حمار میں اپنی لکھیں نہیں۔ رفاقت کو  
سوئے سے پہلے اگر انھیں بہت چھٹی سی کوئی ذاتی  
چاہئے یا اپنے کچھ دے دیا میں کہ میں نے جان کچھ ان گھر  
سے نہیں دیکھا انھیں آجائے دیکھنے لیکن بلکہ اگر یہ کہ  
دہی کہ نہیں اب سوچنا تو ان میں سیر چلی کی کہاں نہیں۔  
چور کی پرانی وہ پیدائش کے معاملات سے اپنی  
داخلی کا ستر الگ غرضی حساب کچھ ہے اور وہ اکثر  
کہتے ہیں کہ کچھ میرے دائرہ عمل سے باہر ہے۔

جون 1953ء میں نکل جب میرا آپریشن  
ہوا تھے تو میں نے انھیں ایک خاص کتاب لکھا تھا کہ ان  
بچوں کیلئے ایک وقت وہ اس حساب کے قرائن اہام  
دنا میرے لئے کچھ مطلق ہے اس کے جواب میں  
انہوں نے لکھے یہ کچھ لکھا تھا کہ "میری بچیاں کلمہ سے  
انھیں دانی میں لکھیں ان لکھیں کچھ قرائن صعب ہیں۔" "ان  
کی تعلیم تو میرے سے نکل کی ہے حقیقت کے باوجود  
بچیاں لکھیں سے داخل نہیں ان میں بلکہ باپ بچوں  
نے ایک دوسرے کے عجیب و غریب اور عجیب نام  
دکھا چھڑا دیے ہیں۔ ان کے حلقہ کے دوران میں

ہمارے دیکھ ساجزادہ فاضل علی خاں مرحوم نے ایک بار نکل جانے والے لمحے پر چھوٹا کرتے ہوئے فطرت کے نام علیہ کے جوش میں جن کہوڑوں کا ذکر کیا تھا وہ کون ہیں اور میں نے ان دونوں بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جو میرے سامنے اسے انور، بابہ بیٹی تھیں کہہ: ”وہ کیا بیٹی ہوئی ہیں؟“

منیزہ نو سینے بھاٹی کے بعد باپ اپنے والد سے ملکی پارٹیل میں ملی اس وقت اس کی عمر صرف ساڑھے چار سال تھی۔ اس نے انھیں دیکھتے ہی کہہ: ”اے آپ تو باطل بڑھے ہو گئے۔ میں تو کبھی بھی آپ کی عمر بہت کم ہوئی اور آپ بڑے خواہصوت ہوں گے اور آپ کے بال بھی سفید ہو گئے۔“ لیکن ان کی گود میں کبھی کہہ سکا باطل بدل گیا اور اس نے کہا شروع کیا۔ ”اے آپ گھر میں بیٹلی کے اسی بچے ملتی ہیں۔“ یہ سن کر میری لالہ کی سانس اندر اور باہر کی باہر زک کی کھٹک بچوں کو کہہ دیا ہمارے خاندان میں قریب قریب باطل بیج ہے لیکن فاضل علی نے محسوس کیا کہ یہ فطرت ہی باقی ہے اور وہ اصل پر کہہ پا رہی تھی ہے مگر میں ان کی کشتی سے غصے کی ہاتی ہے۔

منیزہ انھیں جو خط میں یہ خبر لکھتی ہے کہ ”دیکھتے میرا لڑکی اور کونہ دکھا گئے۔“ لیکن اسے کیا معلوم کہ ان کے ہم چپٹے دکھا جاتے ہیں ان کے ایک ایک لفظ کو بغیر بے غور سے نہ جڑتا ہے۔ چھپکے سال ایک بار ٹھہری نکل کے اس وقت پر شہزاد سمر لودھی کی قوت شامت ہی آگئی۔ بے چارے نے کبھی اس سے یہ کہہ دیا کہ تم نے اپنے ابا جان کو جو خط لکھے ہیں وہ مجھے بہت پسند آئے۔ یہ سنتے ہی منیزہ غصے سے سرخ ہو گئی اور ان پر برس چڑی۔ پھر لڑکی بی بی شاکا ’بیٹی اور زور جس سے۔“ پھر اس کی ناک پر دکھا رہا ہے لیکن وہ بہت کھانک کھانسا مگر میں ہے۔ اس میں

میرا دلچسپی کی ضرورت کی ہے لیکن اس کے باوجود وہ بی بی ایکس اور بابہ دکھا رہے۔ ہم میں مٹھ ہوئی تو خانہ کا ہم سب اسی طرح کی بات کرتے۔ اس میں اپنے والد کا بے پناہ سرد دلچسپی تھا، والد بی بی کی طرح میں اور سلیم علی ہے بلکہ اسے رکھنے دار محمد شوقی کہتے ہیں کہ یہ باطل بیٹی ملی پر گئی ہے لیکن میری ماں نے اس کی شخصیت اس کی بات کی کہتی ہیں۔

بعض لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ آپ قلمی بی بی ابھی بول لگتی ہیں۔ شاید یہ نکل کا اثر ہے۔ حقیقت اس کے برعکس وہ کسی گھر اس سے غلط ضرور ہے۔ قلمی بی بی کو فطرتی طور پر آسانی سے سیکھنے میں آتی ہیں اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہ اپنی اور اول چال کی زبان سمجھنے کے لئے انتہائی سادہ ہے۔ جہاں تک بچوں کا تعلق ہے۔ لیکن یہی بات کہ فطرت ہی ہے کہ وہ ادنیٰ کو اپنا کہیں۔۔۔ اسلئے کہتے ہیں کہ بچوں میری فطرت خاصی زبان۔“ تو ہر صورت یہ کہ میں ان کی ملی اسے بکھڑے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اب اپنی زبان پر میرا عمل کرنے کی ضرورت تھی یہ نہ جتنی جلدی ہے۔ میں وقت کام کر دالے بیٹھے ہوتے ہیں اور آہستہ میں باتیں ہوتی ہیں تو چپکایں کبھی ایک زبان باتیں ہیں کبھی دوسری۔۔۔ مجھ سے مگر جی میں اور فطرت سے اور میں باتیں کرتی ہیں۔ اس لئے کوئی خاص کوشش کے بغیر وہ دونوں زبانیں بولنے لگی ہیں۔

بعض دوست مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تم نے کبھی فطرت کو غصے کے عالم میں لکھی دیکھا ہے؟ لیکن اپنی ذمہ داری کے لئے سمجھ رہی ہوں مگر فطرت کو معلوم ہے کہ کھانک کھانک کبھی آتی نہیں۔ میں اپنے دوستوں کو بتاتے رہا تھا کہ میں ان کے کھلے ذہن کی میں ان میں نے کبھی کسی آجیئے کو نہیں جسے کھانکائی۔ میرا یہ جواب سن کر ایک دوست نے بی بی کی جگہ کھانکائی کے ساتھ کہا تھا

کہ جنگ کے بعد ملاپ میں جو جڑتا ہے اس کی ایک بار ملاپ ہوا ہے۔ ہم میں مٹھ ہوئی تو خانہ کا ہم سب اسی طرح کی بات کرتے۔ اس میں اپنے والد کا بے پناہ سرد دلچسپی تھا، والد بی بی کی طرح میں اور سلیم علی ہے بلکہ اسے رکھنے دار محمد شوقی کہتے ہیں کہ یہ باطل بیٹی ملی پر گئی ہے لیکن میری ماں نے اس کی شخصیت اس کی بات کی کہتی ہیں۔

ہم سب اسی طرح کی بات کرتے۔ اس میں اپنے والد کا بے پناہ سرد دلچسپی تھا، والد بی بی کی طرح میں اور سلیم علی ہے بلکہ اسے رکھنے دار محمد شوقی کہتے ہیں کہ یہ باطل بیٹی ملی پر گئی ہے لیکن میری ماں نے اس کی شخصیت اس کی بات کی کہتی ہیں۔

ہم سب اسی طرح کی بات کرتے۔ اس میں اپنے والد کا بے پناہ سرد دلچسپی تھا، والد بی بی کی طرح میں اور سلیم علی ہے بلکہ اسے رکھنے دار محمد شوقی کہتے ہیں کہ یہ باطل بیٹی ملی پر گئی ہے لیکن میری ماں نے اس کی شخصیت اس کی بات کی کہتی ہیں۔











فیض احمد فیض اور قزاقی میری مثل افتخار صاف ہا میں کو برہنہ نکال رہے



امیر قزاق فیض احمد فیض اور ساجی فاروقی

فیض احمد فیض اور مرکز لندن میں  
دعا میں کے درمیان



## فیض سے میری پہلی ملاقات

بلکہ شہادت پیر سے پرانھی ہونے کا شہدہ اسامہ۔  
اور اس امر کو چنگیز نے سنا تو اس نے اس کے  
لے کیا "عرض کیا ہے۔" کام میں اس وقت  
بازو چلی اور اسلوب میں نہ تنگی تھی۔ سب نے دار  
دی۔ یہ حقیقت ہوشیار ہوئی تھی۔

پھر ایک نو جوان آئے۔ گو سے چنے "مشہور  
جیسا اس وقت میں وہی "انہیں اور اب ایک وقت  
ایک نام گم میں وہ اپنے سے شہر سے جا چکا اور  
گھنٹ سے چ رہے۔ انار سے اس نے پہلے لے چکا

پہری شان سے براہی ہوتے۔ مکالمے میں اس کی  
تمام ادبی انجمنوں کے نام سے صاف آرا ہے۔  
وہوں جانب سے خوش دوقی اور چاند کشکی ایک  
دوسرے کے لیے مقدم کر رہی تھی۔

روایتی دستور کے مطابق صدر نے اپنے کانچ  
کے غلام سے شعر چھوٹے کا اعلان کیا۔ وہ ایک  
بروز اور آئے اور یہ سے ادب و انکسار سے کام چھوڑ  
چلے گئے۔ انہیں ایک اور چنگیزی سارا کا چنگیز  
نمودار ہوا۔ یہاں تک "سارہاں" انداز میں صحت

1921ء خواراکتور کا میر نے سطرل نرینگ  
کانچ سے کہ صحت کانچ میں آئے ہونے کوئی تین  
نقشہ کر رہے تھے۔ ساراچہ وہی گاہ کی شکستہ و سکی خطا  
اور زیادہ علم سے طبیعت گئی گئی تھی۔ بے کانچ میں  
آئے ہی طبیعت میں اسامہ کی لہر دوڑ گئی۔ ادب و شعر  
کا شوق پھر سے ابھر چا پچ "بزم علی" کی وہ بات  
سے ایک چ سے صحت سے کی صحت سے یہ شعر بطری  
جاری کے پیر ہوئی۔ تمام ہوتے ہی کانچ کا قابل غلام  
سے پھر ایک انچ کے ایک طرف چار صدیوں اور رانی



میں کا شہری۔ صوفی احمد علی اور علی۔ سہارا گم

ابھی ۱۹۴۵ ہوں۔

صاحب کے ہاتھ میں فی الفور ایک سرگرتہ نمودار ہوا

جیسے قسمی سے ابھرا ہوا۔

الحکم کے دل اور سرگرتہ کے دل میں متبادل

شروع ہوا اور اس گفتگو میں مصلحتوں کی کے خلاف

پہلے کرنے میں نہیں گئے۔ میں مسلم تھا، علم و حیا

کی زندگیوں میں بکرا ہوا بیٹا رہا اور قوم دار چان کو

پھوڑ کر اس خوشی سے اپنے دل کی سرگرتہ غولی کی

تکین میں خود ہو گیا۔

کیا معلوم تھا کہ جو میں کے یہ گوارے کا کاج کی

پار وچہدی سے نقل کر دوں وہ تک خدا میں بیکل

جائیں گے اور ان میں سرگرتہ بیچے والے کے مصلحت

انصاف کی خواہشوں میں بھی گوارا نہیں کی اور بڑائی اور ادب

کی دنیا کا بیچہ آغوش میں لے لیں گے۔

☆☆☆

اچھے میں انہیں شک کروں گا سنا کر کرتے

کرتے میرے کرنے کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔

میں تھکیمیا بیٹہ دارم سے آ کر دوڑا سے پر پچکا

پر چھا "سب بکری ٹیک ہے"

میں نے کہا "کیا"

میں نے عرض کیا "پروفیسر صاحب (میں)

ابھی یہ پروفیسر صاحب کہا کرتا تھا) مصلحت طلب سرگرتہ

بیٹا ہوتا ہے۔ اہانت ہے؟"

انہیں نے میرے کان میں دلی آواز میں کہا۔

"جب تک یہ پروفیسر جودہ تنگ اس کا کاج کے

پر نہیں جھپٹے "اس وقت تک بیٹے جودہ "توہ میر

مکڑا کر چلے گئے۔

میں نے اندر آتے ہی اپنی صاحب کی طرف

دیکھا اور استادوں سے سرگرتہ کوئی کا اعلان کیا۔ فحش

مصلحتی نظر نظروں میں لاہور کے بازار استادوں سے جائیں

کیں اور ان کی نیم خاموشی کو دھماکے کر دوں

لو جو ان کو دوبارہ اٹھ کر بلایا جا سکوں۔ جلد فحش

صاحب نے غزال کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی۔ غزال

اور نظم دونوں میں سوچ کا انداز اور جان کا اچھوتا

اسلوب تھا۔

مصلحت و غم ہوا قرار پایا کہ صاحب ان دونوں

کو ہر وہ سے کفر غریب جانے پر مستحق ہوں۔ راست کافی

گزر رہی تھی "ابھی بڑا تک میں بچھتا تھا۔ بخاری

صاحب نے ان کی فکر حاضری کا واسطہ دیا کہ کھڑے

کے لئے شعر و سخن کی صحبت قائم رہی۔ یہ ان کی فحش

آزادی کا امتحان ہی نہیں، ساتھ ہی حوصلہ غزالی کا بھی

امتحان تھا۔ دونوں کا صاحب ہے۔

ابھی پورا مہینہ نہیں گزرا تھا کہ کاج کے

امتحان کا آغاز ہوا۔ جس دن کی میں ہمت کر رہا ہوں

اس دن انہیں "کاج کی بل میں تمام امتحانات سے قیوم

جیسے نا تجربہ کاروں کو چھوٹے کرنے پر ہمت کے گئے

تھے۔ مجھے کاج کی دوسری منزل پر زمین کیا گیا۔

یہاں ابھی اسے انگلیں کے غبار تھے اور ان میں فحش

اور فحش بھی تھے۔

امتحان کا کردہ تمام احرام ہوتا ہے۔

فہمیدہ واروں کے اپنی امتحان کے ساتھ ساتھ علم، مفید

کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ سرگرتہ کوئی صورت غمی۔ میں

نے اپنی عادت کو بدلنے کے لئے کان کا امتحان کر لیا تھا

مگر فحش صاحب بھی سہولت کے پہلے پر نظر آ رہے

اور بھی میری طرف ہم جسم نظروں سے دیکھتے رہے

علم کو اٹھا کر سر کا کھاتے اور بھی خاموشی سے اپنے

چہرہ کی حواشی پر ہی کرتے "ابھی بھی ان کا پاپاں

ہاتھ ایسے حرکت کرتا جیسے وہ کسی جاسوس تھے کوئی

رہے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا۔ وہ اٹھے اور کہا کہ میں

یہاں سرگرتہ پینے کی اہانت ہے۔ میں نے کہا میں



ہندوستانی فلمی سرگرتہ، مصلحتی قسم

## بیاد فیض

نے دوڑ تک جواب دے دیا کہ واپس "نکھر جانوں" میں ہوا پسند نہیں فرماتے۔ صدر صاحب کو بھی وہاں سے لے جاؤ۔ فیض احمد فیض کے مطلق اپنی شہرہ چاہنے والی کا اظہار فرماتے کے بعد انہوں نے اسپتال پاس بیٹھے ہوئے پولیس انسٹرکٹر طرف اشارہ کر کے کہا "فیض کے لیے میں نے یہ اسپتالیں چال دکھا ہے۔ صدر کے کمرے کے بعد اسے چھوڑ دوں گا۔"

پولیس انسٹرکٹر نے فیض کو بیٹھے اپنی دم بٹائی اور بیٹے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اپنی غیر ضرورت دیکھاری کا بیچیں دکھایا۔

میں نے فیض صاحب کو یہ اتھوٹا ہوا چہرہ 'دستور کے مطابق سکڑا کر چپ ہو رہے۔ ہونٹ ٹھونڈے سے سرسبز ہو رہا تھا نہایت کامیابی سے آؤٹس کوئٹل سے رخصت ہو گئے۔

ایک بار یہی جی ٹی میں انکریں نے وزارت اطلاعات و نشریات میں ایک کتب کا کام کیا جس کا نام I do not agree club رکھا۔ اس کی کاپی تقریب میں اہل حضرات شامل ہوئے ان میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب 'شوقی کا شہری صاحب' عبدالحکیم صاحب 'سید عظیم الدین صاحب' نظام احمد پوری صاحب کے علاوہ چند میں دیگر مشہور بھی شامل تھے۔ سید مودودی صاحب کو یہ تقریب اس قدر بھائی کہ انہوں نے اردو میں اس بارے کا نام "میں داناؤں کتب" بھی تجویز کر دیا۔ ایک اگلی جنگ کے

ی انہیں بلکے کاغذ چھوڑ کر ہر ایک کمرہ صوبہ انہیں جنوں کسی لے گا یا اس کمرے کے مطابق کاغذ میں بھی leave vacancy کے طور پر کوئی جگہ خالی ہے۔ وہاں پہلچاؤ ایک نہایت خوش حالی خوش لباس اور خوش گفتار جوان نے تاہم ایک جگہ پر ہو چکی ہے۔ اس بار جوان کا نام فیض احمد فیض تھا۔ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے کانٹا پر چمکا دیا پوچھا کہ کی اور جگہ پر جانے کا تجربہ بھی ہے یا نہیں؟ میں نے فوراً کھینچ کر ایک کاغذ پر لکھ دیا کہ جوان نے کہا کہ اسے ان کر فیض صاحب لڑکیوں کی طرح جھپٹ جھپٹ کر سحر کرتے رہے اور باہر آ کر گئے الگ سے کھانا کھا کر کھینچ کر اسے اندر لے آئے اور وہاں پہلچاؤ سارا شیخ اسٹور ہو گیا۔ جس میں وقت کے ساتھ میری اور فیض کی دوستی بڑھتی گئی۔

جس زمانے میں فیض صاحب لاہور آرٹس کونسل کے ڈائریکٹر تھے 'جنس انہیں۔ اے وہاں مرہم نے ایک روز مجھے سے فرمایا کہ اگر صدر حکومت اس بارے کو کسی وقت ڈنٹ کر سکی تو جنوں ہے کہ اس کے کام میں چند حکامی رکھ لیں اور وہ جائیں۔ صدر نے خوشی مان گئے جنوں کو گورنر کا بیڑا نے خود آنے سے صاف انکار کر دیا۔ انہیں جاننے کی کوشش کرنے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے پاس بلایا پولیس کا ایک جی گری میں چڑھا تو وہاں صاحب

تھوٹے 'صاف' شاعری اور لب کے حوالے سے فیض احمد فیض کی یاد پر چھوٹوں کی چادر چڑھا تو ان جنوں کے باہر میں کا حق ہے 'بھرے پاس تو کھانا ان کے ساتھ ہوا نہ صرف کی چند باروں کا سہارا ہے۔ میری اس چادر نہ صرف کوئی کمری دھاتی کا ہے حاصل تھا 'نہ ہم بیٹھیں کا 'نہ ہم بیٹھیں کا۔ میرا ان کے ساتھ اتنا جھگڑا کہ میں ان کی دل سے عزت کرتا تھا اور وہ میرے ساتھ مرہم سے کام لیتے تھے۔ اس نے نام سے رکھ کر آواز دیا تھا 1939ء میں صاحب 'نہ پورے بیٹھ لیں برائے اس بلکی ہی رہتی Current کی طرح قائم۔ ہاتھ پاؤں میں کھینچ کر لے کر لے کر اٹھ جاتی ہے جنوں اس سے بھلا کئی نہیں لگا۔

1939ء میں جب میں گورنمنٹ کاغذ لاہور سے انکم۔ اسے کا اٹھان اسے کر رہا تھا تو میرے استاد پروفیسر آکسن نے کہا "کھینچ کر کاغذ میں انگریزی کی ایک Leave Vacancy سہارا ہے۔ میں نے پوچھل سے بات کر لی ہے تم فوراً جا کر جوائن کرلو۔"

میں خوشی خوشی سر انہوں کے بیٹھ کر کاغذ پہنچا 'تو ادارے کے میں مطابق سر منطاعتی اوٹے چلے۔ ایک کلاس روم میں داخل ہوتے ہی اس زمانے کی ساجزادوں نے لکھی غریبے ہلائی کی' اور چاک کے کنگڑوں 'سنگ پھیلے' کھینچ کھینچ کر لیں اور کاغذی کنگڑوں کی لکھی بچھاؤ کی کہ میں کلاس روم





قائم عمل میں آیا۔ اس وقت مجلس صاحب نے مجلس میں کے امور پر اس کی سربراہی قبول کر لی۔ مجلس سربراہ بننے کے Rules of Business کے مطابق مجلس معاملات میں اس ادارے کی جانچیں چھوڑی حاصل کرنے کے لیے وزارت تعلیم میں آیا کرتی تھی۔ ایک روز مجلس صاحب نے لکھے فون کیا کہ بہت ساری جانچیں جمع ہو چکی ہیں۔ میں جانچیں لے کر تھکا ہوا پاس کر دیتا تھا ہوں؟

مجلس صاحب کے حق سے یہ بات سن کر مجھے بے حد حسرت محسوس ہوئی۔ میں نے سوچا کہ میرے بچے وہاں لگے کے چور دیکھتے تو یہ حکومت کو پر زبانی میں شکوک کے بعد مٹنے ہی رہتے ہیں لیکن مجلس کو تو ہمارے حق میں ہیں کے لیے شک ہی نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے بھی انہیں جانچیں لے کر اپنے پاس آنے کا موقع مل دیا۔ میں جاکر آقا خوان کی خدمت میں حاضر ہوا تو رہا قلم اور جس جانچ پر وہ پورا حکام صادر فرماتا چاہتے تھے ان پر بلا چلانے چاہا دھکا کرتا تھا۔ میرے اس طریق کار کی وجہ سے یہ شکایت پیدا ہوئی کہ مشنری کا اس ادارے پر کوئی کنٹرول باقی نہ رہا۔ ایک دن تک چارے دھڑوں نے میرے اس عمل پر Negligence اور Inefficiency کی بھی لڑائی میں اس کو بہت لڑائی دی تھی۔ لوگوں کو تو اس ادارے اپنے لیے ایک شوقین تعلیمت سمجھتے ہیں۔

ایک بار مجھے مجلس صاحب کے ساتھ ایک جلسہ میں پیشگوئی کی جڑل کا ٹرنس میں شریک ہونے کے لیے نیر دہلی جانے کا موقع نصیب ہوا۔ وہاں یہ سمجھتا ہوں کہ مجلس صاحب نے کمرے ساتھ ساتھ تھے۔ ان دنوں وہ ”پیام شرقی“ کا مضمون روزنامہ کر کے میں برقی مصروف تھے۔ نیر دہلی میں پنجابی کے ایک نامور دار سوانی جگہ بھی رہتے تھے۔ وہ مجلس صاحب کے شیدائی

تھے۔ ان کے ساتھ وقت گزارنے کا کوئی موقع چاہے سے نہ گواہ تھے۔ ایک نامور وکیل صاحب کو اپنے گھر لے گئے۔ خوب خاطر عادت کی اور فارو عطیت کے طور پر انہیں ایک انٹیمی کاغذ دیا جس پر علی صوفی میں ان کا لفظ نقل تھا۔ وہاں آخر وکیل صاحب نے ہم سب کو دس روپے دیے یہ انٹیمی کوئی کسی نے غرور جست کیا۔ ”پتلے قیمت ہے کہ یہ وہی ایک ایک سکڑے آپ کا مسلمان تو سمجھا۔“

مجلس صاحب حکم کر کے لے۔ ”یہ بھی ضروری ہوں۔ بیکہ لوگ تو یہی سوچیں گے کہ انھوں سے بیکہ تازہ لکھتے سرزد ہو گیا ہے۔“

ذہب اور سیاست پر مجلس صاحب کے ساتھ میری بھی کوئی بات نہیں ہوئی۔ حاصل میں نے ان کے ساتھ کسی موضوع پر بھی بھی کوئی طویل گفتگو ہی نہیں کی۔ پایپل کے دوران ذرا دلچسپ محفل اور نیر دہلی میں مجھے چند بار ان کی خدمت میں جا کر ان کی گفتگو کیے چھنے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ حاصل یہ

پتے سے ہونے خاص لڑائی کی طرح ہوا ہے۔ سائے پہلے سے ہونے سمجھاؤ، لیکن غرور ہے لیکن خاص کی دست سے واقفیت رکھتا ہے اور خاص کی گہرائی میں جھکاؤ سے ہونے سوتی اور لوگوں کا اعزاز دیکھتا ہے۔ اس کے طور پر مجلس صاحب سمجھاؤ کی عبادت میں بھی جو اور بھلا نظر نہیں آتا۔

مجلس صاحب جیسے خاص شریک انہیں مسلم انگریز، مسلم اعلیٰ اور انہیں دست لہرہ سواشروں کی تہذیب و تمدن کا بصر ہوتے ہیں۔ ان کی ایک جیتی جیتی ہے کہ موت کی جڑ کی ان کی یاد کو ان دن دن ان سے واقف تر کرتی رہتی ہے۔ یہ بھلائی خواہ

نہیں ہے کہ کم میں سے ان کے مجلس صاحب ان کی زندگی میں اپنی انھوں سے دیکھا ان کے ساتھ ملے ملے اور بات چیت کی۔

☆ ☆ ☆



مجلس صاحب ایک لڑکھالی جانتے کا انتظار کر رہے ہیں

## فیض احمد فیض



گفتہ بہ جب فتن کی بڑی آبی سیر نے  
سہاگنٹ سے لاہور تک کے سڑک کے دھان میں  
ساراں سمیت اپنا گھراسوت کس گم کردیا تو حکم فتن کو  
کیزوں کی گشتی سے زیادہ دھوساں بات کا قمار  
سیر بھی اپنے آپ کے فتن قدم پر چا رہی ہے۔ وہ  
روز بھر جب فتنی لے آپ کے فتن قدم پر چلی چلے  
کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ فتنی لے آپ سے بہت  
چھپے ہے۔ ہوا یہ کہ فتن تارے میں جیسے پائوں کے  
چاندروں کے ہمراہ چلے سے عالم اچھلا جا رہے  
تھے۔ سیر نے تارے میں ادا کو دیکھا تو سہاگنٹ  
عاقبت کی غولی میں اُس نے آپ کو زور سے پکڑا  
اسے میں تارے کو فتنی گز آگے لگ چکا تھا۔ سیر نے  
اور پھر اس کے ساتھ اس کی سسلیوں نے مسلسل  
آواز دی وہیں مگر فتن اپنے فیضات میں دے سکتی تھی  
انہیں یہ حق نہیں مل سکا کہ انہیں چچاں کھنے زور سے  
باری ہی۔ شام کو جب فتنی نے لاکا کی بے خبری کا یہ  
واحد اس کو سنا تو اس نے بھلا کر کہا "میں کی کہوں تم  
وہاں آپ فتنی دیکھ سے وہ معلوم نہیں کہاں گئے رہتے  
ہو۔ بھلا سوچو تم فتنی تو کل سے باہر نکلے کا سوچ  
ٹے اسے دیکھ کو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ گم  
رہے اور یہ ہی فیضات میں دیکھنے کی؟"

حکم فتن کی شکایت اس حد تک تو جا رہے کہ  
انہیں اپنے شوہر کی غائب دہائی سے گناہ دانت  
پڑتا ہے مگر مولدات کرنے کے لئے سہل

مارنے سے پہلے ان کو پاؤں کی پھولی پٹی میزرو کو  
بہر حال یہ یاد کرنا ہوتا ہے کہ سونگ لکھنے بغیر سوز  
خاکت نہیں ہوتی۔ اگر وہ تارے تو فتن کلنی دیر  
تک بیٹھ رہے۔ ان کے سرگرم پتے ہیں کے  
اور پر چلی میں پھا سکتے مردانہ سے سے باہر بھی  
پہنچ رہی ہے۔

فتنی کی سوزنا بخودی کے سلسلے میں ان کے  
دوست انہیں اکڑ پریشان کرتے رہتے ہیں مگر فتن  
کہتے ہیں کہ یہ اعتراضات لگا دیں۔ اس میں نہیں  
کہہ سکتا وہ فتنہ زائید ہیں مگر ان کے لئے یہ اعادہ  
کرنا بڑا مشکل ہے کہ سوز میں ہاروں نکالے کہ علم  
ہو گا کا گازی میں کیا خرابی ہے۔ ایک زمانے میں

ہاروں کی مقدار ظاہر کرنے والی سوئی ٹراپ ہو گئی اور  
اس زمانے میں کلا کوٹوں نے دیکھا کہ کچھ سڑک ان  
کی سوز رک گئی ہے اور فتن غولی نکل کو آگے رہے

ہیں۔ بلا کر حکم فتن کے معلوم ہوا کہ کس کمرے نکلے  
وقت روزانہ کلن ہاروں والوں کی کہ۔ یہ حضور انہیں  
بہت پسند آیا۔ لیکن انہوں نے روز بھر وہ جب سہارے  
سب معمول ہاروں آپ پر پہنچے اور کلن ہاروں کا  
آواز دیا تو معلوم ہوا کہ کچھ بکری ہوتی ہے ہوا میں کہ  
موصوف وہ کلن ہاروں روزانہ ڈالے ہوا ہوا کلن  
خونگ کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ہاروں شیخ  
ہو چاہے حکم فتن کا کہنا ہے کہ انہیں ہاروں کے روزانہ  
خونگ کا اعادہ بھی ہوتا چاہے ظاہر یہ اعادہ نہیں  
کیتے پھر انہیں شہر کرنے کا بھی حق حاصل ہے مگر ان  
کے ساتھ کسی کو شہر ہی فتن کی اس عادت پر کوئی  
اعتراض ہو۔

تیل سے نکل کر پتلا کو چاہتے ہوئے انہوں  
نے اپنی بچی کو اور اہل حکم فتن کے دیکھ کو دیکھنے کی  
شیخ کوشش کی کہ مگر اس کا یہ مطلب بڑا نہیں ہے کہ

وہ نہ تو کوئی دیکھ سکتے، فضلی کے کردار کا یہ پہلو انہی دلچسپ ہے کہ وہ انسانی سہ اور انہی ہست آدمی واقع ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی سستی نہ ہوتی جسمانی صحت ہے اور انسانی فضلی ان کی بنی کیفیت سے ہے۔ انہیں کم تر پیٹنے اور کم ہونے کی ہستی عادت ہے کہ اگر وہ کم تر تو آپس کو خشک ہی سے دایکس لائیں۔ چند خاص دوستوں کو چھوڑ کر باقی دلی علاقہ میں فضلی کو بچ کر بھڑکے بہت کا گلیں ہونے لگتا ہے۔ یہ مودت فضلی پر انکڑا فائدہ دیتا ہے۔ اور ایسے وقت میں کسی ناخلف آدمی کے لئے اس گہرائی کی تہ تک پہنچنا ناممکن ہے جو فضلی کے کردار کا خاص حصہ ہے۔ اس وقت اگر وہ اپنے مخصوص لباس کی تھانے جو فائدہ کرکٹ یکن میں تو دیکھتے وہاں انہیں کا سوئی کا چوہ ہوتی تو قرار دے سکتا ہے انہی خواہ دانشور ہیں کہ تنظیم میں کر سکتا۔ ناخلف لوگوں کے لئے فضلی جتنی گھر میں "اے آدمی نظر آئیں گے لکھی جو لوگ ان سے واقف ہیں ان کے سامنے ایک باطل حقدار تصور ہوگی۔ اس جسمانی سہ دلی واقف کوئی کی انتہا ہے کہ انہوں نے "پاکستان فٹنر" کی اور اس کے زمانے میں بھی کوئی اور یہ دن میں نہیں لکھا بلکہ آخر وقت میں جب قرار کے تمام راستے مسدود ہو جاتے تو انہیں بچہ کر گئے یہ مجھ کو یاد ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ وہ دن مرنے گئے "بکے اور جوتہ اور بے کے موصوع پر سوچتے رہتے اور کوری سٹج میں دن گھر اس قسم کی جدوجہد کرتے رہتے تھے جن کا ذکر حکیم فضلی کرتی ہیں۔ فضلی میں غور و فکر کی جرات انگیز صلاحیت موجود ہے۔ وہ ہر جتنی کام کو انسانی حد تک دالتے ہیں مگر جب یہ کام اور انہیں کی سکتا تو چاروں پہلو جانچیں گے اور اسے عمل کر کے دم نہیں گے۔ "پاکستان فٹنر" کے بارے میں ایک ناخلف دوست لکھتے تھے مگر آج تک بھی کسی شخص کا کھوس نہ ہوا ہوگا کہ یہ

اور یہ جو اس کا کوئی حصہ بدلی میں نکھا گیا ہے۔ اصل میں انہیں انکا کا عروج کھینے میں بڑا کمال حاصل ہے اور ان کی یہ خصوصیت ان کے استاد اور چوں اسٹی کر رہا ہوگی ان تقریروں میں بھی موجود ہے جن کا ابتدائی حصہ ناخلفانہ ہونے پر نفاذ کاست کرتے تھے اور آخری حصہ ساتھ ساتھ کھینچے گئے جاتے تھے۔ فضلی کو بچہ کر دین کے ساتھ بچہ کر گئے ہیں مسدود کے قریب کا احساس ہوتا ہے یہ احساس گھر پر اتنا حاوی ہے کہ گزشتہ دن دس میں وہ اپنی اس سے واقف ہوئی یہ احساس غالب رہا۔ اس کی کوئی وجہ شعوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آ سکی لیکن ان میں مسدود کی کوئی علت موجود ہے تو وہ حاکم اور اس میں مسدود کی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا فضلی مسدود کے ضمیر کا اور سکون سے ہے۔ یہاں تاہی سکون جس کے پیچھے ختم قسم کے امراء پیچھے ہونے میں ان کی تہ تک پہنچنا مشکل ہے۔ مسدود میں طرح ہادی ہیں ماسلوں سے نکلتی ہیں ایک انسانی ہیں مگر اس مسدود کی سطح پر کھینچے گئے اور انہی نظر نہیں آتی۔ بظاہر یہ بات دلی خوب معلوم ہوتی ہے کہ یہ انہیں تہ کو کھینچے اور وہ دیکھ رہے اظہار نے اس حد تک تک حاصل ہے کہ اس کی پامانی خاموشی اسی کے آہنگ میں ڈوبی ہوئی ہے بظاہر اس قدر یہ سکون اور وطنیت نظر آتا ہے۔ فضلی کو کسی سے جھگڑا کرتے کسی پر براہی ہوتے "بکے" کی کی حاکمیت کرتے بہت کم لوگوں نے دیکھا ہوگا اسٹی کو کوئی آدمی کوئی کام لے کر ان کے پاس آجائے تو وہ بھلا مکان اس کی حد کرنے میں بروہت برداشت کرنے کو چہرہ نظر آئیں گے اور ان کی کوششوں سے کسی کام نہ بنے تو ان کی بے چینی میں اضافہ ہوا چلتی ہے۔ ایک دفعہ ایک صاحبزادے نے بکاری کی ملکیت اور عادت کی تلاش میں آئے۔ فضلی نے انہیں خدا کا بڑا سامان نے بیب فریضہ بھی مانگا "وہ بھی دے دیا گیا مگر

حازرت نہ تھی وہ بارہ فیصل کا لکھنا ہوا۔ بکری دے دینے لگے۔ یہ سلسلہ کئی عرصہ چلتی رہا۔ آخر میں بعض دوستوں نے صوبائی مہاجر کی بہت پر شک و شبہ کا اظہار کیا تو آپ نے کہا۔ باطل ٹھیک ہے اب اس کو پیچھے لکھ دینے جائیں گے۔ مگر اس دفعہ صاحبزادے صاحب تحریف دئے تو انہوں نے یہ خبر دھشت اثر خانی کردہ ہمارے دایکس کو غور و فکر کرنے کا ہے ہیں اور آخری طاقت کرنے آئے ہیں۔ تم یہ ہمارے اس دن فضلی کی جب میں بارہ دیکھے نہیں تھے چنانچہ انہوں نے دفتر میں اور دوسرے قریب حاصل کر کے اس کے کوہ بھی جانسی رقم دئی اور اسے سمجھا دیا کہ رخصت کیا۔ میرا خیال ہے کہ غور و فکر کرنے کا بارہ اس کا بھی نہیں تھا مگر اس کجھت نے ٹاٹو کی طرح حاکم اتار بیٹھاں کیا کہ انہیں کی دفعہ اس کی ضرورت کی پر بیٹھا دی۔ لکھے یا بے کاس میں بیٹھاں میں فضلی نے کہا تھا مجھے تمہارے کرنے میں کوئی آدمی مرنے کے ارادے سے آکر بیٹھ لو اور جیسے یہ معلوم ہو کہ ابھی یہ بارہا کرکٹ کی کی آخری سانس لینے والا ہے تو سوچ تمہاری کیا حالت ہوگی۔ تمہارے بے کاس کا کیا حال ہے۔ مجھے مرنا اور میرا اس ارادے کا اظہار کرنا۔ کس قدر افسوسناک بات ہے۔

حساس آدمیوں کی خاموشی اور بکری سکون کا آسان اور اطمینان کے احساس کا نام نہیں دیا جاسکتا ہر بے فکارت کی طرح فضلی میں بھی conflict موجود ہے لیکن عام زندگی میں فضلی کا نقطہ نظر اتنا صحت مندانہ اور سائنک ہوتا ہے کہ اس پر بڑا آدمی کو تجربت ہوتی ہے۔ یہ تو سچی ہے کہ اس آدم میں نہ ہوش اور بھاش شامل ہوگا اور وہ ذاتی نہیں اور انسانی اس کے باوجود فضلی کی خاموشی اور ان کی کام کرنے کی صلاحیت میں بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اپنے ہی انکا وہ میں دے رہے تو وہ کا وہ نظم ہو گیا ہے۔ اس کیفیت سے

[illegible]

روایتی کے معاملے میں منتقلی ہے۔ قرآنی قسم سے واضح ہونے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان کے دشمن بھی انہیں سمجھ دیتے تو ان کی مصلحتیں بھی منتقلی کے درمیان سے گزری ہوتی ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہاں اس کی صلاح ہوئی اور روایتی کے معاملے میں روایت ہی رہتی ہے۔ ہم اس کے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جن کی روایتی کی طرف سے زیادہ دلچسپی ہو۔ منتقلی کے ابتدائی زمانے کے دوست اور ان کا ابتدائی عقاب تک منتقلی درمیان کے لوگ کی طبیعت رکھتا ہے۔ منتقلی اپنے دوستوں کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کے قائل ہیں۔ گزشتہ میں ان کے ایک دوست بے وزگار، بے پیمان سال دوست تھیں۔ ان کی مصلحتیں ان کے لئے کام چلانے کی کوششیں کیں۔ ایک آدمی وہ ان سے شہر سے کسی صورت میں کسی خاص کام کے بارے میں پتہ بھی ظاہر کیا گیا کہ یہ دوست یہ کام نہیں کر سکتے۔ مگر منتقلی درمیان کے کام آنے کے بارے میں کسی حد تک منتقلی کے قائل نہیں ہیں اور اس معاملے میں اعتدال پزیر رہتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صرف یہ کہا کہ میں کوئی بات نہیں کہ جب سر پر چڑھتا کہ میں اصل میں دوست کی پریشانی دور کرنے کی خاطر اپنی شہرہ چھٹی کر اس میں ان کے لئے بھروسہ چاہتے ہیں۔ وہاں پر انہوں نے ان کے لئے کام کر کے ہی دم لیا۔ سمجھو نہانے کے لئے جو ان کیوں کو دیکھ کر کھٹے اکثر یہ خیال آتا ہے کہ آج کے لئے انسان کو اس قدر دیکھنا کیوں چاہیے جس نے روایتی میں بھی روایتی امراض کا علاج زیادہ دیتا ہے۔ اور ان کا ابتدائی اپنی ملازمت سے سات دوستوں پر متقل ہے۔ ان کی ملاقات دیکھنے تو مطمئن ہو گا جیسے ان دوستوں کا ایک گروہ ہے جو باہمی محبت کے لئے ملے جا رہا ہے۔ سرعام ہر قسم کے اختلاف

میں نے فتنہ کو دھائی۔ ایک سی۔ اسے بڑا دھم میں  
تقریر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جذبات کی شدت  
میں ان کے حوصلہ کا خاص اثر رہے تھے اور دیر  
تقریر کے بعد اپنے آئسٹوپی کے کاغذیں کرتے تھے۔  
یہ خاص سونا بہت زیادہ قیمتی آج کی دنیا میں فتنہ  
کی سے نظر آئے گی۔ یہ صرف اسی بغیر میں پائی جاتی  
ہے جو پہلی جنگ عظیم کے بعد سے ناپاب ہو گیا ہے۔  
فتنہ بہت بڑے شاعر ہیں۔ انہوں نے ایک  
پہلی نسل کے شعرا کو حرا کیا ہے اور بدیہ اور شاعری  
کو نیا اسلوب دیا ہے لیکن فتنہ بحیثیت انسان کے اس  
شاعر سے بھی بڑے ہیں۔ کوئی شاعر اچھا انسان  
ہوئے بغیر اچھا شاعر نہیں ہو سکتا اور فتنہ کو یہ کھلے کے  
لئے کسی سب سے بڑی کٹائی کوئی ہے۔ فتنہ کا اپنی والدہ  
"ہونی" بھولیں اور بچپن سے یہ چاہتا ہے۔ ان  
کے والد کے پاس بہت زمین تھی لیکن یہ شاہد حراج پر  
فتنہ کا حراج ہے ان کا اپنے والد کی سے ملا ہے۔ ان  
کے والد کھیتے کا نام سون کوٹے والوں کا پالتے رہے۔  
کسی کو والد کھیتے کا نام سون کا پالتے رہے ہیں کسی کو تنظیم والا رہے ہیں  
کی کی شادی کر رہے ہیں تنبیہ ہو ان کا انتقال  
تو زمین کا بہت بڑا حصہ صحیح کر قرض اٹا رہا گیا۔ جو  
ان کی تھی کسی اس کا حصہ چھوڑا۔ اور مٹاؤں اپنی  
برائی چاہیے کہ کسی کے حاصل میں ہو اور کسی  
میں نے اس کی کاغذیں کی ہے۔ یہ فقر و استغفار  
لئے میں سمجھ رہا ہوں۔ لی۔ اسے کرنے کے بعد  
پہنچ گئے تھے ایک ماہ کے والد کے لئے پہنچے  
یہ تو انہوں نے لاہور پہنچ کر ساری رقم خریدا اور پڑا جو  
برائی کر دی۔ وہ والد نے اپنے گھر کو معلوم ہوا کہ  
بہت کم سے اور سمجھ رہا ہوں کی اور ضرورت ہے۔  
وہ برائی ایک ماہ اسے کھاں میں داخل صرف چند روپے  
پائی سکا ہے۔ چنانچہ آپ نے عربی ایک ماہ اسے  
لا رہا اور ایک ماہ سے جو کچھ اس کے بعد وہ

المرجع في علم الفقه على مذهب الإمام أبي حنيفة -

۱۰ دھڑوں کی کھڑکیوں کو نظر انداز کرتے ہیں  
فیصل کا کوئی ہاتھی اس ادا میں سوجھ بوجھ ہے۔ کوئی  
دوست کا گھبراہٹ "بامعاہب عشق" بھی اگر ہا ہے تو وہ  
اسے "بک اپ" کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔  
اگر کوئی ان سے دھکا لگی کر ہانپے تو وہ اسے فوراً  
صاف کر دیں گے۔ سدا راصل میں ایسی چیز کو نہیں زندگی  
کے ہمارے میں ان کا صحت مندانہ نقطہ نظر قرار دیتا  
ہوں۔ یہ قابل رشک نوعی اگر چند دوسرے لوگوں میں  
پیدا ہو جائے تو دنیا کی بہت سی عقلیں آسمان ہو  
جائیں۔ آپ ان سے کسی کی شکایت کریں تو وہ کہیں  
گے "بھلا بھلا ہو کر کیا ہوا"۔ اگر آپ جا کر ان سے  
عشق کے معاملے میں مدد طلب کریں تو وہ فوراً مدد  
کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ ہر نوعی دھڑوں کے گھر  
ہیٹام دکھانے پر بھی راضی ہوں گے۔ کھارے  
نوجوانوں کو ان کا مشورہ دینی اللہ شادی کرنے کا ہوتا  
ہے۔ ہمارے دھڑوں کو ہر کام ہاتھوں کے زمرے  
میں آتے ہیں۔ وہ سب سے بھی ضرور کریں گے۔ دراصل  
فیصل کو لوگوں کا سواہر دیکھنے کے سچے چیلر ہیں۔ اگر آپ ان  
کے دوست ہیں تو راجہ فیصل کو اس موقع کے سحرانہ سے گھر  
ہانے ہیں تو آپ انہیں سہرا دیو دیو دلی قرشی راہ  
جائیں گے۔ ان کے کان میں کہئے "صاحب فری کے  
والہ بی شادی کے لئے لیجئے" اسے تو وہ فوراً راجہ  
دیں گے۔ ہاں جائیں گے مجھے ساتھ لے لے "۔  
فیصل کو کوئی کام نہ ہو اور انہیں گھر پر ہی رہنا ہوتا  
ہو جے تو غلط ہے۔ وہی کر کریں گے غلط اور تک سبز  
میں جھلک کر جانے پہنچے رہتا "خیر چاہتے رہتا اور  
سواہر کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ انہاں سے وہ حتی  
الامکان گریز کرتے ہیں اور سہرا کرنے پر وہ دھکم  
پونہ ضرور پہنچیں گے۔ کہا "ضرور ہے" جب  
دار کے لیے سہرا دے سورا ہو جائیں گے تو وہ سہرا

نہا نہیں گئے۔ اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ تیل کی زندگی کے سوا فضل نے اپنے دامن خود کبھی ٹھنک کا سنے نہ ہی سر کے بال کبھی خود دھوئے ہیں۔ بلکہ یہ طرائق حکم کنجی کو اہم اہم دیتے پڑتے ہیں۔ چنانچہ سبب دے کر کثرت برائے جب فضل صوبت وہاں کے ہوئے تھے انھیں ایک جگہ کھانا تھا۔ جس کا آخری فقرہ یہ تھا کہ ”وہاں آپ کے بال کبھی دھوئے نہ“ کوئی کتاب ”مذہب“ شروع کریں گے تو اسے فتح کر کے دم لیں گے۔ یہ سہری بات ہے کہ ”مذہب“ شروع کرنے میں اور کریں، لیکن جب اس میں مطلوب ہو جائیں گے تو ہمارا فضل حق دین کا تعلق دے گا۔ تمام کون کے لئے اس کیجئے، دنیا کو کھر میں خدا بڑا مشکل ہے اور اس وقت فضل کی طرائق عمل برپا کرنے کی ہوتی ہے۔ دوسروں سے مل چلتے ہو، اگر کھٹر کرے گئے تمام کوہ پر کام چھوڑنے سے بددلی ہوں گے۔ یہ بات بظہور باری محبوب معلوم ہوتی ہے کہ فضل عمل میں جگہ کرکھی تمام طور سے عمل سے باہر نظر آتا ہو اسے جانی برپا کرنے کا اس قدر مشق کیجئے ہو سکتا ہے۔ لیکن تمام کو فضل برپا کرنے یا کوئی طوائف پر اگر کام، کیجئے یا سنے اور دامن کیجئے گئے وہ سب کام چھوڑ دیں گے۔ فضل کو کام کیسے نہ ہو ”انھیں چپے“ کا ہے جو طوائف سے لکھی اس میں حد سے تجاوز کرنے والے نہیں بنایا ہی کسی نے دیکھا ہو، اس میں کا فضل حق ان کی کبھی زندگی سے ہے اور اس میں انھیں کوئی ملتی ہوتی ہے۔ فضل اپنے دامن بلکہ شر سے باہر نہیں رہ سکتے، جب دامن کی کالی تمام ہیں۔ لوگ بددلی کا قصوی طور پر دامن سے جت کرتے ہیں لیکن فضل کے سب دامن کو میں ہمیری سب دامن کا نام چاہوں۔ دامن کی محبت ان کے خیر و حوائج میں شامل ہے۔ آج بھی وہ دینا یا نہ دینا ایک بات ہے، لیکن کا فضل اپنے دامن کی سر زمین کا حاکم اور اس قدر آزاد ہے کہ وہ اسے کسی قیمت

[illegible]



جاتا اور صاحب کا بھی اعزاز ہوتا ہے۔ تو میں عرض یہ کرنے چاہتا کہ پہلے وہ اصل بزرگ و ناخباتی زندگی میں دیکھا اس کی دہشتِ عرصہ و دراز تک دل پر چھٹی رہی۔ اس پر داکٹر قلم کا اہتمام چچا جان نے ہماری سٹوں کی ٹوٹی میں کیا تھا۔ سوئی نانی ایک ہاکمال عوامی کار قلم میں نے اپنے نچلے حوزہ چنگ کی ہادر والی کو دیکھا۔ جس پر قلم کو کھانا پانے دینا اس جتنے پر ہنگامہ کیا کھدہ بھی قلم دیکھنے سے خوشتر ہر مرد اس مرحلے سے گزرتا ہے کہ۔ چنانچہ ایک مدت تک قلم کے نام سے یہ ہاں میں ایک کچی مٹھی ہوتی تھی۔ بعد میں تو قلم چنگ کی چاند اور پٹا اور کچہ کر بھی کیفیت طاری ہونے لگی۔ وہ تو خدا بھلا کرے صاحب مدحتی اور شہساز لی کا جنم ہے کہ صاحب قلم کو یہ خوف دل سے نکال دیا اور ادا کیا۔ جیسا کہ آپ نے ہماری باتوں سے خود جانپا کیا ہوگا۔

شہساز کرمانی اپنے ٹیکو اور موضوعاتی قلم میں ادراکائی **situation** اور مٹھوں کی ذکاوت انداز سے تخلیقِ جسم کرتی ہیں۔ مطلب ہے کہ انھیں ”رقاصے“ کا ہر چاقی ہیں۔ ایک اچھا مذاق اور بہت پسند کو رہا کر مفر کی طرح وہ اس دحر سے واقف ہیں کہ قلم اس سماعتِ عجاب میں اپنے نقطہ عروج پر پہنچتا ہے جب رقصہ نظر آتی بند ہو جائے اور صرف قلم نظر آئے ”انگ ہائیں کہہ رہے ہاں سے خوشیہ آئے۔“ قلم خود بہارتِ قلم ہو یا کھٹک، مٹی پوری ہو یا آؤسی۔ اس میں خیال ہر جہ سے کا اعجاز انھوں نے ایروڈوں اور ہاتھوں کی جنٹل اور چھوٹے کے آثار چننا ہے کیا ہوتا ہے۔ اور بھی کاشی انداز رکھ رکھاؤ اور یہ لطافت جیسا کہ اپنا یاد داتا ہے۔

جس قسم کے دانشور جس نقاش کے ذرا سر آج کل ذی ذی وہی اور اس بھی دوسری نظریں کاغذ پر دکھائے جارہے ہیں ان میں ہم کا صرف ایک حصہ

استعمال کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے اور ان کی خواہش کا اعجاز و مٹھان جس سے گھر گھر نے اب صرف اکہوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ ہم تو بچپن سے ہی سنتے اور سمجھتے آئے تھے کہ کوئی صرف بچپن بچپن کو کھٹے سے باز دیکھنے اور سکول میں بڑے لکھانے کے لیے کھانے کھتے ہیں۔ یہ تو اب دیکھا کہ پوری **emotional range** یعنی جذبات کی ساری سرگم اکہوں سے اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ ”کیا جانتا تھا“ دل پر چھری کی پھل جاتی ہے۔ کھٹے کھانے اور کھانے لگنے **wiggling and hip-swinging** کو فنونِ لیلیہ کا درجہ دینے کا کرناٹ ان بھول کر جاتا ہے۔

یہ سب اپنی جگہ مگر تار سے پار خدا اور مزا خدا اور دیکھ گئے ہیں کہ ان ذرا میں اسے کھٹک شہساز میٹر سے ”ایسی بے حیائی اور اس قدر سحر کشانی اور مریانی ہوتی ہے کہ کھٹک چمک چمکے کوئی نہیں چاہتا کہ کھٹک اس کا بھی صاحب کھٹک ہے کہ نہیں؟

جناں تک اور ایسے دانش میں فرق ہے کہ جتنا تک میں ایک **rhythm** ”جنگ کوچ اور حسن تخلیق ہوتا ہے۔ جتنا تک کے کچھ کھڑے اور ضابطے بھی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ تار سے قلم میں جتنا تک کرتے جتنے کم از کم تیر پہلا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ذی ذی دالے دانش میں چلی اور پٹا اور کچہ گھر گھر سے ان کی دھکی سے ہماری پٹائی اور ایمان کی آواز میں اس طرح کی جاتی ہے کہ کوئی پوچھنے کہ کیا ہے تو پوچھنا ہے نہ ہے۔ غالب نے قلم ان کی ہی سحر پائی کے لیے کہا تھا

حیف اس چادر کھڑے کی قسمت غالب رہے مردانہ پتے والے ”سودا“ بھی کافی خدا جگہ رہتے تھے گئے ہیں؟

جس صاحب کا یہ بھول اب تو ضرب اصل کا درجہ اختیار کر چکا ہے کہ قلم اصحاب کی شاعری ہے مرزا کو یہ قول ان کا پتہ آجاکا کھٹک فرماتے ہیں شاعری ان کا قلم قلم کا قلم ہے!

کھٹے کھٹے ہوئی خیال آجاکا ”قلم“ عربی لفظ ہے۔ ذرا غلط میں اس کے معنی تو بچپن۔ بعض اوقات غلط کھٹے سے بھی کوئی یا شہساز کا قلم لکھ جاتا ہے جس کی دالہ بچپنی سے ”صرف غلط“ مرعوب کرنے اور اس کے خوف سے بڑے ڈالے ہی دے کھٹے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ آپ ان کی میری حیرت اور غرضت بلحاظ میں شریک ہوں۔ اس لفظ کے دوسری لکھ پہلے تو ہی جس سے میں غلط دیکھنے سے پہلے بھی واقف تھا یعنی ناخ۔ دوسرے معنی غلط ہوں تو یہ چاہتا ہوں ”غفلت کی اچھٹے اور کھٹے ہونے والے۔“ کو یہ قلم شہساز شہسازوں کے۔

حیرت ہوتی ہے کہ جس صاحب کا ناخ و ناخ نے یہ لفظ ایجاد یا وضع کیا اس نے ہزاروں برس پہلے شہساز فی ادبی اور **pop** رنگ اور قلم کی انکی **realistic** تصور کھٹکے کے دکھائی کہ جس قدر قلم میں کر رہا ام ہے۔

بھٹک صاحب سے میری کچی بات قدرہ مذاقت اندون میں خودی باہمی میں صاحب اور مقرر مقررہ مذاقت کے پیراں ہوئی۔ یہ وہی باہمی صاحب ہیں جن سے ایک مشہور لیلیہ منسوب ہے۔ ایک جذبات کے پاس یعنی ذریعہ غزل کے دھڑکے سامنے کچھ اور یہ لوگ عزتِ ناب کے خلاف ”عجب غل کا بچھا عجب غل کا بچھا“ کے خضرے لکھ رہے تھے۔ ذریعہ صوف نے باہمی صاحب سے پوچھا ”لوگ کیوں خود کا رہے ہیں؟“ انھوں نے جواب دیا ”سراج بھی کچھ کھٹکی کے بارے میں دیکھا کر رہے ہیں“ کھٹک بھی طرح پر انھیں کہ باہمی صاحب نے بھٹک صاحب سے میرا







جاسی سٹک کے بارے میں سن رہی تھی کھٹک کر کے  
 ہے جسے نہیں سہل کسی کی نصیحت اور نواہی نہیں سن سکتے  
 تھے کوئی ان کے سامنے ٹوہڑا کر کے باک نہ دیتی کرتا  
 تو وہ اپنا ذہن انہوں میں اور کبھی سب سے کچھ آف کر دیتے  
 تھے۔ ایک دفعہ وہ سے پرچھا "آج کل ہر کونہ کدو ہے  
 ہیں یا بیج کے کام سے قسمت نہیں ملتی؟ میں نے کہا  
 "مخصوص طور فراغت تو بہت ہے۔ مگر کابل ہو گیا  
 ہوں۔ پتا نہیں مارا جاتا۔ مطالعہ کی معاشی میں پڑ گیا  
 ہوں۔ اور جب کسی لکھنے والے کو پڑھنے میں زیادہ حوا  
 آنے لگتے جاتے ہیں وہی فراغت ہی پر آتا ہے۔" میں  
 بہت دیر تک خود کو اسی طرح ذرا بھرا کرتا رہا۔ فیصل  
 صاحب خاموش بیٹھ رہے۔ ہر شفقت سے میرے  
 کلمہ میرے پر ہاتھ دیکھ کے اسنے قریب آگئے کہ ان کے  
 سرگٹ کی راکھ میری جالی پر کرنے لگی۔ کہنے لگے  
 "بھئی ہم کسی کی نصیحت نہیں سن سکتے۔ کسی سے کہہ  
 دیکھنا اچھا نہیں۔ اپنے آپ کو صاف کر دیا کیجئے۔ غصہ  
 اور گڑباض کا کام ہے۔"

سرگٹ کے ذکر پر یاد آیا کہ فیصل صاحب کبھی  
 انشوارے کے کچھ نہیں دے۔ ان کی مہارت کا یہ  
 عالم تھا کہ راکھ بیٹھ ان کی تالی پر ہی کرتی تھی۔ کبھی  
 دوسرا چکر لے کر نہیں دیکھا۔  
 فیصل صاحب کے فطری لہر و لعل اور عظم  
 برداشت کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے وہ  
 سوہنہ چاہن کرتا ہوں۔ ان سے آپ کا اندازہ ہوگا کہ  
 وہ کیسے کیسے مرے سے آسان گزر جاتے تھے۔

یہ کوئی بھگنیں دیکھ چلے کی بات ہے۔ خانا ہے  
 کواری میں ایک ٹی محفل حاضر جمع ہو جاتی تھی ابھی نہیں  
 تھی۔ کوئی یہاں سامانہ حاضر نہیں تو ان کے جنی میں  
 سے چائیس تو حاضر ہے۔ جیسے مصرع اٹھانے والے۔  
 ایک صاحب چنگ پانگ کی گیدہ کی طرح اچھل اچھل  
 کر دوڑ رہے تھے۔ یہ لگتا تھا کہ وہ کے غصے سے

کسی کتاب سے دست کر آئے ہیں۔ چند بار وہ کہے  
 "بھئی دانا کیا قیمت شعر نکلا ہے۔ صاحب کی دھیں  
 اسب آپ کی ہو گئی۔ دانا میاں بیچتے ہو۔ روز بازار  
 سے پڑھنا کیا کھتہ بیدا کیا ہے۔ پڑھتے ہاں۔ لی  
 خوش کر دیا۔ حضور مجھ کو صحت فرما ہے۔ دانا میری نہیں  
 ہو رہی؟ سبحان اللہ! کیا تیرا ہی۔ قریب سے سنبھلی  
 ہے اس کو لڑنے سے صبر نہ لگایا ہے۔ قریب نہیں وہ  
 سنبھلی اپنے اٹھنے اٹھنے کیا ہے؟ کون کچیلے میں بیٹا ٹھوٹک  
 دلی۔" دوبارہ کرم ہوا رات کے ادا ہوئے بیٹے فیصل  
 صاحب کی پہلی آنکھ کی ٹوٹیں دھو نہیں سائیں۔  
 جب اس شعر پر پہنچے

ایں غزل حجابِ دل کو ہم نہ کھنک نہی کے شرابی نہ بھلاوئے  
 وہ شرابی میں سے آگے نہیں بھگن سکی جھروا کے  
 تو وہ صاحب دے سبحان اللہ! سبحان اللہ!  
 کیا غلات؟ کیا غصہ ہے؟ اوستا بیل رہی ہے؟  
 فیصل صاحب ہولے سے ہسٹا دیئے۔ ہر آنکھی  
 صاحب کی طرف اٹکیں پر ایک اور لڑل شرابی کی۔ ایک  
 مصرع پر ان صاحب نے لکی داد دی کہ کھام وہیں  
 کے تھوڑے توں کو سر پر اٹھالیا۔ بار بار وہ مصرع پر حوالہ  
 جب کوئی شاعر دوسرے شاعر کو بے تحاشا داد دے کر  
 اس طرح یاد دلا دے کہ وہ اس کا مطلب یہ  
 ہوتا ہے کہ اسے اس شعر میں کوئی غالی غالی کچھ نظر آ رہا  
 ہے۔ کہ وہ زبان کا شاعر آ جا کر کرنا چاہتا ہے۔ جب  
 فیصل صاحب نے وہ شعر پڑھی دھڑ دھڑا تو ان  
 صاحب نے مصرع غالی "املا" کر کے "ہو تو بلکہ  
 پڑو دیکھ" فیصل صاحب نے تو دے سکوت کیا۔ ہر  
 سٹرا کہ مصرع کو اسی طرح پڑا دیا جس طرح وہ  
 صاحب چاہتے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ فیصل  
 صاحب کے مصرع میں قصہ کی کلم نہیں تھا۔ اس مصرع  
 ختم ہوا تو لوگوں نے ان صاحب کے پرے لے آ رہے  
 دیئے۔

ایک محفل میں فیصل صاحب اپنی نظم "دربابِ سنا  
 رہے تھے۔ میں کاکا خارا غنی کی جنس اور کی پہلی جنس  
 غفلت میں ہوتا ہے۔ محفل میں اندر سے اندر سے اندر سے  
 اٹھتے شاعر سنا غنی غنی کی پہلی جنس اور کی پہلی جنس  
 سے اندر میں اندر سے اندر سے اندر سے اندر سے  
 اپنی اس نظم کے حکم کو چار میں گزلی اور  
**Rotweiler** کے ایک دو ذرا نام سے پکارے  
 تھے۔ ان کو پڑھتے ہم دوسرے سنا غنی کے پکار کی بات پڑا کر  
 جاس جاس ہو گیا۔ بیچ کے "خراش" نکالے "لے  
 دلیر ہو بہت خوبصورت اور خیال انگیز نظمیں لکھی  
 ہیں۔ چارہ گلوں سے کم کے کی غنی دوسرے غنی  
 محبت نہیں کر سکتے۔ جب سے انہوں نے سلطان کیا  
 ہے کہ وہ ہم سے محبت کرتے ہیں ہم باقی کو انہا انہ  
 کرانی۔ انہی غنی غنی کی کر سکتے ہیں کہ نہیں ہم اپنے  
 بارے میں کسی مطالعے میں تو جھکا نہیں رہے ہیں۔  
 جس ان سے وہ ہم پر صبر ان ہوئے ہیں انہوں نے  
 زمین پر قدم دیکھا پھرا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ ان کا ہر  
 قدم انہی دستانہ غنیات پر چڑھتا ہے۔

بازگ حوالہ اپنے کے پڑا آئی قریب شعر اور  
 نیک چلن محبت کو ایک صفت بھی برداشت نہیں کر  
 سکتے۔ اندر کی ایک ادبی محفل میں ایک انہی سنا  
 بزرگ شاعر اپنے استاد چندتے شعر رام جانی انہی  
 کا سوسا اسوا اسوا پر منتظر حیرت پڑا رہے تھے۔ ابھی  
 انہی میں شعر پڑھے تھے ہوں کے کہ سنا غنی نے  
 اپنا قصہ اٹھالیا۔ ہر کونہ کدو سے ہو گئے اور پھر پڑا کرنا  
 "اب آپ چڑ جائیے۔ آپ کے استاد کو آپ سے  
 بھی زیادہ ملاکتی تھے۔" یہ کہا اور ہاک آؤٹ کر کے  
 ڈرا کیسہ تیرے باب میں چلے گئے۔

تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ فیصل صاحب اپنی نظم  
 "دربابِ سنا" ہے۔ اس نظم میں فیصل نے دربار  
 ایک انہی سے زور سے دے دیکھا اور دکایا ہے۔

بہت دیکھ کر کر لگی سب دیکھ کر دیا ہے۔ یہاں لگتا ہے  
 جیسے وہ اپنے وطن پر ایک ٹپک دیتا ہے۔ "فرشتہ"  
 میں میں دھک تے دل پہلے پہل دھکا دھکا وہاں  
 لگاؤں سے تار لگے ہے کہ اس کے سارے جگہ جھل  
 کر لگے جاں میں اتار چکے ہیں۔ ہوس میں تھوڑا دکھوں کا  
 ادا ہلکا کرنا تھا اس کے شعلے کو دھواں میں سیہ  
 پڑا ہوا ہے لیکن وہ بھی وہی تھل پاتی ہے کہ ایک سب  
 روشنی میں تھوڑی ہو چکی اور یادوں کی اس ہنست بہار  
 روشنی میں محبوب کا چہرہ اور بھی نہیں ہو گیا ہے۔ سب  
 رقیب سے لگی ایک کو نہ فرقت اور نہ کچھ محسوس ہوتی  
 ہے کہ اس نے بھی انہیں لگا رہا ہوں اور سارا انہوں  
 کو کہا تھا۔ کون نہ کام ہو اور کون نہ کام اس سے سب  
 کوئی فرق نہیں رہا۔ رقیب کا خطاب کر کے کہتے ہیں  
 تھ سے نکلی ہیں وہ محبوب ہو گیا ہیں میں  
 اس کے ٹپوں کی طہرہ۔ تھک پاتی ہے  
 تھ پہ چلی رہا ہے اس بام سے پیاب کا نور  
 ہم میں جتنی ہوئی راقوں کی کھک پاتی ہے

قرآن مجید ہے وہ فرشتہ، وہ فرشتہ، وہ فرشتہ  
 زندگی جن کے تصور میں لا دی ہم نے  
 تھ پہ اچھی ہیں وہ کھوئی ہوئی سارا دیکھیں  
 تھ کو محسوس ہے کہیں غم گواہی ہم نے  
 ہم نے اس عشق میں کیا گواہ ہے کہا نہیں ہے  
 جو ترسے اور کو سمجھاؤں تو سمجھا نہ سکیں  
 فیصل صاحب جب آخری اذان پہ پہنچے تو ساتھی  
 قادیانی نے بلند آواز اور تڑپ سے کہنا شروع کر دیا  
 "بس۔۔۔ علم بھی غم ہو پاتی ہے۔ آگے مت  
 جانے۔" فیصل صاحب کو اپنی حاضر خاموشی غصہ  
 کے باعث دھوکا دیا اور غصوں کی بددلی دہائی مزہ  
 چھی کر انہوں نے جتنی غم نہیں سہائی۔ اچھا "فرشتہ"  
 زہرا اور فرشتہ بخاری نے جو وہاں موجود تھے سمجھا

کہا کہ جتنی ضرورت تھی۔ مگر فیصل صاحب نے  
 "تو نہیں! اب ساتھی نہیں سنا ہوتا تو ہم دیکھ  
 سکتے تھے۔"  
 وہ کسی کی دل آزاری اور آرزو نہ مانتی کہ تصور  
 بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کبھی نہیں سنا تھا اور بددلی کا  
 یہ حال بھی نہ تھا کہ ایک دن حلقہ چارہ اندازہ پانچویں میں  
 بیٹھے کام سارے تھے کہ ایک سردار کی انہیں لینے  
 آگے اور وہ اٹھ کر ان کے ساتھ برہنہ چلے گئے۔  
 معلوم ہوا کہ سردار کی انہیں اپنی بھاری کا احتجاج  
 کرانے کے لیے لے گئے ہیں ابھوس میں کسی نے وہ  
 لنگھوں میں جب کا تھکا کر کیا تو کہنے لگے کہ سردار کی  
 نے ہمیں بدلی محبت سے بلایا تھا۔ یہاں یہاں انکھوں  
 میں ہم سے کسی نے انکھوں کی دکان کا افتتاح نہیں  
 کیا۔ ایکسٹرنس نہیں تھے۔

سردار کی قادیانی طرف سے فیصل صاحب کو  
 ان کے انکھوں سے لگی تھک سہا آ رہی تھی  
 فیصل صاحب نے اپنے بارے میں کہا ہے:  
 ہم جیتے کی مصروف "ہرے  
 دیکھ مقلع کہا، دیکھ کام کہا  
 کام مقلع کے آڑے آتا رہا  
 اور کام سے مقلع اٹھتا رہا  
 ہر آڑے آکر ہم نے  
 دھوکا کو اڑھوا ہوا دیا  
 غیر "شاعری کے بارے میں تو فیصل صاحب  
 نے لکھ پڑائی کی حد کو چھوٹی ہوئی کسر قصی سے کام لیا  
 ہے۔ یہاں کا مقلع "قادیانی بات دہیں میں دیکھ کر  
 ہمارے یہاں کا دھار مقلع جس فراغت "محبت"  
 مشقت اور غم کی کا غالب ہے" فیصل صاحب کی  
 فکری کا کلیاس کی اہواز نہیں دیتی تھی۔ اپنے ایک  
 اجروہ میں وہ لکھتے ہیں کہ "مقلع کے لیے بھی  
 فراغت چاہئے" ان کی مجھے صوب نہیں ہوئی۔ "فیصل

صاحب کی ایک داستان ہے پشیمان کی بے پناہی کے  
 بارے میں لکھی ہیں کہ "میں بہت جلد سے  
 کھانے پانے کے لیے نہ پوچھا جانتا ہے کہ پانی، مگر  
 ہر بار دیکھا کہ جو چچ بہت لڑکچہ ہوتی بس وہی  
 کھاتے، رچے، دل فریب ہے تو وہ کھار ہے ہیں۔  
 چھٹی دور ہے تو وہ طلب نہیں کر رہے ہیں۔ کبھی کوئی  
 فرق ہی محسوس نہیں کیا کہ کبھی کا بھرا ہوا پانی جان کر  
 رہے ہیں کہ کبھی شامی کھانے کے لیے ہیں کہ  
 بکھارے ہوں۔" "مگر صوب دیکھ کی میں ہی سمجھتا ہوں  
 جاتا ہے پانی دیکھ اس کے بارے میں طرح طرح  
 کے تھکے گئے لیتے ہیں۔ مقلع کی کھانوں کا صوب  
 محسوس نہیں ہوتا میں سمجھتی رہتا ہے ہم نے انہوں میں  
 پورے سال فیصل صاحب کو کھانے کے پورے شہ  
 کوئی رقیب سے دیکھا ہے۔ ہم تو وہ بے نیاز سے  
 لگے۔ ہم نے تو پانچوں میں بھی دیکھا کہ ان کوئی  
 شامی کھانہ کھانے کی ان کے چلوں کو کھانے کا فیصل  
 صاحب نے ہمارے گھر میں آئے ہوئے دھن کے  
 بھرتے کو اٹھا تھا کہ نہ کھلا۔

فیصل کے زمانے کی شاعری کو ملی مضرہ  
 مضرہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ شاعری اچھی پوری طرح  
 کلی و ملل آجیاد اور کلی (آج) زمانے میں بھی کو  
 آسان کی بھی نہیں کہتے تھے "شب بھر کی خواہش زل  
 دیکھ سے خون کا افراز" "محبت کے ہونے کی غیر شرعی  
 خواہشات کا لہجہ" "حرار پر مبنی" "محبت اور روشنی کا  
 ناکافی انتظام" "قرآن کے اندر مروج کی زبان میں فرشتوں  
 کی جتنی ہوئی کتابیں دلیر و جیسے مستحبات سے  
 پہلی طرح پہچانیں انہیں پہچان پاتی تھی۔" "مقلع کو انہوں میں  
 زیادہ جڑا تھا

ہر سے تار، دھن سے ناکار  
 کیا طبیعت بکھرنے پائی ہے  
 ہم بھی ایک مدت تک ہی مضر کی طاعت

احساس اور ذائقہ خیال پر سرور مچتے رہے۔ تا آنکہ ایک دن مرزا محمد امجد علی بیگ نے یہ کہہ کر سارا حرم کر کر کر کر دیا کہ اس صورت حال کا کرنا عیبت عیبت کو ٹھیک سمجھ کر جاتا ہے۔

فیصل کی شاعری کا سارا اوج اور اس کی تمام تر بے انداز لطافت اور نفسیاتی آن کے متضاد لہجے میں صخر ہے۔ جو بھی اس سے شاعر کی سب سے پہلی سبک دور شاعرت ہے۔ جو لفظ کا تخریب ہے۔ لہجہ و لہجہ میں اس سے زیادہ تخریب کا رسم نکلتا ہے اور وہ لہجے کو صوفی کا در و نقولہ کہتا ہے۔ یہ لفظ کو تباہ کر دیتا ہے۔ جڑ توڑتی ہے اور وہ لفظ کا نکال نکال ہے۔ لہجہ لفظ کا اعتبار ہے۔ لہجہ لفظ کا میدان لغات ہے۔ یہ لہجہ نہیں، حرف کی خرمیت اور مہمانی کی اداست ہے۔ یہ حرم و راز گاہاں خاندان ہے۔ لہجہ نہیں کا این ہے۔ لہجہ آدمی کی بچکان ہے۔ لہجہ خدا آدمی ہے۔

اور آدمی بھی کیسے وہ آدمی جس کے دل میں کینہ کوہ دست و لعل و حلاوت کوئی گزرتھا۔ جس نے زندگی کے ہر رنگ اور زمانہ کے ہر پہ سے محبت کی اور لڑتے کہبت کی۔

فیصل کی شاعری محض لفظ کی گید ساری نہیں۔ زبان کا نظم و صیغہ ساز کا کام ہے۔ اس کا آئینہ بلیادی طور پر 'توڑی کا آئینہ' ہے۔ علم نہیں لگتی۔ لیکن لہجہ کا لہجہ ہے۔ اس سے پہلے اس کے لیے علم اور اس طرح کسی نے اپنے علم کوئی کوئی زمانہ اور علم جہاں کو علم روزگار سے ہم آہنگ نہیں کیا تھا۔ ان کے درد کا شہر اپنے درد کے دکھ کا شہر و طب سے جلتا ہے۔ فطرت کے مزاج میں جو جیلا اور غمراہ و غمراہ و غمراہ و غمراہ نے اپنے دل و دھندہ لگتے اور لٹکے لہجے کی شاعری میں سمورا ہے۔ ہم غم خروں میں بلکہ محبت اور شکایت و زائدہ ادا کرتے زمانہ ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ وہ فطرت کا گزرد نہیں لکھتا ایک صبر و صفا سے ہے۔ وہ اس تک

کوڑا نہیں کہنے کا ساری روایتیں باسی کے قدم سے ہیں۔

لکھنے کی خبر تو یہاں ہے ای کے فطرت سے رہا کہ ساری کاظم کاٹنے کا۔ پڑنے کا نام لکھنے میں ایک مضمون بھی ہی لکھ لکھوں ہوتی ہے جو وہ جھٹنے کے بعد و صرف چلے نکلا اپنے دالے کہہ کہہ الم کا پھر دیتی ہے بلکہ قوس کے تارہ نشان بھی عیب کی اس رنگہ پر دکھائی ہے جہاں سے کوئی شائستہ حیات ابھی ابھی پانچواں دور مست و رقصان گزرا ہے۔

فیصل صاحب نے حرف سادہ کو اچھا کر دیا رنگ نکلا کر اپنے کام کو پکا کر چاہنے کی انتہائی کاوش کے بعد زبان کے چاہنے والوں کو ان کی پادست کی آکڑی آکڑی طرز ایسی بھائی کی ملا حرم میں وہی شریعت و معیار بیان غمراہی۔ لکھتے ہیں بھی وہ سگرت کے گل سے داخل لٹاپا لگاتے جاتے۔ سگرت میں وہ سب بھی گل کی سبکی باسی طرح لپٹے رہتے۔ صبر سے وہ فطرت کی سانس لوت لوت جلتے۔ دھندلے سے کمال کی سبکی خاندانی اور صفی و لعل کا پورا سگرت حق میں حلوں میں گھومتا چلا جاتا۔ درحقیقت وہ اپنے کام میں طرے پڑھتے جاتے ہیں۔ لہجہ اپنے لکھوں کا کام پڑھتے ہیں۔ لہجہ گنگ شعر میں چھاپا سگرت پورا کر کے خبر یہ بھی ان کی ایک دالے دہری قہقہہ میں پر ہم اپنے پادست و قہقہہ تھے ہی ان کے کالوں کا بھی ان کا انداز شعر و شاعری ایسا ہی ہے کہ پڑھتے وقت شعر کے علاوہ خبر یہ بھی سگرت جاری کرتے تھے۔ کسی کہنے والے نے ادا لکھتے کیا بھی کہ فطرت صاحب نے قصہ لکھتے پڑھتے کی یہ خصوص طرز و اسل اپنے لکھوں کا خاندان و خراب کرنے کی فطرت ستانہ لکھی ہے۔

اس صبر کی سب محض ایک تاریخی حیثیت رہا گی

ہے کہ فطرت صاحب کا لہجہ سبک کیا تھا۔ باسی حلاوت اور انتہائی نظریوں کے اختلاف و آواز چش سے فطرت لکھتے لکھتے ہر لکھنے کی بات ہے کہ فطرت صاحب کا اپنے سبک و مشرب سے ہمہ وقت لکھتا دستور تھا اور اس پر کار بند رہتے میں منہا نے بھی پامری اور احتیاط کا ثبوت دیا۔ آزاد کی فکر و انگیزا دستور کا عیبت اور انتہائی انفرادی یا سادہ میں وہ کسی کھنکھنے کے قابل نہ تھے۔ جس سبک کی کوئی کیست انہوں نے ایک طرحاں لکھ دیا کہ لکھا لکھا ہے تا مگر وہ لکھتا ہے۔ لہجہ ای اس وقت میں طرے گزرتے ہیں دہرا دھرا و صوفی فطرت صاحب کے کسب صفت اور احتیاط کو تاریخی خاطر میں دیکھنا ہوگا۔ چون کہ وہ سے یہاں ایسے شاعر اور ادیب بھی ہیں جنہوں نے ہر دور میں ہر حکومت کی طاقت کی۔ جیسے۔ نام کیا لوں کوئی لکھ کا بندہ و کار اور اپنی طاقت میں اپنے بھی شریعت و طاقت و طاقت جنہوں نے ہر حکومت کی طاقت و طاقت کو لکھ کر فطرت بھی انہماں واپس لکھا۔ سب نام کیا لکھوں۔ سرگرمی اپنے ہی نام لپٹے لکھتا ہے۔ آخر لکھتا بھی کوئی چیز ہے۔ ڈرافٹ کوہنت کی گزریا ہر اعتراض کرنے کا حق نہیں بچتا۔ لکھتوں کوہنت کوہنت و طرے کرنے میں محض اہل علم سے آگے نہ کسی سب سے پیچھے بھی نہیں رہے۔ باسی طاقت و طاقت اور اس کوہنت کی گزرتے اور گزرتے ہونے کی حکیم و صحتی صخر ہوتی ہیں۔ لکھتوں کا انہوں نے خاندان و اسل Max Miller کی لکھتوں میں ہر لکھتے ہے

When she was good, she was very very good, And when she was bad, she was very very popular.

لکھتے لکھتے ادیب لکھتے ادیب کو بھی لکھتا لکھتا

اسٹیشن سے کوئی کاغذ کا ٹکڑا سبز زردی مٹری ال بھی  
 جاتا ہے تو اس سے منزل ملے ہوئی ہے نہ خواہش  
 بدلہ و مصعب کی تسکین ہوتی ہے۔ پہاڑی کی ایک ٹھل  
 ہے کہ ٹکڑی چڑھتے گدا تھکداری مائے۔ یعنی  
 جب وہ ٹکڑی پر چڑھتا ہے تو ہاتھ تھکداری لگتا ہے۔  
 مگر ہم ٹکڑی پر چڑھ کے بھی ٹکڑی ہی کہتے ہیں۔  
 تھکداری کاغذ کی ٹھل ہے۔  
 اس کا تھکداری ٹھل میں ہم پیچے ہو کر رکھتے  
 ہیں تو ٹھل اس ٹھل کے کاغذ کا تھکداری ہے جس  
 کا اصل موضوع قتل ہے آخر انسان کا کاغذ اور اس کا  
 تھکداری ہے ٹھل نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ کاغذ کی  
 انسانی حیثیت کا پتہ کر دے نہیں ہے۔ زندگی کا ایسا یہ  
 ارہال بھی نہیں ہے جس کا کاغذ اور اس کا تھکداری ہے۔  
 تھکداری دیکھ کر ارہال کی ٹھل قتل ارہال کی مادی  
 ہوتی ہے۔  
 ٹھل صاحب کی ٹھل پائی کا ٹھل بھی مادی ہے  
 ان کی ٹھل اور ٹھل مادی ہر جگہ وہ ٹھل صاحب سے  
 ہاتھ مادی ہے۔ ٹھل بھی کوئی ٹھل پائی زندگی میں اس



یعنی وہ ٹکڑی جس پر تھکداری چڑھتا ہے اس کا پتہ  
 اور جس کا تھکداری اور تھکداری کی دیکھ کر وہ  
 اور اس کا تھکداری کے کاغذ کاغذ کی ٹھل مادی جن  
 کے اس کاغذ اور اس کاغذ میں اس کی Molly  
 Bloom کی مادی تھکداری کی یاد دلاتا ہے  
 "He asked me with his eyes,  
 and "with his hands, yes and I  
 said, Yes, I will, Yes"  
 خواہش و مصعب نے یہ ٹھل ٹھل کا ٹھل ٹھل  
 ہے کہ انسان کے سارے کاغذ کا "ٹھل ٹھل" خواہش  
 انسان ہی ہے۔ لیکن اسی سے دیکھ اس بھی بدستور  
 ہے۔ اس لیے کہ ٹھل ٹھل کاغذ اور ٹھل کاغذ  
 کاغذ کاغذ ہے  
 جہاں اس ٹھل ہے وہی ٹھل کاغذ کاغذ کاغذ  
 ٹھل سے اس کاغذ کاغذ ٹھل کاغذ کاغذ کاغذ  
 تھکداری کاغذ کاغذ اس کے اس کاغذ کاغذ  
 یہ ٹھل کی ڈی کری ٹھل ٹھل۔ تھکداری کاغذ کاغذ کاغذ  
 ہو کہ ٹھل اور ٹھل ٹھل ہے۔ تھکداری کاغذ کاغذ کاغذ

دن کی ان لوگوں کا روزمرہ گرم خیرات مقرر فرما دیتے تھے جن سے وہ بیٹھ کے لیے تھا اور جانتے تھے۔ یہ عقلی طب کیلئے تھا۔ مگر یہ کیا فہمی ہے کہ وہ ان بیماریوں اور جیلز کے مسائل میں مصلحت کا احترام کرتا ہے۔ اور یہ کیا الجھنا صاحب ہے کہ بڑے خزانہ اس کے اعتبار کا انگریز میں توجہ کرنے کا انداز اور شفقت کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی 5-Year پلان فرم جلد پورہ پڑھ کر کے دہلی کے خانے میں پہنچ جائیں گے جہاں وقت کی انتظار فرمائش دیکھ انہیں بہت یاد دیکھ کر اور غلو کے دیکھ دے گی۔ کیا آپ کہہ صرف اسی ترے کی نسبت سے یاد دے کر اور عقل دیتے جائیں۔ فحش کی خاموشی اتنی خفت جان لاتی کہ انگریز تو ترے بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ یہ بھی اس لئے کہ یہ ان کی فحش کی خاموشی میں پہلے بیکار کی بے لگاہ فرمائش اور سپرد ہے جس کی اب انگریز کی زبان نہیں لائیں۔ انگریز کی casual affairs اور dating کے لیے بہت کام آتا۔ وہ کارگر اور بیچارہ ہے۔ مرد زندگی میں عشق ایک ہی دفعہ کرتا ہے۔ دوسری مرتبہ عیاشی۔ اور اس کے بعد فری بیوٹائی۔ انگریز کی زبان دوسری بار دوسری بیماریوں کے درہم برہم سے سہرا کے اعتبار کے لیے نہایت موزوں ہے۔ مرد اور عورت ایک بھی اس کی چابی کرتے ہیں کہ پورا عشق باہل چاہا genuine اور پاک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس زمانے میں انکی کھٹکھٹ ہوتی

تھوڑے بعد آپ فحش کا حکم مقرر ہوگا۔ اس سے سماعت فرمائیں گے جیسا جس انکلی کم ہوتا ہے کہ فرہم صورت کام کو گانے والا بھی اچھا لگتا ہے۔ میر تقی میر نے تو اسی بات پر اپنی صرحت دھک دتی کہ باوجود انکی مصلحت کا وقت پر لگاتار رہا۔ ہوائی کہ ایک جی ان کے آواز سے اندازہ دیتے خاں دای سے فرما لیں گی کہ تیرے صاحب اس کو بے کے لڑے

اپنے دوستی شعوریت کے پار کر دیتے تو چاہتے سارے دوست کر کے گانے گا۔ تیرے صاحب نے اسے اپنی اور اپنے کام کی توجہ کی۔ چنانچہ اپنی آپ جی میں رقم طراز ہیں کہ میں نے جواب دیا "یہ مجھے نہیں ہو سکتا۔ کچھ بیماری خاطر سے اپنی کمزوریت کا پاس تھا" طوطا ذکر باقی میں کہ اور پانچ چھ شعوریت کے لئے پار کر دے۔ مگر یہ بات میری بیچ بڑک ہے بہت کر اس گزری۔ آخر خود میں وہ گھر فرما دیا اس نے ہر چند باقی نہیں کیا۔ اور اس کی دوسری بات دلائی۔ "تجلی فحش کے کام کی فحش نے کھوکھلا دیا اور ان کی گانگی کو بھی قوت عام اور دھکے دیا۔ اس وقت دلی۔ مہدی حسن نے ان کی "گلوں میں رنگ بھرے۔" دلی لڑل انکی گائی کہ ہولوں ایک دوسرے کچھ ایک دوسرے سے مضرب ہو گئے۔ ان کا حال بدلتے "ہم دیکھیں گے لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے اپنی سہا سہا کن آواز میں ایسے ہی جان سے گایا ہے۔ کہ سننے والے کالی اور ان کو جس کا وہ ہے" دیکھنے کے لیے زخم دے کر چاہتا ہے۔ لازم نور جہاں غریبہ خاتم غلام علی بہت زور و زلف سے دلی نے کام کی گانگی کا حق ادا کیا ہے۔ صوف کچھ ہم ظاہر ہوا کہ تمام لیا بھول گئے وہ اپنی توجہ میں بہت ہی پسند ہیں۔ گانا ادا بہت کھڑا ہے۔ گانے کے ساتھ ساتھ وہ ہمیں لگاؤ کے ہے بھی پار کر رہی ہیں!

فحش کا شمار دنیا سے بہت دیکھنے والوں میں نہیں ہو گا۔ وہ دنیا کو بہت کچھ دے کر جانے والوں میں سے ہے۔ عظیم فنکار کی بچکانہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ایک سماعت آواز دے وہ ناپ کو بھی مقرر کرتا ہے اور خود ناپ کو فحش دیتا ہے۔ اس کی ہر بات ایک حکام سے ہوتی ہے۔ موضوع ذاتی لم ہو یا انسان کا جسم غم کو دکھانے فحش نے جس خصوصیات کا ایک درست فحش اور کچھ ایک ہا اعتبار اور آجنگ مطلقا۔

یہ کہ فحش کو کسریاں ہو گی کہ فحش ہے مگر کی آباد ہے۔ ان کی آواز ان کی اپنی آواز تھی۔ اس کی گونج اتنی اور کھلے اور رنگ دانی کے کی کہ ان کا مہمان کی آباد سے بچنے دے جانے گا۔ اس آباد نے آج کے دکھ سے غم حال تو ان کی گانگی کے لیے جیتنے کا مصلحت ہم خوش غصہ ہے کہ ان کو کم نے یہ مہم دیکھا اور اسے اور دوسری ذاتی ہوئی یہ آواز تھی۔ نصف صوفی لکھی ہوئی فحش کی فحش کہانی "اور سے وہ کہ مہم دے ہے" جس کے الفاظ کا سچا سچا معنی ان کے غم کی آواز میں ہوئی ہے۔ اس کے لکھن میں مہم فحش کی بڑھتوں کا پتہ دیا۔

بول کہ اب آواز ہیں میرے  
بول تو اس تک میری ہے  
تیرا خواہش ہم ہے میرا  
بول کہ جاں اب تک میری ہے  
دیکھ کر اسکر کی دکان میں  
مجھے چلے میرے شاہ ہے  
کھلے لکھتوں کے دہانے  
پیدا ہوا کہ زخمی کھان میں  
بول یہ خود ادا ہے بہت ہے  
جسم دہاں کی صحت سے پہلے  
بول کہ کچھ زخمی ہے کچھ  
بول کہ کچھ کچھ ہے کہ لے

☆☆☆☆

## فیض اور زنداں

فانما لکھے مرحوم میر عزلی محمد اکبر خان کا  
 مرحوم صحت ہونا چاہئے کہ ان کی مصالحت سے مجھے  
 اورو شامی کے ایک شہنشاہ فیض احمد فیض سے  
 شہنشاہی ہوئی اور حیدر آباد قتل میں مراد سال امیری  
 گزارنے کا بصیرت افروز تجربہ بھی حاصل ہوا  
 غالب علی کے زمانے میں میں نے فیض صاحب کو  
 صرف ایک دفعہ امر سے ایک مقام سے میں تم  
 جانتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ وہ مقام تھا جو بعد میں قاسم  
 اہل اہل میں صحت قبول ہوئی تھی۔ مجھے سے ملنے کی  
 محبت میر صاحب نہ تھی۔ ”انظم کی طرح سے فیض  
 نظر فیض صاحب کا چہرے کا انداز کوئی زیادہ عراکیز  
 نہیں تھا۔ ان دنوں فیض امام سے کچھ کچھ امیر میں  
 اگر چہ جی کے استاد تھے۔ اس کے بعد میں نے فیض  
 صاحب کو ہزار اکبر خان کے دارالحکومت میں 23  
 فروری 1951 کو دیکھا جہاں مرحوم ہزار نے  
 حکومت دھت کو بٹے کا اپنا چان چن کیا۔ فیض  
 صاحب سے آگے لاکھ 3 پاؤ ہوں کو حیدر آباد  
 رہنے سے شخصی کے قریب ہوئی وہاں وہاں میں وہاں  
 پائس کی قرین میں تھے۔

دوسری جنگ عظیم کے آثار کے ذریعہ وہاں  
 بعد ”بہر نظر“ سے صحت ہو گئی چھوٹا تھا تو فیض  
 صاحب نے انگریزی آئی میں کبھی حاصل کیا تو فیض  
 کے چیک دیکھ کر ”بہر لکھت میں شامل ہو گئے۔  
 دانشرم کے عارف پندہ پندہ کی ہم میں فیض نے

صوبہ قاضی صاحب اور لکھنوت کول کے بعد سے تک  
 پہلے۔ یہی داتا 1944 میں یہ بکھڑا تاجی گئی 18 برس  
 کی عمر کو پہنچے ہی فوج میں بطور کپتان شامل ہو گیا اور  
 مارچ 1945 میں کبھی حاصل کیا۔ میری جنگ 16  
 پنجاب رجسٹ میں ہوئی تھی میں نے لکھنوت کول  
 فیض احمد فیض کو وہاں میں فوجی دہائی میں کبھی نہیں  
 دیکھا۔ جب پاکستان وجود میں آیا تو فیض فوج ترک  
 کر کے نئی ملک کے شعبہ مصالحت سے شغف ہو گئے  
 تھے۔ البتہ میں نے فوج میں سروس جاری رکھی۔

فروری 1951 میں میری پہلک اسکول آف سٹو  
 روپنڈی میں تھی جب اکبر خان نے حکومت دے  
 کے پورام کی تشکیل کیلئے ”امیر“ کی چٹان دیکھ کر پنا  
 10 برس سے کر رہے تھے اپنے گھر پر ایک ہنگ  
 ہائی۔ اسی دوران میرے دوست سکر اسٹاف کمانڈر امیر  
 (مرحوم) نے مجھ کو ہزار اکبر کے کمرے میں پکڑ لیا  
 بچے تھے ہزار صاحب سے میرا احوال کر دیا تھا۔  
 میں وہ ایک بار ان کے دولت خانے پر حاضری بھی  
 دے چکا تھا وہاں ان کے خانا سے مستعد بھی ہو چکا  
 تھا۔ چنانچہ 23 فروری 1951 کو ہزار اکبر خان نے  
 اپنے گھر پر جن فوجی اور فوجی لوگوں کو دیکھا ان میں بہ  
 خاکسار بھی شامل تھا۔

ملا پٹلی ”مظہر سادش“ کے مرکزی کمرہ  
 میر عزلی محمد اکبر خان اس وقت چیف آف ہزار  
 علاقہ تھے۔ یہ عرض کر چکوں کہ وہ ایک خاصہ حصول

پہاں خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان چہا  
 فوجیوں میں سے ایک تھے انہیں اگر حکومت نے  
 اس دوران میں کھلو کبھی کیلئے عتب کیا اور انہیں کی خبر  
 آگاہ چند برسٹ فوجی اکیڈمی میں فوجی تربیت  
 کیلئے بھیجا۔ چند برسٹ سے کبھی حاصل کرنے کے  
 بعد اکبر خان فوجی فوجی دہائی میں شامل ہو گئے۔  
 بعد میں دے کے ملازمہ چاہیوں کے خلاف جنگ میں  
 دہا شہادت کے عوض حکومت نے انہیں ڈی ایس او

(D.S.O) کے تعلق سے اور  
 جہاں کسب جانتے ہیں وہو مکان کی قسم  
 کے تھوڑے عرصے بعد شہر میں لائی شروع ہو گئی۔  
 ہواست کی فوج سکر کے حوالی آئے یہ اتنی اور  
 اس کی پاکستان کی طرف سے جوتے ہوئے جنون  
 قابضوں نے بکھڑا ہوئی اکبر خان نے وہاں وہاں  
 بریگیڈ بڑھے پڑھتی تھائی دشمن کی کتاب سنہلی  
 اور ہادی سے اپنے سے کبھی زیادہ طاقتور انگریز  
 فوج کا مقابلہ کرتے رہے اسی لڑائی کے دوران اکبر  
 خان پاکستانی فوج کے انگریز کا طور انوکھ ہزار  
 دیکھ کر کسی سے لہارت دل برداشتہ ہو گئے تھے جس  
 نے انہیں صوبہ خٹا کا حوالہ دیا تھا کہ دے دی۔  
 دہا دہا ہزار اکبر خان اس وقت کے دہا عظیم  
 لیاقت علی خان سے بھی مخرب ہو گئے۔ اکبر خان  
 نہایت پکھانہ گنیز اور انہیں پڑھت کے مانگ تھے  
 انہوں نے حکومت کو ہزار کرنے کے منصوبے جانے

کتابت شد در روز ۱۳۰۲/۱۲/۱۳ در محضر دادگاه

# REGISTER OF

Name		Age		Religion		Occupation		Date of Birth		Date of Arrest		Place of Birth		Place of Arrest		Date of Release		Place of Release	
[Handwritten Name]		[Handwritten Age]		[Handwritten Religion]		[Handwritten Occupation]		[Handwritten Date of Birth]		[Handwritten Date of Arrest]		[Handwritten Place of Birth]		[Handwritten Place of Arrest]		[Handwritten Date of Release]		[Handwritten Place of Release]	
[Handwritten Name]		[Handwritten Age]		[Handwritten Religion]		[Handwritten Occupation]		[Handwritten Date of Birth]		[Handwritten Date of Arrest]		[Handwritten Place of Birth]		[Handwritten Place of Arrest]		[Handwritten Date of Release]		[Handwritten Place of Release]	
[Handwritten Name]		[Handwritten Age]		[Handwritten Religion]		[Handwritten Occupation]		[Handwritten Date of Birth]		[Handwritten Date of Arrest]		[Handwritten Place of Birth]		[Handwritten Place of Arrest]		[Handwritten Date of Release]		[Handwritten Place of Release]	
[Handwritten Name]		[Handwritten Age]		[Handwritten Religion]		[Handwritten Occupation]		[Handwritten Date of Birth]		[Handwritten Date of Arrest]		[Handwritten Place of Birth]		[Handwritten Place of Arrest]		[Handwritten Date of Release]		[Handwritten Place of Release]	

# CONVICTED PRISONERS

Name		Age		Religion		Occupation		Date of Birth		Date of Arrest		Place of Birth		Place of Arrest		Date of Release		Place of Release	
[Handwritten Name]		[Handwritten Age]		[Handwritten Religion]		[Handwritten Occupation]		[Handwritten Date of Birth]		[Handwritten Date of Arrest]		[Handwritten Place of Birth]		[Handwritten Place of Arrest]		[Handwritten Date of Release]		[Handwritten Place of Release]	
[Handwritten Name]		[Handwritten Age]		[Handwritten Religion]		[Handwritten Occupation]		[Handwritten Date of Birth]		[Handwritten Date of Arrest]		[Handwritten Place of Birth]		[Handwritten Place of Arrest]		[Handwritten Date of Release]		[Handwritten Place of Release]	
[Handwritten Name]		[Handwritten Age]		[Handwritten Religion]		[Handwritten Occupation]		[Handwritten Date of Birth]		[Handwritten Date of Arrest]		[Handwritten Place of Birth]		[Handwritten Place of Arrest]		[Handwritten Date of Release]		[Handwritten Place of Release]	
[Handwritten Name]		[Handwritten Age]		[Handwritten Religion]		[Handwritten Occupation]		[Handwritten Date of Birth]		[Handwritten Date of Arrest]		[Handwritten Place of Birth]		[Handwritten Place of Arrest]		[Handwritten Date of Release]		[Handwritten Place of Release]	





کی تھی لیکن میں تو شاید ان عمر میں اس بارہ عمر میں  
پھر کچھ تھا اور فطرت صاحب پاس سرگروں کا پورا وہ  
راکھ میں تھوڑی کر کے ہی دم پتے تھے۔ امیر ہونے  
سے پہلے میں سے اکثر فکدہ بھی اور ہر سے بھی  
کبھی فطرت کے پاتے تھے ہم میں دو جیس صوفی بھی تھے  
ایک ایسے فن تھے جنہیں دلائل کہا جاسکتا تھا "نہن"  
لیٹینٹ کون فید اللہ ہی "نہن کا دہی پھیلے سال ہی  
83 ہجری کی عمر میں انتقال ہوا۔ یہ حضرت سرہن کے  
دوران وفات کا نام کہ جس کی پرچس مانتے تھے کہ ایک  
دو کھینے چم اٹھا جاتے تھے "ہمرا آدم سے رات کا کھانا  
کھا تے تھے۔ فطرت صاحب کا لہجہ بھی بیٹے دالوں میں  
ہوتا تھا "لیکن عمر کے بات پر جب کہ وہ واقعہ  
کئے اور چنے کو فطرت کی تو ان کا ہاں بھی بچا نہیں  
ہوا!!! ایک لڑکھیلے بھی اس بارہ میں پریشان نہیں  
ہوئے تھے ایک شخص نے ذکر کیا تو کھینے کے لئے  
بھائی فطرت ہی تو سبکی لگا پاتے تھے نہیں فطرت ہی کوئی  
فرق نہیں پڑتا۔ "نہن میں ہار ہری بھر ایک کے  
بڑے آدم سے گدوڑے بھڑی ہیں اور فطرت  
بھی چسکی کی حد کے بغیر گفتگو کی تھیں۔ میرے  
استعداد پر فطرت نے ایک دن کہا کہ "ٹامری کرنے  
کیلئے شراب کی مطلق ضرورت نہیں بلکہ چائی ہوئی د  
حاصل آدمی بھر کھا سکتا ہے۔ شراب تو بھی حیات  
سے یکدہ کیلئے نجات حاصل کر سکتا اور یہ ہے۔"  
فطرت اور فطرت کو ہم نے نہن میں "کالی" کا  
مخلص تھا کیا تھا جوان کی خصلت کے میں مطابق تھا۔  
دور کا مہنہ نیت سلسلہ میں کرتے تھے۔ شہر کا رہا ہوا  
اب اس پیرا پیرا چل بڈی کرتی ہوا "مظفر آباد رکھا اور اعظم  
کھنڈ فطرت صاحب اس حوالے پر پہنچے سے قائم تھے کہ  
"کچھ بچے سو جاتا ہوا اٹھیاں یادداشت سے انہوں نے  
عمر بھر احتیاط ہی کیا "م آدم نہن کے اندر تو وہ ان  
مظفر صاحب "میں بھی شامل ہیں ہوئے۔ ہمارے دارا

تھکی "سراٹے" کے اماٹے میں نکل جانوں نے  
 خط لکھا "ایک ٹیسی اور دو ہالی کپٹے کا بندہ دستہ کر  
 دیا تھا۔ ہم میں سے ڈاکٹر لوگ ان کپٹوں میں بڑے  
 جھٹل و طوفان سے صدمہ لیتے تھے، لیکن فحش صاحب  
 (اور سید جہاںگیر بھی) آرام کر رہی تھیں، سے چند  
 سگرتے ملا لیتے اور دھڑی سے ذیل ان "کوڑ" کو  
 "شو" کے کلمات کبیر کر کھینچے، دھواں کی جھول افروغ  
 کر لے کر اٹھ کر گئے۔ پارلوں کے لئے بہت دھواں کی  
 کمان دوڑا دی کہ افروغی چلتی جائے اور یہاں کا دار  
 میں لایا جائے لیکن "تیس صدمہ نہ جہد گلی شو" کے  
 متو لے کر مل کر گئے تو نے فحش کو دھواں کھینچنے کی  
 کا پادشہی ترک نہیں کی۔ فحش صاحب کو اپنی افروغی  
 کھینچنے سے پہلے ہی "تیس کپٹے کے انداز میں کتب  
 پڑا دی تھیں فحش اور بیٹھ بیٹھ اسٹیج پر گیتے  
 لیلیک سے گفتگو کیا جاتے تھے "پڑا دی ہارنے کے  
 بعد سوزا مارا گئے" "پہلا کپٹہ ہار گیا"۔  
 "شعری میں" "آؤ" کے فحش بہت حاشہ لیکن  
 اس کا بھی مظاہرہ چند آباد نیکوں میں دکھائی دیا۔ وہ  
 فحش صاحب لکھتی کے گل سے گزرتے تو میں فوراً  
 یہ بل جاتا کہ فزول ڈالیم میں رہی جہ فحش  
 "آؤ" کے اماٹے میں ٹپٹے نظر آتے "سوچوں میں  
 فرق کسی سے واحد نہیں تھا اپنی کوئی کے بعد  
 دایں چلے جاتے "بہار پر بڑے سے کاغذ پر لکھتے  
 "ہر زمانہ میں آتے آتے ہر دھڑا کرتے" یہ لکھنے کا  
 عالم ہوتا "سگرتے ملائے تھی گاتے" "دو ٹیسی کے  
 کچھ فروغے پڑا دے" "بہار سگرتے بیک دے"  
 کوئی میں دایں چلے جاتے "کسی پر بیٹھے ایک جا  
 سگرتے نہ نکال لیتے" "لکھتے تھی بڑی سے" "بہار سوچنے  
 کا جاتے۔

یہ "آد" کا مقرر محدود پارکوں کی آٹھوں کے  
ساتھ ملتا ہوا۔ جب نزل (یا نظم) مکمل ہو جاتی تو

فیض صاحب باہل پر سکون ہو جاتے۔ جس طرح  
دوست اپنے کو غم مرنے کے بعد گھس سے آزاد ہو کر  
آرام اور سکون سے لیٹ جاتی ہے۔ فیض صاحب  
اپنے تحقیقی عمل سے تاریخ کو کھنکراتے ہوئے سکون  
سے ہنسیں لاتے اور سب بارگاہِ خود جانتے ہوئے  
ان کو کھیرے میں لے جاتے۔ ہر طرف سے اپنے کو  
دیکھنے کی لڑائی ہوتی۔ اور ہر جگہ جلی بغض و عداوت  
سوسنے کی پیر جھل پڑتی رہتی ہے۔ اور کہتے "اسرائیل کیا  
ہے؟"

**WILLIAM**



طریقہ تفویضی اختیار کیا جائے گا۔

www.bceh.org.uk

والہی! میں بڑا غلطی صیب تھا کہ ”وہ سب“ اور ”وہ تمام نامہ“ کی دو جگہوں پر غلطی ہو گئی تھی کہ اس عبارت سے جھگڑا ہوئے دیکھا ”اور انہیں شام کی گواہی سے کوئی وارنٹیل کے برآمدے یا سہارے میں دفن کر



ایک لفظ بھی نہ لیجئے۔ جب "گوست مین" سچے سچے اور کتاب کی کڑواں بھٹی میں بیٹھیں تو میں نے سوچ کیا کہ اس پر اشتباہ درج ہے۔ "گھوم کے گھوم"۔ "دل میں کھٹکی لگی کہ جتنی یہ گھوم سکا ہے۔" "تو دل سے بھلی بات کہہ کر کیا تو دل لگے۔" "ساتھ میں سے چرچا نہ کی کہ کچھ معلوم نہ تھا کہ گھوم کو نہ سستی ہیں ایک شخص کی فکر تو ہم دونوں میں بھیل گئی۔ دل میں لگے ہوئے پہلے گھوم رہے۔ جس قانون کا کام ہے جیسا فلسفہ صاحب کی کوئی خاص بیانی ہو گی۔" "فلسفہ خواجه میں بہت شبہ ہے۔ جس لکس اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی بے ہوش یا افسانہ نویس (Don)

(Juan) آپ کے مراد ہے۔ تاہم اس کی علامت  
خود بخود ایک لفظ کی طرف مائل نہ ہو سکتی

دوست فطرتی دنیاوی طور پر کلمہ حق پر آمادہ قلب ہے اور  
میراثی کے پیچھے وہ زمانہ کی طبیعت کے عین برعکس  
تجربہ جہل خاص

ہو گا کسی دیوار کے سامنے کے جسے تر  
کیا کام محبت سے اس آدمی طلب کیا  
لیکن فطرتی خواہش کا تقاب و جگہ نہ کرتے  
ہوں! خواہشیں ضرور ای کا چھڑا کرتی تھیں اور فطرت تو  
بلا سہذا و دھڑ سے کرتی تھیں اور شاعر آزاد و انوی  
انسانی ہوتا ہے اگر اس میں انکسار ہو گا تو یہ ای کا  
راہ عمل ہو گا۔ جیتا فطرت کی محبت ای کی نہایت تھیں اور وہ  
شعور تھیں مگر تو آپ نے فرمایا کہ

عر کے ہر دشت پہ دل کو نظر  
بھری مرد و دفا کے باب آئے

بات یہ کہ وہ صاحب میں پڑی تھیں تو کہہ کر دیا  
تھا "دست مہا" کا جس پر "فکرم کے نام" کے  
انتساب نے فطرت کے تمام ماحصلوں کو ایک مضطرب  
میں جھکا کر دیا تھا کہ اسطورہ صاحب پر فکرم بی بی کوئی  
ہے "فطرت صاحب نے کی دلی تک مجھے اور دیگر  
ایسے ہی محترم کو متروک رہا کی حالت میں انکا سے رکھا اور  
آفرایک روز یہ اعتراف کیا کہ فکرم تو ماحصل ان کی  
زہر محترم اس کا اسلامی نام ہے "اس پر سب اہل  
دل کو شہدہ پا چکی ہوئی اور رازک پہ کہتے تھے کہ یہ  
کہ فطرت نے تو مزہ بازی کر کر کر دیا۔ فطرت صاحبہ کی  
پا چکی یہ کہ بہت محفوظ ہو رہے تھے اور فطرت میں کہہ  
رہے تھے کہ "تجربہ کیا اٹھا زمانہ ہے" شاعرانی چلی  
کے ہم انتساب کے ساتھ باسیت بھیل جاتی ہے سب  
باسطول کی چھوٹی کوشش میں ہیں "ہم سب فطرت  
صاحبہ کی اس شرارت پر کی دلی تک خبردار کرتے  
ہے۔

فطرت صاحب کا چوبیسویں سے اسیا "نیل میں  
ایک دوسرے پر پانی پیچھے کا مسرکہ اور دیگر کی لپ

کہو نیکیا بلکہ یہ کہانہ لکھ لو گا کہ اس سے حاصل کے  
کے فطرتی بدولت میں نے زندگی کے ایک نام ترپار  
پر لکھ لکھ میں گزارے۔

دعوت دل کا کہو شہر نہیں جھوٹی کا کیا کھو کیجئے  
راہ لپٹنی "مستورہ سلاش" کے 15 سیرنگلی  
چار دہائیوں میں ایک ایک کر کے خالق فطرتی سے جا  
ٹے ہیں صرف یہ شہدہ تاج بی بی رہ گیا ہے آگ  
مٹی میں میری عمر 75 برس ہو جانے کی اور مجھے مشہور  
ایرہہ میریل سپارک (Muriel Spark) کے  
یہ شعر سہوا آ رہے ہیں۔

"70 سال کی عمر کے بعد میں محسوس ہوتا ہے  
کہ آپ کی جگہ میں شامل ہیں! آپ کے تمام  
دوست مر چکے ہیں یا مر رہے ہیں" اور آپ مرنے  
والوں کے وہاں مہمان جگہ میں کڑے شام  
کہتے ہیں۔"

تجربہ جہل فرانسیسی ایک سویری لکھنے  
(Maurice Chevalier) "جہل صورت  
سے جہل کا علی ترجیح ہے۔"

(I prefer old age to the alternative)  
☆☆☆

دعوت کا ذکر و شہر اپنی کتاب "زندگی زندگیاں دلی کا  
نام ہے" میں کر چکا ہیں اس لئے اس قصوں کو اس شعر  
سے مضمون میں دہرا دیکھا ہے۔ آخر میں میں یہ کہنا  
محتاج لکھوں گا کہ فطرت اور فطرتی حیثیت شاعر کو بلند  
قرینہ مقام پر ہیں مگر بطور انسان مگر وہ بہت ہی  
لوٹنے آدمی تھے۔ بر خاص و عام کے ساتھ ہیوٹ  
شفقت اور محبت سے فطرتی آئے۔ فطرت کی چار دہائی  
میں مجھوں نے ہونے سے جو فطرت پیدا ہوئی ہے اس کے  
پاؤں فطرت کے مزاج میں بھی چڑچاڑی ہو کر نہیں  
ہو رہی ہے یہ ابھی دیکھا کہ وہ اکثر لوگوں کی تعریف  
ہی کرتے تھے اور شاعر ہوتی ہی کو برا کہتے۔ کسی سے  
بہت باغی ہو سکتے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیا کہ "وہ  
بہت پاؤں ہے" یا "وہ تراحتی ہے" یا کوئی اور بات  
مظہر ماحتملہ۔ فطرتی ہم فطرتی اور دلی فطرت کی وجہ  
سے فطرت اور فطرت اور سیدہ لکھوں میں بہت کھڑی دلی  
فطرتی اور سیدہ صاحبہ کی فطرتی ہی کی طرف فطرت سے  
حران کے "پر سکون" عمر میں مری انسانی تھے۔ جب  
دلیوں میں چھپتے تو فطرتی بہت فطرتی فطرت اور چنگ  
بازی کے ساتھ بہت دلی راز کی فطرتی اور دلی فطرتی  
ہوتی تھی جس سے دیگر اسباب مستحیہ ہوتے تھے۔ کم  
در کم میں نے تو ان دونوں حضرات کی محبت میں بہت

نہر با جنوں رنغ و فدا یہ دین یہ دار کرو گے کیا  
جنہیں جرم عشق پہ ناز تھا وہ کجا بکار چلے مجھے









## خواب کا نقش

مجھے یاد ہے، نقش صاحب کہا کرتے تھے۔  
”جب ہم قید تھائی کاف، ہے تھے تو پھر سے ہمارے  
ذہنی قحطی کی وہ دردناک کام ہمیں گھملا گئے۔ سٹری  
پارٹنگ کا بھی چاکنا تو میرے کپڑے لے جاتا لیکن جب اس  
کا مٹی نہ ملے تو مزید بھڑک کر کھڑا ہو جاتا۔ ہم اس  
پھر سے دکان کی طرف گئے تھے اس کی طرف  
بڑھ کر بھڑک کر چلے جاتے تھے اس کی طرف  
مصلحت چاہتی ہو کہ کہ یہ میں تو قحطی میں ہی تھیں  
یہاں تو تھے اسے اسے اسے اسے اس کی طرف  
برداشتہ دکان کے اوپر اسے اسے اسے اس کی طرف  
دوسرے نوک اپنے کمرے کے نقش ماحول میں لگا  
پر چڑھ کر دکان کے اوپر اسے اسے اسے اس کی طرف  
ہمیں بھی دکان لانا کیسے؟

اتنے مجرور کہ وہ Conviction دالے ہی  
تھا کہ سچے ہیں کیونکہ حجت کی پہلی انسان کو طاقت  
ملتی ہے۔ نقش صاحب کو ان سے اتنی محبت تھی کہ  
اسی محبت نے اسے انکار دیا کہ اس میں ان پر  
نیل ملے گی۔ بقول انہی کے کہ وہ بدھی ان کتاب  
کا سر پرست ہے۔ نقش صاحب کو اس طرح کا طالعہ و من  
طیرت سے زیادہ انہوں نے محبت تھی۔ وہ سستی  
و دلائی کے وہ دکان کی یاد کرتے ہیں۔ چاندنی پر وہ  
اور کابے کات کے گھر پر رہتی تھی انہیں ایک سر  
میں جتا کر رہتی ہے۔ وہ چاندنی کی ہی ہر رات میں  
کو کہہ سکتے ہیں جو صبح ہونے کی طرف صبا کی خوش  
دینے۔ وہ اصل نقش صاحب نے زندگی کے پہلو

کے ساتھ ان کی شخصیت بھی اپنی ہی طرح رہی۔  
نقش کی سمیت میں انسان جو سچے کے طرح  
نکھ کر پرمیہ رہتا ہے اور منزل کی جدوجہد سے لڑتا  
رہتا ہے۔ نقش صاحب نے ایک پر خوب زندگی  
گزارتے ہوئے بھی ہر جگہ ایک کوئی سرگرمی کو  
اپنے پیر کے کی زندگی جانتے رکھا۔ لیکن اسے محبت  
تھا اور جب قسم کی قسمت نے کر آیا تھا، لیکن اسے محبت  
اور دھام دھول کا ایک وقت سامنا تھا۔ انہوں صاحب  
کے عہد میں حالی، اپنی کتابوں کی وجہ سے نقش  
صاحب کو لیکن انہوں کی دکان کا مطالعہ اور پارک  
میں بھی مشرقی پاکستان حالی اپنی سیاسی اور فنی  
دکان کی وجہ سے ملتا ہوا۔ لیکن انہوں نے نقش  
صاحب کو گوارا کیا ہوا رہا ہے کہ وہ سب دکان کی وجہ  
سے جوا اور حرام کیا ہے۔ ایک مصمم سامان اور  
انسانیت کی برائی کا خواب دیکھ رہا کہ کمزور کا سر  
ہی اس کا ہے مصمم ایک آزاری کرنے کے قریب کہ وہ  
کے اور طرہ صورت مگر کی امید میں لڑتا رہے۔ لیکن  
انہیں جو انشور دلاتے ہیں لیکن ان کو یہ کامیاب ہو جاتی  
ہے۔

نقش صاحب بہت ڈاکٹر کا صبر انسان تھے۔  
انہیں ہر حال میں صبر کا مظاہرہ کرنا آتا تھا۔ نقش میں  
ہی کوئی یہ دانتیں۔  
حیران اور اغمم چمن کی تو کیا ظم ہے  
کہ غم میں دل میں ڈوبتی ہیں انہیں میں نے  
لوں پر صبر کی ہے تو کیا کہ دکانی ہے  
ہر ایک عقدہ و فکر میں زبان میں لے

آپ کا سجادہ نے بھٹون کے  
یاد رکھا کہ میں نے نقش صاحب کے حوالے سے کہ  
یاد میں ”ناٹو“ کے ناظرین کے ساتھ Share کرنی  
تھی۔ اس سے پہلے سجادہ حضور صاحب کے دوش سے  
قادیانی صاحب نے فون کیا تھا۔ میں نے فون کسم میں  
خبر دیکھ کر دیکھ کر ہاشی کو روک دیا تھا۔ دے نقش  
صاحب کے معلق تو آپ مجھ سے بھی کہتے اور میں  
سہ تکان دل کھن ہوں۔ شاید وقت کی رفتار اچھم جائے  
میں جس شکست تھی۔

نقش صاحب کے ساتھ میرا دشتی اپنی میں کا  
دافنی کوئی نام نہیں تھا۔ عمر ان کا حکمت اپنی جگہ۔  
لیکن ایک لیج قسم کے اسرار تھے۔ میں صرف  
اپنی بات کہوں گی۔ نقش صاحب کے حوالے سے  
دوسرے اسباب جائیں یا نقش مرحوم خود جائیں گے  
نقش صاحب میں ایک شکل گھسیر اور پٹلوں انسان  
ملے۔ ایسا جس سے سب کو Share کیا جاسکتا تھا۔  
میرے بچوں کے ساتھ ہیں اور کوئی ایسا مسئلہ  
میں مل کر نہ سکوں۔ میں نقش صاحب سے بات کر اور  
وہ ملے۔ شاید محبت اور عقیدت مل جائیں تو اس میں  
سے پناہ طاقت آ جاتی ہے۔ چہاں میں اس صداقت  
ہو تو ایسے شے آپ کی تعریف کا باعث بنے ہیں۔

نقش صاحب کی خاموشی اور صاف صاف لپٹا دیہ  
اعتراف چاہیں۔ میں تو نقش کی خاموشی کی خوشگامی میں  
اجا کھمیں کرتی ہوں کہ ان کا شعر گھر پر جب  
کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ نقش صاحب کی خاموشی



اٹھنے کا کوئی دیکھا جاتا تھا۔ اس مسئلہ انہوں نے  
 واسطہ دیا۔ اسی لئے تو تعلق انہوں نے انہیں صوفی کا  
 خطاب دیا ہے۔ کوئی مسکراہٹ لئے ہوئے اپنی  
 نشست پر ٹھانٹہ دے کر گویا کہ انتساب کی دوا پال دیا  
 وہ شاعر تھا اس نے شاعری کے ذریعہ جو کیا سو کیا اپنی  
 شخصیت کا بھی اظہار کیا۔ 79ء میں میں اپنے  
 بچوں "ڈاکٹر خلیل اور ڈاکٹر نجم کے ساتھ لندن گئی،  
 فنلینڈ صاحب ہذا فنلینڈ کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان  
 دنوں وہ وہاں میں تھے، میں نے لندن چاہتے جاتے  
 انہیں دیکھا، ایک شمس الدین چارہ میں ہوں میری خوشی کی  
 دلچسپی نہ رہی وہاں فنلینڈ صاحب کی طرف سے تار کار  
 میں خدایں تار تار کو کھینچ رہا ہوں۔ فنلینڈ صاحب لندن  
 آئے مگر ہم تیس "میں" ڈاکٹر خلیل اور فنلینڈ  
 صاحب آئرلینڈ چلے گئے کیونکہ ان دنوں لندن سب  
 جادوئی ساحلوں کا گڑھا تھا۔ ویسے لندن  
 کی کھانا بھی جادوؤں کے لئے بہت سکون فراہم کر  
 دیتا ہے۔ کبھی "بکھڑے لوگ" لندن میں اپنے دن  
 گزارتے ہیں۔ ہاں تو ہم تیس اسی کے آئرلینڈ چلے  
 گئے تاکہ خلیل کیلئے آئرلینڈ میں کوئی چاہ و صوفی  
 نہ ہو سکوں۔ ہاں میں فنلینڈ صاحب نے  
 حقیقہ جانوہری مرحوم کے حلقے بہت سے اپنے  
 انکشافات کے جو کہ پاکستان میں ہوئے تو کبھی نہ  
 کرتے "وراصل فنلینڈ صاحب پر مٹھن کی سلاٹ کی  
 حفاظت کیا کرتے تھے۔ شاید میرے ساتھ ان کے  
 Share کر لینے کا انہیں یقین کامل تھا کہ میں ان  
 کے اقتدار کو دھوکا نہیں دوں گی جیسا کہ وہ انہیں ایک  
 کسٹ cassette میں ایک نیک میرے پاس محفوظ  
 ہیں۔ شیخ داراستہ تھے حقیقہ جانوہری مرحوم نے  
 سلسلہ دار فنلینڈ کے خلاف "سارہ ڈاؤن کسٹ" میں لکھا  
 شروع کیا۔ فنلینڈ صاحب نے پلٹ کر جواب نہیں  
 دیا۔ اب اہانت ہالی، وہ اپنی ہی میں مشاعرہ تھا جس  
 میں حقیقہ جانوہری نے تو سورج دیا ہی تھا، مجھے یاد

ہے فنلینڈ صاحب کہنے لگے "آؤ کہیں چائے پیتے ہیں  
 تاکہ میں سے ہوا کی اور چپ چاپ خود ہی میں  
 میں مشاعرہ نہ کرنا چاہوں۔ میں لکھ چاہتا کہ میری  
 موجودگی حقیقہ صاحب کو پریشان کر دے۔" 82ء  
 طرف عام انسان میں کہاں ہوتا ہے۔ لیکن  
 اسی کی ایک جہت سے چاہتا تھا کہ یہ لکھ لکھیں  
 دہشتہ تھے

کبھی ان یقیناً کسی سانسے والے راجاں  
 پہلی پہلی اچانک انہیں انسان کو بڑا دانتی ہیں  
 اور بڑا ہی مہولہ سے ٹکس بلکہ لوگوں کے دلوں میں  
 گھر کرنے سے ملتا ہے۔ ایک دفعہ میں نے فنلینڈ  
 صاحب کیلئے P.I.A. والوں کی محبت کا مظاہرہ دیکھا  
 ہوا میں کہ فنلینڈ صاحب مجھے 90ء کے ہاگے تیار ہو کر  
 مجھ سے کہنے لگے "مجھے بہت برا ہوا میں بیٹے میرا  
 جہاز لاہور ہانے کا اور کیا ہو بیٹے میری بہت اہم  
 بیٹنگ ہے، اب تم مجھے جلدی سے لیٹر پوسٹ بھجوا  
 دو۔" ان دنوں میں دہشتہ مشین تھی۔ گاڑی  
 میں فنلینڈ صاحب کا کچھ نہیں، کچھ گاڑی کو دراتے  
 ہوئے میں ان کی پوسٹ بھجلی تو جہاز کی بیڑی پٹائی جا  
 رہی تھی، اب کیا ہو؟ میں اور فنلینڈ صاحب دونوں  
 حیران کھڑے ہو کر رہے ہیں۔ "مجھے نہیں ضرور لاہور  
 پہنچا ہے، دوسری قافلت کیلئے میں کہہ کر لاؤ" آپ 50  
 روپے دے دیجئے آپ کو اگلی قافلت سے لاہور لگوا  
 دیں گے۔ (ان دنوں لاہور کی گلیت سورہ پے تھی)  
 فنلینڈ صاحب نے بلا جہت 50 روپے اس کے حوالے  
 کئے کہ وہ وہاں کڑے تھے کہ ایک ہاتھ سے ایک  
 پانی آئی اسے کہہ افسر پار کیا "فنلینڈ صاحب آپ کیا  
 ہوا؟ آپ اتنا آجئے" اور جلدی سے چائے کا آزار  
 دیا۔ اور فراموشی 50 روپے کا کارڈ بھی کر دئے۔ فنلینڈ  
 صاحب آپ کو دہ کر کے کاغذ سے کچھ نہیں آپ  
 سے آکر کر لے لے کاغذ نہیں کہ آپ فنلینڈ صاحب  
 ہیں۔" وہ صاحب ڈا ہا میرے تو فنلینڈ صاحب اس  
 فنلینڈ کی محبت کو محسوس کرتے ہوئے بہت ہی محسوس

تھے۔  
 "تو کچھ بھی پوچھنا محبت تم لوگ ہم سے کرتے  
 ہو ہم تو جڑیں ہیں نہ ہی مشاعرہ نہ ہی کوئی پورا  
 کر سکتے۔ مگر ہم لکھ کر دے تو کس بات کا کریں۔ تم  
 لوگوں کی محبت سے تو جنت اس دنیا میں ہی دیکھا  
 رہی۔"

میں سوچتی ہوں فنلینڈ کا چاند ہر پڑے آتی کا  
 کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ فنلینڈ صاحب کو وہ چائے اور  
 بکاس دے بہت خوشی دے گئے کیونکہ خوشی اور  
 قیامت کا چوٹی دامن کا ساتھ ہے اب ہم کا خدو  
 ہے 80ء کے بعد سے تو ہم لوگوں میں قیامت ہامی  
 شے رہی ہی نہیں، جب قسم کی ہوں اور لکھنے نے ہر گھر  
 میں ڈا ہا اڈال لیا ہے۔ شاید چند لوگ ایسے ہوں لیکن  
 میں قیامتہ لوگوں سے کرم ہوں۔

میں فنلینڈ صاحب کو اس لئے بھی یاد  
 admire کرتی ہوں کہ ان کو میں نے بہت سے  
 لوگوں سے بہت ہی مختلف پایا۔ اظ کے کرم سے  
 پاکستان کے تقریباً کبھی دانشوروں سے میری صاحب  
 سلامت رہی ہے صاحب بھی ہے۔ اس لئے مجھے  
 موازہ کرنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ کبھی لوگ  
 اظ کے ہیں لیکن وہ سب سے الگ اور سب سے مختلف  
 تھے اور شاید ان میں کوئی اس صدی میں پیدا ہوا ہے  
 تو ہو جائے۔ کبھی صدی جس کی صدی ہے، طائر  
 اقبال اپنی جگہ لیکن فنلینڈ صاحب میں فنلینڈ صاحب ہی  
 ہیں۔ میری یاد دہانے سے اور ہر کی گارڈ دینے کا  
 حق ہے۔ تو جہاں تک فنلینڈ کی شاعری کا شعور ہونا  
 چاہیے کہ یہ قیامت کی اہم ضرورت ہے۔

☆ ☆ ☆





آخر ایک روز میں نے بہت کی اور خانہ صاحب کے تمام محمود ہائے کام نے کر فیل صاحب کی خدمت میں لٹا کر کہا کہ وہ اپنی زبان میں مدعا بیان کیا "میں اس خبر کا کافی مدعا ہوں۔ میری ملازمت اور اعزاز یہ کہ معاف ہے۔ آپ اس کے لئے پیغام مرحمت فرمادیں۔"

وہ ان کو چپ رہے۔ میں بھی حاضری سے اٹھ آیا۔ یہ افسوس ہو رہا تھا کہ اس بار فیل صاحب کی زبان پر "نہیں" ہوگا۔

بلکہ عذر کے بعد فیل صاحب کا پیغام مل گیا کہ جب پہنچا تو "مخدعہ خراج خانہ گز" کے لئے انہوں نے اپنا پیغام تھما دیا۔ مجھے مسرت بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ اسارت اس بات پر کہ میری ملازمت ہو گئی۔ حیرت اس امر پر کہ فیل صاحب کو اپنے بارگاہی اصول و نظریے کے کٹر پابن بن کر خانہ گز جیسے سماوی غریبات دیکھنے والے شاعر کے لئے اپنی انگریز جیسے کہو۔

فیل صاحب کی وسالت سے مجھے ریاض پاکستان سے مستقل پرگرام مل رہا تھا اس طرح میری حالت تسخیل گئی۔ چونکہ کوئی مستقل ملازمت نہیں تھی اس لئے میں نے ملت روزہ "انجیل" جہاں میں خلیفہ کے لئے "گوئی" کے نام سے قلم دار بدل لکھنا شروع کیا۔ جب اس کی چوبیس فیسیں چھپ گئیں تو انہیں اتنی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ ہوا۔ سوچا اس پر کیا کہ "فیل لکھا" ہونا چاہیے۔ میرے لئے فیل صاحب سے بڑا کہہ کر ان کو سنا تھا۔ چنانچہ مسودہ عمل میں رہا ہے ان کے پاس لٹکا ہوا اور اظہار دیا گیا۔ انہوں نے اسے دکھایا اور کہنے لگے کہ "پہلے چھپاؤں پھر لکھوں گا" مجھے فیل صاحب کی یہ گفتگوں کہ بڑا مسرت ہوئی وہ بیان نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ میں نے یہ سوچا بھی تھا کہ میری دینی ہی

قریرت کے عظیم اثر کی انکسار سے گزرنے کی۔ یہاں شاعر جس نے اندیشہ داری کے حصار کے کٹر موز کر رکھا "جس کی اپنی کتابیات ادبی کی بے شمار زبانوں میں ترجمہ ہو کر طرزی افسانے حاصل کر چکی ہیں۔ جس کے علم و فضل کا یہ عالم ہے کہ سر سید احمد خان کی قائم کردہ دینی کتب خانہ خیراتی کی داس ہاٹری تک فیل کی لگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس روز ہزاروں دینی کے بارگاہ میں دینی قسمت پر تازاں تھا۔

جب کہ لکھنے گزر میں نے فیل صاحب کے مگروں کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ کالی جاچکے ہیں۔ میں بھی دین لٹکا لٹکا کر دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہی دن بعد فیل صاحب طلبہ رنگہ کی فیکلٹی ڈائج کر کے ہونے کا پیچھے۔ جب وہ گاڑی سے پار آئے تو میں پر کیا کہ حیران رہ گیا کہ میرے چال کا مسودہ عمل میں داسا ہے آپ آ رہے تھے۔ مجھ کو کراہتا ہے کہ کہنے لگے کہ "پر مسئلہ میرے ساتھ رہتا ہے۔" پھر اپنی میں آئے کے بعد انہوں نے سکرٹن سلگنا پکے پکے نکل لئے پھر اپنے اظہار اور پھر بہت ہی خصوصیت سا "فیل لکھا" کہہ دیا۔

اس واقعہ کے بعد ہی میرے بعد فیل صاحب کا قلم فیل کا قیام عمل میں آیا۔ میرے دوست کہم فرما بناب ان اشعار کے مجھے کہا کہ میں اس دور سے کے سربراہ کی کمی مسجد صاحب سے ملاقات کروں۔ جب میں صوف کے پاس پہنچا تو ان سے میرا احوال ہوا تو میں نے چپ چاپ "گوئی" کا مسودہ کے چھاپا دیا۔ جیسے ہی انہوں نے دینی لکھا فیل صاحب فیل کے ہاتھ کا لکھا اور "فیل لکھا" تقریر آپ انہوں نے اسے چھاپا اور اسی وقت مجھے قلم خان میں ملازمت دے دی اور یہ بھی طے کیا کہ یہ ہلال ای ہمارے سے شائع ہوگا۔ فیل صاحب کا لکھا ہوا "فیل لکھا" ان کی اپنی

فیل میں شامل شدت سے کہ فیل صاحب کے ہی "فیل لکھا" نے مجھے قلم خان میں ملازمت دلا دی۔

ابا کہنے کے بعد میں سوچ رہا ہوں کہ فیل صاحب کی شاعری کا تو چہرہ پر کاڑا مسودہ ہے لیکن مجھ جیسے جن محنت افراد کی تلاش و بیود کے لئے "سماوی احکام" کے لئے فیل صاحب و ملازمت کے لئے وہ پچھلے پچھلے جو کہانے سے انجان رہتے رہے ہیں ان کا ریکارڈ تو مٹا دیا کہ اس کی بھی سوجھ بوجھ کا ایک ایک ایسا ریکارڈ ہے جو ان کی شاعری سے بھی زیادہ اہم اور قابل ہے اور ان ریکارڈ نے انہیں دینا کا عظیم فائدہ دیا۔

فروری 1984ء میں جبکہ میں سعودی عرب میں عظیم خانہ گز سے سبز و سوسہ اور عربی زبان کے چھوٹے موزہ اور گلی لے لکھ رہے تھا کہ "میں فیل صاحب کی بہت قدر کرتا ہوں۔ یہ صرف شاعری ہی نہیں "انسانیت کا افسانہ ہے۔ جو کسی کے لئے رہتا ہے تو کسی کا دکھ اس کے پیچھے میں موجود ہے۔ میں اس سے بہت شگاہ پکارتا ہوں۔ بہت ہی بھلا انسان ہے۔"

یہ بھلا انسان جس کی ام نے بی بی گلو پر قلم دیا جس کی "بہت" کے لئے ہم سے رخصت ہو گیا۔ پچھلے سالے فیل صاحب کے لئے یہ شعر کہا تھا۔

ابا کہ سافر بھی ملازمت نہ ہوا یا رہے ساتھ ساتھ جانتے ہیں، فیل تری آباد رہے

☆ ☆ ☆



سے شائع ہو چکی مثال ہیں۔ لیکن کونجی میں سوشل  
 عام انداز میں لکھا گیا جہاں انہوں نے مولوی محمد  
 ابراہیم کھٹائی سے قرآن شریف پر حواہی و تفسیر میں  
 میر حسن کے شاگرد ہے۔ 1927ء میں سلاطین  
 اسکول سے میٹرک اور 1929ء میں مرہٹے کالج  
 سیالکوٹ سے ایف۔ اے پاس کیا۔ لیکن کوئی دنوں  
 مولوی میر حسن سے مرلی پڑھنے کا موقع ملا چنگر مرلی  
 ان کے منتخب مضامین میں شائع تھا۔ جب وہ  
 گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہونے لگے تو اس  
 موقع پر انہیں علامہ اقبال کی تالیف و تصانیف حاصل  
 تھیں۔ علامہ کا مطالعہ کر کے وہ کالج گئے۔ داخل ہوئے  
 1931ء میں ان کے اساتذہ کے ساتھ ملی۔ اسے پاس کیا اور  
 عربی میں آنرز کیا 1933ء میں انگریزی میں اور 1934ء  
 میں عربی میں ایم۔ اے پاس کر کے MAO کالج  
 امرتسر میں پگھلا دیا کہ کچھ گئے۔ وہاں 1939ء تک  
 انگریزی میں اور انگریزی پڑھاتے رہے 1940ء میں  
 ملی کالج لاہور آئے اور 1942ء میں انگریزی کے  
 پیگوارہ سے بی اے پاس کیا اور استاد علیہ صاحب کی  
 تحریک پر 1942ء میں فوج کے شعبہ تعلقات عامہ  
 سے وابستہ ہو گئے۔ جہاں انور کھٹائی ان کا قلمی  
 میں آیا۔ 1943ء میں لطیفیت کرل کے عہدے پر  
 ترقی پائی ہوئے قیام پاکستان سے اردافلی جاکر اعظم  
 محمد علی جہاں کے زیر سرپرستی لاہور سے انگریزی  
 روزنامہ "پاکستان فانلر" جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔  
 خواب انھوں میں صحت اور سرور و راحت حیات کی  
 گنج اور گریک پر فیض بہت فیل کواں سے انگریزی  
 روزنامہ کا نصف لایہ نظر رکھا گیا۔ لیکن دسمبر 1948ء  
 میں فوج سے مستعفی ہو کر لاہور آچکے تھے چنانچہ 2  
 فروری 1947ء سے "پاکستان فانلر" کی ہفتہ  
 اشاعت شروع ہو گئی۔ "پاکستان فانلر" میں انگریزی  
 روزنامہ کا ان اس زمانے میں مسلمانانِ مہاجر کے

لے بائیں یا گرجا تھیں لیکن کی خدا اور ہدایت اور  
 شبہ و شک کے بعد وجہ لے اسے کامیابی کی ایسی راہ پر  
 ڈال دیا کہ خدا کو کھینچنے لگے کہ وہ "ان" سحرانوں  
 کی سخت گیری اور ماسوائی حالات کے بعد کے درک  
 سک۔  
 شروع میں "پاکستان فانلر" مول ایڈیٹری  
 گزٹ پر نہیں میں پچھتا تھا لیکن قیام پاکستان کے فوراً  
 بعد افکار "کریون بند" ہو گیا اور ہنگامہ مع پرکس  
 "پاکستان فانلر" کے لئے لڑی لی گئی جہاں سے وہ  
 اپنی شائع ہوتا ہے اور وہ "امروز" بھی انہی  
 کی ادارت میں جاری اور اساتذہ تاجرانہ حسن سرت  
 اور ایب کرمانی ان کے معاون اور رفیق ادارت  
 تھے۔ اس افکار نے اردو صحافت کے لئے جو جد  
 دہیں اور نئی حوصلہ مثالیں آج تک کی ہوئی اور  
 صحافت ان پر ہل رہی ہے اور انکی ادارت سے جرت  
 انگریزی ترقی کر رہی ہے۔ خبر نویس اور ادبی حالات و واقع  
 نگاری خود ہی کے لئے ذریعہ نگار اور نکات و اطلاعات  
 سے لے کر قصائد پر تک کھینچی رہا نہیں انکی جہاں کن  
 تجربہ بیکار "یاد امروز" نہیں کیا گیا لیکن لیکن کی ادارت  
 میں ان اقتدار کے لئے کارہادی شخصیت سے زیادہ  
 تمام کی ذاتی شوق و انداز اور احساسات کی رہنمائی اور  
 بنیادی کا کام کیا۔

پھر سے علم میں ہے کہ لیکن نے کسی سے اصلاح  
 نہیں لی لیکن انھوں نے مول علی اور مولوی صاحب کے لئے  
 شعر میں کمال انہوں نے شعراء کبھی کی رسم بھی نہیں  
 اپنی بلکہ ان کا موجود نام نہیں اور فیل فوری  
 وزارت کے آواز پر فیل اقلی طور پر کسی نے  
 کا قلم اس پر ہم کر دیا ہے بعد میں انہوں نے ترمیم  
 کرنے کی دست گوارا کی اور آج اس وقت تک ہر  
 میں بلکہ مولیٰ دنیا میں فیل احمد فیل مشہور ہو گئے ان  
 کا پہلا مجموعہ کام 1941ء میں "مکمل لہادی" کے

نام سے شائع ہوا اور دوسرا مجموعہ "دست مہا"  
 1953ء کے دوسری کی ہنگامہ سے لاہور کے کتب  
 کتب پانچ لے لیکن شائع ہو چکے ہیں۔ تیسرا مجموعہ کام  
 جس کا نام "نور انوار" اور پھر چار سو تالیف شائع  
 اسے ساکھن کچھ فیل۔ صبح کو صبا  
 سننے میں جاتے کی سونے گزرا کچھ کو  
 کہاں اور کی حالات میں مرگ جاتا ہے اور ہائل  
 ظاہر ہے۔ ہرمال ہے 1958ء میں شائع ہو کر مطبل  
 عام ہوا ایک ہندو جہاں مجموعوں کے لئے لے لیکن شائع  
 کرنے کا ذکر ہوا لیکن سے تالیف اور ان جہاں کو  
 کیا کر کے مقرب شائع کرتا ہے جہاں جس کا نام  
 ہو گا "دست مہا"۔ مگر میں فیل کی تصنیف  
 "نور انوار" کے نام سے 1961ء میں شائع ہو چکی ہے  
 اور اس تصنیف میں مضامین کا مجموعہ ہے۔  
 لیکن سے جو لوگ کبھی پڑھتے ہیں ان کی کم  
 آہری سے فیل فیل میں دھاتے ہیں۔ حقیقت یہ  
 ہے کہ فیل اور گزرا دھات و اختلاف دہاتیں ہیں۔ ان کی  
 کمر فیل اور پڑھائی کارنگ کچھ فیل دھاتوں ہی  
 سے ہو چکے۔ وہ خاموش لیکن جہاں دہاتے اور جہاں  
 ہیں انسان ہیں۔ جب دیکھا ہوں کچھ سوچتے ہوئے  
 پڑا ہوا دھات زبانی الہ اور مولیٰ کو دھاتی  
 کی تاساوت کاران کے دہات پر کوئی فیل اثر ہوتا  
 ہے نہ ہوتی ہے نہ ہے نہ ہے نہ سائل کا تجربہ  
 وہاں کرتے ہیں ایچہ وہاں مولیٰ دھات اور مولیٰ کے  
 مطابق تھے۔ ان کی ہیبت دھاتی اور ان کا فیل فیل  
 ہے زندگی میں ان دھاتی اور صاحب و اکام انہوں  
 نے اس سے زکوٰۃ شایع کیا اور کہہ گا کہ کچھ ہندو  
 نہ سے آیا اور گزرا گیا لیکن دھاتی کا ذکر اور دھاتی  
 اور دھات کہ ان کے فیل کی بات گزرا۔ فیل کے  
 دھاتی ایک دھات سے لے جاتی ہو چکی ہے یہ چہا  
 "فیل فیل فیل" ہے۔



# فیض کے بارے میں بیگم مجید ملک کے خیالات



ایک اور ملازمہ کرناٹک کا Festival week فیض نے ایک دن **Preside** کہا۔ وہ صاحب گھوڑا آئے دوسرے دن **Preside** کہا۔ فیض کے حلقے میں سچی کہ سچکی ہوں کہ انہیں مجید ملک صاحب بہت مزاح دیکھتے تھے۔ ایک محبت کا رشتہ تھا۔ ان کی بیویاں بہت اچھی اور باطلہ ہیں۔ فیض کی والدہ جلد سے گھرا آتی تھیں۔ ایک دنو میاں شریک میں شریک ہو گئی۔ ہم انہیں بخانا کہا کرتے تھے۔

☆ ☆ ☆

بات ضرور تھی کہ فیض با ادب بہت تھا۔ مجید ملک کو ایسا عجیبہ بھائی کہا کرتے تھا۔ اس نے اپنی ایک کتاب بھی اقتساب کی۔ مجید بھائی اور آمنہ بھن کے نام۔ ”قیام شریک دہلی“ ہے اس کا نام۔ ہم سے اس کا رشتہ کیا تھا جس طرح کسی کا پسرہ بھائی **Talented** نکل جائے۔ پھر سے تو بڑے تھے مجید صاحب سے پہلے تھے۔ آج بھی میرے بھائی کے ساتھ ”ابن کے پچیس اور چلی سے بڑے“ اچھے تعلقات ہیں۔ میں ابھی چھٹی تو دونوں بیویاں اور بھائی لکھے تھے ابھی نہیں۔ مجید ملک صاحب کی دوسروں سے جو اہلیت تھی اس سے میں مستحید ہوں۔ لیکن جب یہاں آئے تو میری دوست جیسی طاہرہ ہادی ”ابن کی دلی لہڑی ہادی سے کہہ کر مہارے ہادی کاٹی کا پرنس ہادی۔ کاٹی لہڑی میں جڑ انہیں کمر لیا کیا تھا۔ بھائی بھی کام کرتی تھیں۔ فیض کاٹی پہلے ہاتھ تھے۔ لہڑی کے لوگوں نے فیض کے حوالے سے کام کیا۔ غریبوں کا حلقہ تھا کاٹی اور لہڑی کے لوگوں نے تو فیض کا ڈھنسن بھائی بھائی ہے فیض کے کام چا کر کرتے کیلئے۔

فیض محبوب شاعر تھا۔ فیض نے انوار پاک ملازمہ کرناٹک تو اس میں صرحت صاحب بھی تھے ضرورہ لکھائی تھیں بہت کامیاب رہا۔ ہندو شعراء بھی دلی سے آئے تھے۔ بڑے جاری صاحب نے اس کو **Preside** کیا۔

فیض صاحب میں صلاحیت تھی ’ غلوں میں بہت تھا ’ بھائی سے بھی بہت محبت کرنے والے تھے دوستوں کے دوست تھے۔ مجید صاحب کا دل بھی بگا رہتا تھا۔ بچہ بڑوں کے ہوا۔ فیض صاحب بھی کہیں سے آتے تو ہمیں خبر دے تھے۔ جن لوگوں کو شعراء ادب سے دلچسپی نہیں تھی ان سے بھی فیض کی دوستی تھی۔ فوج کی دہلی آمدنے کے ہوا وہ ”پاکستان ہائٹس“ آگئے ہوا میں ٹپل پہلے گئے۔ شہر میں سے ٹپل جاتی تھی ”کڑی بھی لے جاتی تھی۔ نہ سچی مجید صاحب نے کہا کہ ان کی حکومت کے آدی نے کرم وہاں کوئی فیض سے ٹپل جاتی تھی۔ میری بڑی سیدہ آباد میں چلن تھی میں اس کو بھی فیض سے ملانے لے جاتی اور ان کیلئے دھیروں کتابیں بھی کر ٹپل میں کافی پڑھتے تھے دالے لوگ موجود تھے۔ ہر میں پڑھا کوئی سازش نہیں تھی۔ پڑھیں کیوں اس زمانے میں ہر کچھ لیا گیا تھا کہ فیض بدعت کرنے کی ’ Conspiracy ’ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی تو کوئی ایسی خواہش نہیں تھی۔ وہ **Ambitious** باطل نہ تھے کہ کسی ایسی جگہ پہنچ جائیں۔ جہاں خداوند اپنات کے بھی داک تھے۔ ”پاکستان ہائٹس“ کو انہوں نے تھیں کا یا اجاز دیا۔ انہار لوگ میں ان کے اپنے نکاح تھے۔ مجید ملک صاحب میں پکا تھی جس سے انہوں نے ٹیلٹ دھیر اور فیض ان میں بہت اہم ہے۔ فیض میں ہے



# فیض احمد فیض

میری ایک مدت سے یہ آرزو تھی کہ میری کئی کتاب کی تقریب دولہائی کی صدا سے چاہے فیض احمد فیض کریں۔ جب میری کتاب ”بادان نیکوہ“ چھپ کر مارکیٹ میں آئی تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہوں خاص کتاب کی دولہائی کی تقریب کی صدا سے فیض صاحب سے کرائی جائے۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے دوست سراج اسلم سے مشورہ کیا اور اس سے کہا کہ اپنی کتاب کی دولہائی کی صدا سے فیض صاحب سے کرانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا یہ ابھی بات ہے ضرور کرانا۔ میں نے سراج اسلم سے کہا میری تو فیض صاحب سے شہ سائی تھی۔ کیا میں انھیں لانے کے لئے احمد عظم قاضی ناچر حسن ملو محمود علی قصوروی یا سی آرا اسلم سے رابطہ کروں اور ان سے کہوں کہ وہ فیض صاحب سے میری کتاب کی تقریب دولہائی کی صدا سے کئے جائیں۔

سراج اسلم نے کہا فیض صاحب ان سب کو اطلاع کر دیں گے وہ ہرگز نہیں مانیں گے اور انھیں آئیں گے۔ پھر قصوروی اور سچے کے بعد کلام احمدیوں سے جا کر ملو فیض صاحب کے پاس گئے۔ دوست ہیں۔ فیض احمدیوں کا کہنا ہے ہیں وہ احمدیوں کو اطلاع نہیں کریں گے۔ اس کی ہوں مجھ کو وہوں ہم قلم نام بوالہ ہیں۔ میں یہ مشورہ کر کے احمدیوں کے پاس پہنچا تو انھوں نے فیض صاحب کی صدا سے کی گوج قبول کر لی اور عرض کیا کہ وہ فیض صاحب کو صدا سے کئے گئے آئیں گے۔ جب انھوں نے فیض

صاحب سے صدا سے کئے میری خبر سونجی میں کہا تو فیض صاحب نے چٹے ہوئے کہا احمدی آپ کی صدا تو نہیں ماری گی۔ خیر میرے سامنے کتاب ہے اور نہ کوئی بندہ ہے آپ علم دے رہے ہیں کہ تقریب میں ایک کونسل چلا ہے اور ہاتھ جوڑ کر اور سر ہکا کر ہاتا ہے۔ فیض صاحب کی بات میں کہ احمدیوں ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں نہیں بندہ نظر نہیں آتا۔ کمریوش ہوا چاہے ہم نے اسی طرح چلا ہے۔ فیض صاحب نے ہاتھ جوڑ کر احمدیوں سے معافی مانگنے ہوئے کہا یہ احمدی صبر آپ کا حکم ہے اور یہی فیض کی جانے گی۔ فیض صاحب تقریب دولہائی کے اجلاس میں ایک کھڑ پیلہ پاک لی پلاس پیچھے دوہاں حاضر ہیں تو کچھ عین جلد ہی تاب جے ان کا خیال قاضی قمریوش کا دماغ غلب ہے فیض صاحب قمریوش احمدیوں سے پہلے کسی ہوئی میں نہیں آئے۔ چٹھین نے مجھے کھلا اکیلا کرتی اپنی تقریب دولہائی منی کی کہ وہ لوگ شرکت مل لگا کر کے ساتھ بیٹھ کر ہوئی میں خام دار ہے جیڑا نہیں آتا۔ میں نہیں بلکہ کچھ میں بہت خوش قسمت نے آج مجھے ایک خبری موقعہ ہاتھ اس کو کیے ضائع کر دیا۔ میری یہ دیرینہ خواہش تھی میری کتاب کی تقریب دولہائی کی صدا سے فیض صاحب کریں مگر میں اس موقعہ مجھے اس سے گن نہ لگا تھا۔ جب بچے غلب کی تعمیر پر میں دل میں پھوٹا ہوا تھا وہاں ہی قسمت پر دلک کر ہوا۔ جب میں فیض صاحب کو چلنے کے لئے ان کی

کونگی پر کیا تو ان کی نگہ میں نے کہا ہمارے پاس سواری کا کوئی انتظام نہیں لہذا تم انھی سے سواری کا انتظام کر لو ورنہ شام ہو جانے کے بعد یہاں کوئی سواری نہیں ملتی میں نے ایک لنگی کرلیے پر لے لی۔ فیض صاحب کو گھلا میں نے تو بہت کوشش کی کہ کسی دوست کی کار میں ہانے کر کہیں سے کار نہ لی۔ فیض صاحب نے سن کر کہا یہ چٹان ہوئے کی کیا ضرورت تھی مجھے کہنا ہوتا میں کسی دوست سے کار مانگ لیتا مجھے فیض صاحب کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ ان کے اس رویے نے مجھے فیض صاحب کی عظمت کا اور بھی محترم بنا دیا۔ اس وقت فیض صاحب پر جاکر لکھنے سے قبل میں اس بات کا احترام کرتا ہوں کہ میں فیض صاحب کو انھیں جان۔ یہ الفاظ میں اس لئے نہیں کہہ دیا کہ یہ الفاظ انھوں نے میرے ہاتھ میں میری کتاب ”بادان نیکوہ“ کی تقریب دولہائی کی صدا سے تقریب کی ابتدا میں کہے تھے۔ فیض صاحب نے فرمایا ”میں قمریوش کو انھیں جانتا ہوں اس تقریب کی صدا سے کئے گئے جب احمدیوں کے علم سے حاضر ہوں۔“

فیض صاحب نے حاضرین کو تلا چہ روز ہوئے قمریوش میرے گھر آیا تھا۔ اس نے مجھے اپنی کتابیں دے دئے گئے دی تھیں۔ میں یہ کتابیں دے کر جبران دے کر قمریوش تو میرا دوست ہے میرا ساتھی ہے میرا بھروسہ ہے مگر میں ہم بہت کوشش میں کام کرتے تھے یہ بھی ہمارے ساتھ کام کرتے تھے۔

میں اب یوں ہوا ہوا گیا ہوں۔ اس پر اس نے ہنس کر کہا کہ تم کو یاد ہے کہ تم نے کبھی اس کو یاد کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے اس کو یاد کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کو یاد کیا ہے۔

چند روز بعد، قصہ کا کامیاب ختم ہوا۔ میں نے یہ کہنا چاہا تھا کہ وہاں حرم و دہلیس کے جہلوں میں، وہاں اچھا اور برا، لیکن صورتِ حسنہ کی لڑکیاں تھیں۔ لیکن ان کے پاس بھی نہیں اس زمانے میں اچھا خاصہ عمل سے پہلے تھا۔ انہیں جہلوں میں ایک طرف تو جس شخص کو چاہی وہاں کسی سے جہلوں میں آتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ شخص کبھی رنگ بڑھانے کا تو وہ مشہور جسم کا تھا۔ یہ شخص شاید

آتا ہے۔ میں اس بات کا بھی مستحق تھا کہ جو پیش  
کے پہلوں کی طرح سیدہ اور صاحبہ شگافہ فیض  
جوانے میں بیٹیں تھیں۔ انھیں بے غریب آدمی ہے۔  
جو فیضی ادارے جنہوں پر کرائے کے قرضوں سے عمل  
فیضی کارخانہ ہوا وہی نہیں کے ذریعے جبراً ختم کرنے  
کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی ادارے کو ہرگز کوئی ذرا کتب  
کرتا ہے۔ کبھی کبھی مجھے شہر ہوتا ہے وہ بقیہ ادار



1940-1941

نکرا آپ کی عقل بھول گیا ہوں۔ مجھے اکثر دم بھول جاتے ہیں، ان لحاظ سے، عقلیں یاد دلاتی ہیں۔

1950ء کا ذکر ہے جب میں نے نعلی صائب کو بمبئی میں ملازمت کے لئے کام میں دیکھا۔ خاکسار نے ان دنوں رابطے سے لوگوں کو کتاب میں حوروں کا ساتھ دینے سے روک کر چھوٹے حوروں کے گھپ رخصتا اور انہم کی فاقہ میں حوروں کی فاقہ دیکھ کر کام کرنا تھا۔ ایک ان

مختلف مذاہب ایمان میں ہوتا تھا پہلے کلمہ میں مومنانہ تھیں، پھر وقت سے پہلے آتا تھا اور ایک کمری کھینچ کر ایک کونے میں بیٹھ جاتا تھا اور دعا مانگتا سے سکرے جاتے ہوئے اپنے پیالوں کی دیکھا میں کھانا دیتا تھا۔ عام لوگ رات کو سوتے ہوئے خواب دیکھتے ہیں مگر یہ شخص ان کو کلی آنکھوں سے خواب دیکھتا تھا۔ وہ اس شخص کو پکارا چنے، علی رضی اللہ عنہ کا تھا کہ یہ ضرور کوئی خلیفہ مجس کا پیگلے سے جو تار سے جھانک کر اس کی رویت اپنے

میں پیدا ہوتا بھی ہے۔ میں کوئی عرصہ تک اس فداگویی میں گزارا۔ عرصہ ہزار کے بعد میرے ایک حور اور ساتھی دوسرے دامہ لے گئے تیار کے قہر میں فداگویی سے یہی پائس انجکٹر کھجے ہوئے تیار کے تان کے لیے ہزار فی ہند شاعر جناب فیض احمد فیض ہیں۔ میں اس عشاق پر اپنے دل میں خود فریاد ہوا میری گئی گئی سے اس خط کے اشتیاق تھا۔ میں اپنے دل میں سوچا تھا کہ میری ہزار فیض احمد فیض احمد فیض ہیں۔

جب قلم اُترتی پند و نظر کا کلمہ اُگلنے کو آپ کی شکل میں  
 وہاں سے طسوں میں آتے ہیں تو ہجانے کے ساتھ کہیں  
 نہیں آتے۔ احمد علی خان کی سیدہ ملک سیدہ اختر احمد  
 راجہ اختر آبادی، نصیر احمد حسن الزماں سیدہ میر ہاجرہ  
 مسرورہ خدیجہ مستور، نازش کا شمیری، عارفہ مہاشینہ  
 عابدہ منی کی آرا سحر خیز سے کے جوہر میں کے جسوں  
 میں اکثر شریف لکھتے ہیں، ان حضروں کی کئی کئی جگہوں پر  
 مولے لکھتی ہیں کہ مگر ان کی کرتے تھے۔ یہ اور ترقی پند  
 قریح کے شباب کا قصہ اور یہ بات ہماری گھر میں نہ  
 آتی تھی اس لیے دل میں سوچتا تھا کیا نہیں کر دیا ہے  
 اگر یہ بہت اور ترقی پند شاعر لطیف اور شفیق ہیں تو ان کے  
 ساتھ وہ اپنی شاگردوں کا نوازہ کیوں نہیں جو سکریت  
 جہانگشہ اور ہجانے جانتے ہوئے صفت صفت کے بعد  
 شعر سننے کے بعد کہتے ہیں اساتذہ جہانگشا کا قصہ  
 میں نے شعر کیا ہے مگر یہ شخص تو ہم اٹھ کے گنبد میں  
 بندر جتا ہے۔ بھر گئی ہے اس مسئلہ پر سوچتا ہوں کہ کیا  
 اور اس خیال کو اور ترقی پند داغ سے دھو کر  
 باہر نکال دیا۔ فقیل صاحب قیہ و بند سے رہا ہو کر  
 تشریف لائے تو میری کہوتی کا پیرا گھوڑا "بھرجا ہو"

کی" کے سونوں سے شائع ہو کر مارکیٹ میں چکا تھا۔  
 میں اپنی سوانحی خاں کو ساتھ لے کر فقیل صاحب کی  
 خدمت میں حاضر ہوا، ان دنوں فقیل صاحب ریاض  
 پاکستان کے باغیچہ لکھی میں رہتے تھے۔ ہم دونوں  
 جب دارالحکومت میں پہنچے تو وہ کمرہ دارانی ایک  
 آؤسٹ کے کمرے کی طرح دکھائی دیا۔ رچرچ کرتے  
 سے کہی گئی تھی کہ یہ آؤسٹ کے مسروں کی خوبصورت  
 روایتی تصاویر و دیواروں پر آؤسٹاں ہیں، بڑا صاف  
 شگاف پاکیزہ، ماحول کار۔ فقیل صاحب ایک کرسی پر  
 بیٹھے ہوئے کوئی کتاب دیکھ رہے تھے مگر اسے  
 ہونے لکھے یہ آؤسٹ کے شاعر رشتی سوانحی خان  
 نے فقیل صاحب سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا  
 "فقیل صاحب آپ میرے دوست حمزہ احمد انصاری کا لکھ  
 پڑا ہے ہیں انہوں نے صاحب اہل شغل میں کہتوں کی یہ  
 کتاب لکھی ہے۔ یہ آپ کی فکر کرنے آئے ہیں۔"  
 میں نے کتاب ان کے حضور پیش کی وہ مسکرائے اور  
 شعر کے ساتھ مجھ سے کتاب لے لی اور دھوا کیا کہ  
 وہ اسے ضرور پڑھیں گے۔ فقیل صاحب شغل سے  
 آنے کے بعد وہاں سے طسوں اور مجلسوں میں بہت کم

آتے تھے تاہم وہ اپنی دلی دہائی سے بھر میں مجلس  
 لگے ہوں گے۔ ان کی ترقی پندوں کے مجلسوں میں  
 ان سے طاقات ہو جاتی تھی مگر وہ کسی کو پار نہ کھینے کے  
 معاملے میں ہر حال کی طرح تھے۔ شاہد اہل کلمہ یہ  
 تھا کہ زندگی کی طویل شاہد پر پھر مگر اس طویل  
 جانا۔ مگر وہ لوگ کاغذیں ہے کہ فقیل صاحب یا حمزہ  
 جیسے جانتے میں زیادہ جانتے ہے کہ کسی کو لکھ نہیں  
 کراتے۔ یہ بات نہیں ہے۔ میرے مشاہدہ میں تو  
 بات آتی ہے وہ ہے کہ جب خاص اساتذہ کا حلقہ ہو  
 تو پھر کلمے لکھے جاتے ہیں اس لیے کہ پند و موعظا کرتے  
 تھے اور بہت خوش ہوتے تھے۔ ان کا پیر و فرداں ہو  
 جاتا تھا۔ اس میں صبر کی جاوید آہلی تھی۔ وہ  
 بڑے شیریں مذاق میں کلمے لکھتے کرتے تھے اور طر  
 واصل کے سوانحی دانتے تھے۔ لیکن انفرادی سیاست کی  
 گتیاں نہ لکھتے تھے ان کے پاس سے لکھنے کوئی نہیں  
 جاتا تھا تو عام طور پر جب شاہد بنے رہتے تھے۔  
 فقیل صاحب مصروف ذہن، تینیں پیر و فرداں فقیل صاحب  
 انسان تھے۔ اس بڑا صاحب میں بھی ان کے چرے پر  
 جوتی کی کسی جڑ کی شہرہ دارانی تھی ان کی حکمرانیت میں  
 بڑی کشش تھی اور بھی ان کی محبوبانی شان تھی۔ فقیل  
 صاحب اپنی ذات کو کائنات سے الگ کر کے نہیں  
 دیکھتے تھے بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ اپنا کلمہ اپنی بہتری  
 کا ایک گھڑا تھا کرتے تھے۔ وہ مظهر و مجلس امداد کو  
 ضرور تھے۔ پاکستان کے ترقی پند دانشوروں میں  
 وہ شاہد تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ہی کہاں کہا تھا  
 اور اپنی زمین کا ساتھ ساتھ کسانوں میں شہسبکی تھی۔ میں  
 فقیل صاحب کی خدمت میں تیس سال کے بعد حاضر  
 ہوا تو یہ کہ میرا خیال وہ کیا کہ فقیل صاحب بہت دل  
 کے تھے۔ شرفاء کے ملاو سے نہیں بلکہ عوام کے  
 لگاؤ سے ان میں بڑی جدلی آگاہی تھی وہ دہائی  
 فوٹی کچان دکھائی دیتے تھے۔ ان میں جہانوں کی ای  
 بہتری آگاہی تھی۔ اب وہ چاک و چوبند رہتے تھے



فقیل صاحب اہل مجلس کے جلسے و ملاقات کرتے ہوئے

مذہب کا ایک پرانے سے ہو چکے تھے۔ اب اس میں چھٹی کی  
 کی ایک چھوٹی سی جگہ تھی اور شاعری میں بھی نئی قوت پائی  
 پیدا ہو گئی تھی۔ شاہین اس کی وجہ یہ کہ وہ اپنے ہم عصر  
 شاعروں کی دہانے سے باہر آگئے تھے انہوں نے بڑے  
 بڑے شاعر کا دور کیا تھا۔ عظیم بادشاہوں سے ملے  
 تھے ان سے تامل خیال کیا تھا۔ کثرت کلمات کا پانی پیا  
 تھا۔ اب وہ ہر وقت کلمہ سمجھیں اور چہ "پیلہ تو پر  
 حالت تھی فیلن صاحب چپ چاپ الگ تھک رہتے  
 تھے اور سرگرمی پر تھے۔ رہتے تھے ان کے ہوتوں  
 سے ہر وقت سرگرمی پر تھا تھا تو ان کی شب بیدار  
 خواب اور یاد کشی کو دیکھ کر وہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ  
 حضرت دات گھڑی کے شاعر کی اور اپنی کرتے رہے  
 ہیں۔ فیلن صاحب کے ہوتوں پر سرگرمی غلبہ کی  
 ہوتی تھی۔ اور اداری بات پر ہی لوبی رہیں کی طرح  
 شریعے اتار میں سحرانہ گردان چکا تھا آپ کی  
 مخصوص حالت تھی اور ان میں وہی صفت درمیان  
 شاعر مشہور تھے۔ اب ان کا بی شاعر تھے بہت کہ ان کو ان  
 نے انہیں حوروں کے جہلوں میں تقریریں کرتے  
 ہوئے دیکھا ہو گا۔ میں نے ان کو ان کی حوروں کے  
 جہلوں میں گھارہ سنی ہیں۔ فیلن صاحب کا شعر  
 پڑھتے کا اس قدر لذت اور فراغت شعر میں چہ وہ چھوٹی  
 دیکھ پڑھ رہے ہیں فیلن صاحب اب صرف خواہ  
 جہلوں کے درمیان شاعر نہیں تھے بلکہ ان کی شاعری  
 ڈانگہ دم سے نکل کر ہر جگہ میں طوبیہ حاصل کر  
 رہی تھی اب کچھ حصوں میں عوامی شاعر بن رہے تھے  
 کہ یہ انداز میں آگیا۔ 30 نومبر بروز منگل پیر کے  
 وقت روزنامہ سروے کے دفتر میں میں اپنے دوست جو  
 افضل خاں کے ساتھ فیلن صاحب کے معلق بات  
 چیت کر رہا تھا کہ اس میں علی ہر جگہ فیلن صاحب کی  
 ناکامی موت کی خبر آئی میں تو یہ خبر سن کر ششدر رہ گیا  
 مجھے ان کی وفات کا یقین نہ تھا تھا فیلن صاحب کی  
 موت کے اس غیر متوقع حادثے نے مجھے یاد کر رکھا یا

اور میرے ہم کمرہ دار کیا۔ ایک لوگ کے لئے میرے  
 سوچتے تھے کی تمام قوتیں بے کار ہو گئیں۔ مجھے خیال  
 آیا کہ کئے عظیم انسان اور کئے عظیم شاعر تھے۔ میں  
 انہیں یاد کر کے سوچنے کا میری انہیں یاد ہوتے  
 ہی تصور کا وہ کچھ نہیں کیا اور میرا خیال بچے ہوئے ایام  
 گزری ہوئی ساتھیوں دہلی کے ہندو سے کسی قسم کی  
 جنگ جھگڑائی ہوئی تھا وہ کی مانند ابرار اور کر  
 مانتے آئے تھیں۔ وہ اس کے طبر پر رہے متعلق  
 حراں تھے خزانہ دل سے کثرت انسان اور بہت اچھے  
 تھے۔ ہر خیال ان میں موجود تھی۔ فیلن صاحب نصف  
 صدی تک اپنی شاعری کے فن کے ذریعے جاوید  
 رہا کرتے رہے۔ وہ انھیں کے ساتھ تھے ہندو بات کے  
 حراں احسانات کے مصداق بہت سے تھے۔ ان کی  
 ہر کار اور انتخاب کے شیعان، میرا دل ان کی ناکامی  
 موت پر فردا لم سے بے پروا ہو گیا۔ میں بچوں کی طرح  
 بہت محنت کر دے گا شاعری فیلن میں وہ اب  
 گی۔ میں سوچتے گا وفات کا فائدہ کتنی تیزی سے گوار  
 جاتا ہے تو ان کی تھی اپنا عہد رہے اور موت تھی ہے ہم  
 اور ان کی محنت ہے کوئی کسی کے لئے بکواس نہیں کر  
 سکا انہیں موت کے ساتھ کتاب کی اس وجہ سے۔  
 میری آنکھوں میں ایک آنسوؤں کا سیلاب اڑ آیا

اس طرح اپنی خاموشی کو بھی  
 گویا ہر سمت سے جواب آئے  
 فیلن تھی راہ ہر سر منزل  
 ہم جہاں پہنچے گا میاب آئے

## فیض احمد فیض اور مزدور

میں انہیں جب بھی ملتا رہتا ہے کے حوالے سے تو بہت ٹھٹھکیا ہوتا ہے اور مزدوروں کی ٹھٹھکیا بہت معلوم کرتے۔ مجھے ان سے محبت کی حد تک یاد تھا ان کی دھات پر مرزا اور ان کی قیادت میں دھاتے ملازمین نے جنوں کی صورت میں شرکت کی۔ ان کے گیت 'غزلیں' ہم صحت کشوں کے لئے تھیں۔ میں اپنے خواہاتہ قبیلہ افغانی کے اس شعر پر غم کرتا ہوں۔

فقیر نے دعا میں شامل ہو کر غم میں غم میں ہے  
جانے اس کو مٹا ہے ان سب دلوں سے کیا انعام

☆☆☆

کام کو ہا کر چیلنے۔ دھاتے کا صحت کش جذبہ بہت کم چھانکھا ہوتا تھا اور کام کا ردیال انگریز ہی میں ہوتی تھی فیض احمد فیض ان کو شے والی چارچہ تھیں یا ان کی کوئی بھی اور خواہش ہوتی حوروں کا انگریز ہی میں نہ صرف گھبراہٹ ہے بلکہ کڑواہٹ اپنے ہاتھ سے تاپ بھی کر کے دیا کرتے تھے۔ یہ ان کا بہت بڑا صدمہ تھا ان کم ہارے گئے صحت کشوں پر آج بھی جو ملازمین رہنا چاہتے ہیں انہیں یاد کرتے ہوئے انہیں دھاتے افغانی میں خزانہ تھیں چیل کرتے ہیں۔ فیض احمد فیض کے قول دھات میں کوئی افغان نہیں تھا کوئی خود یاد رکھ رکھا انہیں تھا۔ اب بھی بھٹے نا بھٹے میں سے تھے۔

فیض احمد فیض کا 'دھات' دھات، سماجی اور دھاتیں دیوالی دھات تھے۔ اس کے علاوہ وہ ملک کے صحت کشوں کے ہونے اور دوست بھی تھے۔ دھاتی دھاتیت سے یاد و صحت انہیں دھات غالب ملی سے ہی تھا۔ امرتسر میں ان کے زمانہ غالب ملی اور بعد میں ہاتھ کے طور پر انہوں نے سیاہی طور پر اس تقریب میں حصہ لیا جو انگریز سامراج کے خلاف اور برصغیر کی آزادی کے لئے ہوتی تھی۔ جی جی ہے کہ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے پاکستان کے ان چارہ صحت کشوں کو آزادی کے کلمات کا شعور دیا تھا ان کے دھاتوں کا دھاتے کے لئے بہت کام کیا۔

پاکستان میں سب سے پہلے دھات دھات کے ملازمین کی انجمن سازی کے لئے انہوں نے لڑنے پر تھیں جو مظلم کی اور دھاتیں کو تعلیم پختہ کیا اس کے علاوہ پاکستان کی پہلی ملی سنگ کی قومی حوروں کی تنظیم پاکستان لڑنے پر تھیں فیض احمد فیض کے باب صدر خانے گئے دیگر مردانہ ابراہیم صدر تھے۔ انہوں نے ملک میں صحت کشوں کی صحت مند انجمن سازی کے لئے دور سے کے اور اس تنظیم میں صحت کشوں کا شعور مظلم کیا اور ساتھ ہی ساتھ صحت کشوں کو خفا میں رکھنے کے اور یہ تعلیم بھی اپنے رستے تاکہ وہ اپنے اچھے رستے کو پہچان سکیں۔

فیض احمد فیض کوئی عرصہ تک کراچی شاہو میں چمکنا ہاتھ میں دھاتے سے اور گزرتے تھیں کا دفتر ہے



فیض احمد فیض کی رہائش گاہ میں ان کے دوستوں کے ساتھ۔ یہ صحت کشوں کا خطاب کر رہے ہیں



میرزا حسن



میرزا حسن



میرزا حسن



میرزا حسن

حسن = صادق



حمرے ہونٹوں کے پھولوں کی چابوت میاں



تعل کرنے کوئی تصویر جیسا ہے

عمل : صادقین

دست تهرنگ

عسل: سلیمه هاشمی





## چراغِ فیض

عالم ہست ہوں حیران ہیں کہ کہا نکسوں  
میں جبری ہست کہ دنیا کا تذکرہ نکسوں  
نکسوں کہ تو نے محبت کی روشنی نکسوں  
تو نے غم کو حیرانوں کا قافلہ نکسوں  
جہاں جاؤ بہت ہوئے صبیحی اکیرا ہو  
تو کیوں نہ اپنی زمین کو بھی کرنا نکسوں  
تو نے بغیر ہے ہر عقل "مقتضی فریادی"  
تو پہل "ہست سہا" پر ہے آبلہ نکسوں  
مثال "ہست تہ سگہ" قہمی دقا ان کی  
سو کہی طرح انہیں یادانی ہست نکسوں

## نذرِ فیض

ہر فیض سے شرف استقامت رکھتے ہیں  
کہ پہلی دود سے نسبت زیادہ رکھتے ہیں  
دودِ مملکتِ عرف چاہے جائے  
ہوں کو صوبہ صلی کشادہ رکھتے ہیں  
شبِ حال بھی ہم وہ دھانی حیرانِ خلق  
دھانی کج سفر کا اندازہ رکھتے ہیں  
حالِ چرہ فرما سے سرخ نہ ہے ہر خواب  
اس ایک خواب کو ہمارے ہر ہر رکھتے ہیں  
مقامِ شر کہ اس شر کا دیا میں بھی لوگ  
لاوا عرفِ دل آویز ہوا رکھتے ہیں  
عام فیل، عجیب آمدِ فقیر کے پاس  
ہر آئے آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں

☆☆☆

## نذرِ فیض

ارباب ہوں حیرانِ آسودگی میں ہیں  
ہم تو تری تلاش میں حیران سے آئے ہیں  
میں دل سے زندگی کو ملی گئی سہمی  
غلے سے خیال کے اس دل سے آئے ہیں  
سحر کی دیکھ پاشہ منجھپت میں گئی  
چکو نگر کے دھڑکنِ عمل سے آئے ہیں  
کلی جہا بھی عشق کے قدموں پہ چنگ لگی  
ہاں ہر کے کوچہ قافل سے آئے ہیں  
کھلی ہوائے ہست کے سانچے میں اصل کے  
ہر "آئینہ" ہے اس کے حقائق سے آئے ہیں

☆☆☆

☆☆☆



فیض احمد کیلئے ایک نظم

آج راتیں سو گوارا

اب کہاں وہاں دل

جائیں وہاں شاکر

سے بڑھتے تھے سے انہوں نے چاہیں

اور سچے سے لگا ئیں

وہی جاتی خاک کے ذرات کو

پام کر سونے کا تھیں

ماہر گر چہ کہاں!

اب کہاں مل نظر

جس کی نظر کی بھٹی تھیں انہیں

میں عالم تاب ہنگامہ نشین

اور لفظ ہر دوں کا رنگ

دل گرفتہ چہاں

وہ عالمی مرتبہ

جس کے دم سے رہتیں

جس بہاں ہوا ہو کا تھیں

جس کے دل کی لہر سے

تجائی کی راتوں میں چٹاں

جس کے دم سے تھیں کاہنہ کا صوف

اب تھیں میں موت کرتا تھیں کے

میں نہ کہ وہ دوسرے

جس کی شہر چہ مری سے

ان کا قاتل قاتل مجرم

ان کو کچا چھوڑ کر چلے گئے

اور ان کی دھڑکیں میرا نہیں

مرگنوں کو دے گم

کس کوئی دھڑکی

کوئی دھڑکی

وہ جاتی گم کوئی

اب تم

اور اپنے دھڑکی

موت کر کے انہوں کی

حسرت کی میر

کوئی بڑھتا چاہے گا

اب کے گئے بارش ہاں میں

لے کے ہاں اپنا گم

قل گاہیں گم تھیں

کوئی سے مشابہ

قل ہونے کے

اپنے خزانے کی

رقم کرتے آئیں گے

کوئی میرا گم

موت جس کے خوف سے

لڑاں دڑیں

وہ قاتل کو

خشب کا مرنے آئے گا

پیدا نہی ایشیاں

نہیں میں وہی ہوئی

سب کی سب کو کاں

بندہ دلوں کے

کھٹکھٹانے آئے گلاب

کوئی آدھی رات کو

کوئی آواز اب

صویرا میں چھوٹے کی یہاں

کوئی مردوں کو بگاڑنے کا

فیض کے فراق میں

چہ خاک

کہا چارے دھڑکے

کہ یہاں مل رہی ہوا

کب دستا دہا سے بھول گیا

میں لگا میں اب بہا نہیں

بہا شہر دہا میں رہا نہیں

پل پل کوئی گم رہا اب نہیں

وہ دہا لگا ہے کہ وہ رہا نہیں

مرے ماہر کہاں ہے

کوئی اور بھی ہے گم رہا میں

ترے لڑائی تلوار کی چکان سے

کہ وہ نہ آتھیں دھڑکی

مرے گم

تھانے سارے فراق میں

وہ سکتے تھیں میں ہے

کہ صوائے گر یہ شہنشاہ تاروں کو

تہہ نہتہ لگا رہا ایک ہی

کوئی مجھ کو کھلی تیری

کوئی سلسلہ کو کہ وہ رہا ہے

☆☆☆

☆☆☆





## حکیم ظلوں ورد

مے خدنگ، جانی ہی کس تو نے  
 مے جف کی مٹائی ہے داسوں تو نے  
 ظلوں و درد کے جذبات ہو چکے نابھ  
 کیا ہے جذباتِ محبت کو جادوں تو نے  
 کیا ہے زلفِ شہادت کا بائیں ہار سے  
 کہ ٹوٹی دل میں اپنی ہیں انگلیاں تو نے  
 جہاں بھی ظلم و ستم کے بارے ہوئے  
 وہیں پہ رُخ کے سر کے نکال تو نے  
 ترا کام ہے صحتِ خیر و عسر، کھل  
 کیا ہے جو، مجھ کو رہا ہوں تو نے  
 جہانے عالمِ مہم میں درد کے چاروا  
 کیا فریادیں بیات کا آسمان تو نے  
 غبارِ گرجاں کا دم بہت کیا آخر  
 کہ وہی ہے وہی، جہاں میں بھی دس تو نے  
 تری صدا سے ہیں لڑائی لڑائی کبر و حد  
 عطا کی تر تھیں کو بھی زباں تو نے  
 یہ نام فیض ہے یہ تمام شعر یادیں ہے  
 دودھِ رحمت بھی یہ کے عیاں تو نے

☆☆☆

”فیض ہوئے ہیں سر کے سر“

مے دل خیر ہو جاتے ہیں  
 مے دل خیر ہو جاتے ہیں  
 مے جاتے ہیں ہو جاتی فتن  
 مے دل خیر ہو جاتے ہیں  
 مے جاتے ہیں ہو زور دلا  
 مے دیر اثر ہو جاتے ہیں  
 مے زلف ہو کر جاتے ہیں  
 مے زلف تر ہو جاتے ہیں  
 مے جاتے ہیں ہو جاتے ہیں  
 مے لعل و کبر ہو جاتے ہیں  
 زانیا کو رہائی کرتے ہیں  
 مے شمس و قمر ہو جاتے ہیں  
 مے کو سب جاتے ہیں کمر  
 اب شعل ہوئے ہیں سر کے سر

گمشدہ صدا کی

درد کا ہے نام

تکلیف تھا کی ہیں

پہنچنے کا نام ہے

درد سے فدا ساری کا دھڑکاں کھل ہے

نہم ہوا کی کھل ہیں

زخمِ دل کا کھل ہیں

جانوں کی آواز ہیں جگہ ہیں دھڑکاں

ہر طرف دھڑکاں ہے

گلیں جاتی ہیں

دورانِ مہم کی ہیں

گمشدہ صدا کی ہیں

☆☆☆

☆☆☆

## فیض کے نام

کل تھوہپ میں نکل میں تھا  
بچر کے بچوت کے دور  
خاموشی کے سرگرمی میں  
لپٹے ہوئے تھے نقشے میرے  
کالی سڑکوں کے نکل میں  
دھڑوں کی اور گلوں کی  
کھولی ہوئی جسمیں سب آوازیں  
تیرے لئے ساتھ تھے میرے

اور تری آواز کی ہنسن  
گھاس کے لب تڑک پانی تھی  
گل کے کوزے سے پھر پانی تھی  
شام کی رنگت میں کرا کھڑ  
روئے جہاں ہر چھا پانی تھی  
چاندنی کھلیں ہنسن کر  
آہلوانی کے بچوں ہاں  
تھک کر مجھے سو جاتی تھی  
اور میں جیسے نازک شے  
پیارے گیتوں کا گھوسٹ  
اپنے دھڑکتے دل سے نکالتے  
لوگوں کی ٹیلی راوی میں

آہستہ بہت چلا  
نکل سے اُپر آ جاتا تھا  
علم کے دل پر چھا جاتا تھا

آج مگر قہ ہے ساجھی  
کبھی ہے چاند کی آواز؟  
قلبِ ظہری کی مژدہ ہے  
بارِ نیل اور جہانی میں  
چھری کا غمورن آہی ہے

آج ہے وہ نکل میں تھا  
میرا پی آواز کا غلط  
اور اپنی نگار کی غلی  
گیتوں کے غم میں دکھ کر  
تیری خاطر گھبراہوں  
پہ پھری آواز ہے انکس  
صرف مری آواز نہیں ہے  
جوشِ طغیانی آواز اور پانی  
محسوس سا کرشمہ نکلی  
میری زباں سے نکل رہے ہیں  
ہند کے سارے نقشے واسے  
تا پینے واسے کانے واسے  
اپنی محبت کے گھدھے  
تیری جانب گھبراہے ہیں  
جھلی ہوئی پٹا مارا واسے  
دیکھ اس میں کیا پھول کھلے ہیں  
غصہ نکل انکس کر  
گھڑے ساجھی آنے ہیں  
ذوہ ہے گوارا ہو کر ساجھی  
لوہی زباناں کی آواز میں  
دل اور دماغ کے چمک میں جاگل  
پھر گئی کوئی آواز نہیں جو  
دھنوں کا تقسیم کرے گی

میرے ہاتھ میں ہاتھ ہے میرا  
مجھ سے ہاتھ میں ہاتھ ہے میرا  
سائنس کا زہرہ دم ہے کیا میں  
ہم آجک ہے چاہ قدم کی  
ایک ہی جہاد ایک ہی منزل  
ایک ہی نکل ایک ہی نکل  
ایک ہی غصہ ایک ہی حاصل  
شعلہ ہے راوی کا پانی  
غصہ ہے وہی گنگا کی لہریں  
گھاسے کے قصے سے ۱۱۱۱ کی آواز میں

سوانہ بھادوں ہی کر رہاں  
بیزر ہیں گیتوں کے آنچل  
عشق دے ہال کی چھاگل  
دل میں جھک خائے پائے  
ہیند میں جھک دیا گئے پائے  
گیتوں کا زہر خوش مرے  
زوریں چارنگی نکلی کر آئے  
بازوں کے سینے وہ جیسے چھلکیں  
آفتی رہیں چپاں کی چھلکیں  
دھنوں کے گہرے سانسے میں  
رنگ برنگ آوازوں میں  
نئے نئے جھونکے ہیں  
چھپے دیکھنا روٹاں چھپیں  
شامیں گھٹیں چڑیاں چھپیں  
بھیں گھٹیں پھار پھار گھٹیں  
شاموں پر آنچل ہوا گھٹیں  
اسی دھان کا خوشی دھان گھٹیں

ایچہ غصہ ایک ہے ساجھی  
اس غصہ کے آگے سارے  
خدا لہرمن لہا کو کھاتل  
کبھی ہیں گھبراہے ہوئے ہیں  
بھتی بھتی دھنل دھنل  
علم کے بال چھائے ہوئے ہیں  
انکھروں کے کانے نکلتے  
ناگ ہیں چمن پھارے ہوئے ہیں  
علم سے لہن زار کیا  
سوت سے پیلے مرزا کیا  
سہول کر لب آواز ہیں تیرے  
والاں رہاں اب تک تیری ہے

☆☆☆

بہارِ سحر کا استعارہ

آج کی شام فیض کے نام

اب تک میری پہلوں کی سے جھک رہی ہے ہام بہ ہام  
اسے سب کے پلے سے ساقیِ راز کی شام ہے میرے نام  
تو نظر دل سے دور ہے لیکن دل سے کی کے دور نہیں  
جھڑکن جھڑکن بنگلے رہا ہے میری چاہت کا وہ نام  
چاہ کرے انھوں کی اب تک صاف عالمی رہی ہے  
اب تک میرے ہزار کا سایہ جھک رہا ہے کام بہ کام  
تو نے دل سے دور بھی گائے گیت دلن کی صفت کے  
میرے سے میں آئے ہیں میری دلیوں کے وہ نام  
تو نے اپنے لہجے کا سرمہ رکھا دلی حلوں پر  
لیکن یہ کہ عارفِ شاموں نے پھینکا میرا آرام  
عالم لوگوں نے لکھے جو اپنے دل کی کاک سے  
میری ایک غمگینی نے جو ڈالے وہ مارے الزام  
بے انصافی کی اس رو کو ختم بھی ہوتا ہے آخر  
ہر آنکاز کا دیکھا کرتا رہتا ہے اس کا انجام  
سحرِ سال کی عمر میری پھیلی ہے سحرِ صدیوں پر  
لوں و اہم کے مالک نے کھسا ہے میرے لئے وہ نام  
میرے دماغ میں شامل فیض اک غمگینی میں ہے  
جائے اس کو کتا ہے اس تک لوں سے کیا انجام

☆☆☆

دلی لوگوں کا سحرِ غزلِ گراں  
حرفِ صحت و فطرت کا راز دل کو کس  
زس گوشت و پوست کا راز دلتا کس  
نظر سے دیکھ

ہو گیا ہے میرے میرے  
آگنی کے جل کا وہ حصار  
زیر کی کا صبحِ صفا  
ہو میرا کیا را

بہارِ سحر کا استعارہ

☆☆☆

وہ چہرہ  
وہ عشقِ بیخ و بس  
چاہا میرا  
سو رہا  
میں سے روشن حق کی آنکھ میری  
وہ دیکھ میرا  
وہ دیکھ میرا  
تکھڑائی کی آن میں سے  
وہ استعارہ کی زبان میں سے  
وہ میرا دل و میرا ساقی  
وہ میرا دل و میرا  
میرا دل کا سحرِ سحر  
رنگوں کا دین تھا جو  
حرف و آج کی آبرو تھا  
ایک لفظ ایک جام و راک تھا  
غزلِ شکر تھا وہ خوشگرا  
گیتِ شکر تھا وہ چار گرا  
میرا دل کا وہ دین تھا  
خواب کا راز تھا

بہار آگنی میں صاف تھا  
یا کسلی میں صاف تھا  
وہ راز تھا  
وہ آواز تھا  
ساقی میرا تھا  
جسم پہلی گیت تھا  
آگنی کا آواز تھا  
شعر و غزل کی پائی میں  
دل کے گھر کو  
لوں بہاں و دلی

عشق میں گلِ باغ بہاری نہ رہا  
فرہم شمعِ شادی نہ رہا  
شعروں کے پس کی فیضِ دلی نہ رہی  
جو فیض کر پائی تھا سو چاری نہ رہا  
شعروں میں جہاں فیض رہے گا برسوں  
ہر دل میں نہیں فیض رہے گا برسوں  
دیا سے جہاں ہے کے ادب دیا میں  
سراپہ جہاں فیض رہے گا برسوں  
☆☆☆



## ہاتھ کی آواز

ہاتھ کی آواز نے میرا سارا وجود چھو رہا تھا ہے  
اور میرے اندر پر چھائیاں بھی مصدوم ہونے لگی ہیں  
میرے خراپوں نے طغیان کیا  
اور میری تعمیروں نے زندگی پانا چھوڑ دیا ہے  
تیرا ہمدردی کے گچ  
اور میرا لئے والی پچھائی کو کسی نے دیکھا ہے  
مگر وہ تو کبھی وہ پچھائی؟  
سورج ہمارے وجود کو نکال کر کے خراب نکال رہا تھا  
ہم کہ جنہیں بہت دانا کھانے  
بہت ذہنی تھے  
اور بہت ذہنی تھے بہت ذہنی تھے کہنے کی طاقت ہے  
ہم اپنی اپنی تہذیبوں کی اور ملت کے باوجود  
شر کے دھرم سے کھڑے تھے آئے والی  
روئے کی آواز میں آواز نکال کر  
رو رہے تھے۔

ہمارے بے آواز ہوتے

بے طاقت ہوتے

اور بے طاقت کان

ہے ہمارا کی طرح

دشمنوں کے گلاں چھو رہے تھے

ہمارے سنوں کی آواز کی بھینک

ہم سے زخمت اور ہاتھ

ہمارے گلاں کھانے

خواب آگیا کیا تھا

اور ہمارے خوابوں کی مانگ میں

تعمیر کا بیج وہ بھی اس نے ہی لگایا تھا

اس زمین کی فطرت کے چھوٹوں سے

اس کی آنکھیں ہاتھ تھیں

اور اس زمین کی کل ہوتی کھڑکیں

اس کے لیے ہوتی تھیں

وہ خاص تھیں ہاں نام کرنا تھا

وہ وہ تھیں یہ بتانا تھا

نہ ہوں بولتا تھا

اس کی سحر و سحر سے بھی شامانی تھی

اور وہ بولتا سے بھی

اس کو ہاتھوں سے بھی بات کرنی آتی تھی

اور وہ بولتا سے بھی

ہمارے احوال کی سیجیاں دھرتی

اور ہمارے ہمارے روز کی سیجیاں کرتا

اس کا شمع تھا۔

ہو زمین کہ جس نے طغیان پہلی ہوئی تھی

اس کی بہت کی تھا کھینچ لی گئی تھی

ہو زمین کہ جس کی طغیان

سو گئی پڑیوں کو ختم ہوتی ہے

اس کی زندگی کی خرابیوں کی کوئی تھی

سندھوں کی کھائیاں تھیں

اب ہمارے آنکھوں میں آجاتی تھیں

اب بھی ہم اسے نہیں دھرتی تھے

ہاتھ کی آواز نے ہمارا سارا وجود چھو رہا تھا ہے

اور ہمارے اندر پر چھائیاں بھی مصدوم ہونے لگی

جی

☆☆☆

## یہ طبل کوچ کا ہے

رہم نے ہمارے ہاتھوں پہ ہاتھ رکھی تھی

وہ کے کان پہ ہاتھ رکھی تھی

وہ دست میں ہاتھ رکھی تھی

وہ دیکھ رہا تھا تھی

طراش خواب

ہریت کا جان پہنے ہے

سائیں کے چھائی چھائی ہے

کھینچے ہے

کوٹلا ماحولی

کھینچے ہے صاف رفت

قلم کیجے ہے سراج ہاتھ ہے

کبھی سامت ہے قلم کا رہا تھکتا ہے

یہ طبل کوچ کا ہے

یا کہ خبر دے گا

ہاتھ اٹھائے گا کہ خبر دے گا

☆☆☆

زمین محبت ہے میرے سلام سے  
 زمین محبت ہے جس کے گلوں سے  
 وہ اپنے ہی دھن سے ٹھنکی رہا جس ہے  
 وہ جس کے شعروں میں غم کیاں ہے  
 وہ جس کے گلوں کے نام کہوں  
 حادوں کے گئی داناے  
 جھٹوں کے گئی داناے  
 وہ جس سے ہر راستہ سم کو  
 قرینہ جو صدمہ کے  
 تو اب آسمان کے کھول  
 کی دلا جان کے کیا تھا  
 کہ میرے گہن  
 بہت ہی تھوڑے بہت ہی کم ہیں  
 میں کچھ ہوں  
 کہ میری سادگی راہتوں میں  
 گھٹ سا زب سسل  
 نہ ہا داناے  
 میں اپنے گھر میں بطور قیدی ہی رہا کہوں  
 میں اپنے گھٹوں میں رہا چاؤں  
 کہ نہ دانی دین پاؤں  
 میں اپنے دھندلے کی چھان میں  
 دشمن دھن کھڑا لے پاؤں

☆☆☆

کھولی ہوئی جہت کو پا کر چلا گیا  
 اک جگہ آگنی کا سا کر چلا گیا  
 اس سا نہیں ہے دھوا کوئی سر جہت  
 اک نہ پ چار کا تھا جو آکر چلا گیا  
 وہ فیل تھا کہ جس سے نہ تھا فیض باب  
 انسانیت کے گیت جا کر چلا گیا  
 لیکن پراو پاک وہ تھا سلمہ اس  
 وہ چاہوں کی جہت بنا کر چلا گیا  
 پریم دہ کا سرخ وہ نکلتا تھا اپنے ساتھ  
 قمر تقبالت کرا کر چلا گیا  
 جس کی کتاب زبست تھی تھیر مچ نو  
 شب کی قراؤں سے کر چلا گیا  
 وہ جس نے احتجاج کا لہو دیا جسکی  
 وہ دلو انتخاب دیکھا کر چلا گیا  
 انسان دہست اس سے جا کون تھا کوئی  
 اپنی صلیب آپ اٹھا کر چلا گیا

☆☆☆

ہر انسان کی سوچ میں خوشیوں کے سچے شعروں کی  
 وہ نکلتا تھا  
 جہتوں کی گروٹی سے سوچوں کی سوچیں گروہوں سے  
 وہ نکلتا تھا  
 ملک پہاڑ اور مہل کی گتھی سے  
 گھر ماپ اس کی ہاتھوں  
 باطن فرہا سال  
 مل کر تھا وہ مرانی دھوکے کے گلوں میں  
 شعروں کی اہل منزل  
 اس کی سوچ کا حاصل تھا  
 اس کا ہر اس کا شعور نے جہت کی گتھی تھا  
 جس کا شعور نے ہاتھ کی  
 گھر گھر یہ ہاتھ کی گتھی تھا  
 گھر گھر یہ  
 خانوں کی جہت کر دین  
 اور اور اسی سے گھر دین کی دھستہ ہو  
 اس دھتہ داناوں کا ہر دم جہت کا گتھا  
 جس سے خانوں کا ہر دھتہ  
 گھر دھتہ تھا  
 اور دھتہ کا ہر دھتہ کے کوئی  
 اس کا ہر دھتہ ہی  
 فیل کی گتھی کی گتھی سے  
 جہتوں دھتہ گتھی کے سب دھتہ دھتہ تھا  
 کوئی سوچ کا گتھی ہے  
 اس کا گتھی دھتہ تھا

☆☆☆





فیض احمد فیض، اشفاق احمد اور یحییٰ قسطنطنیہ



فیض احمد فیض اور احمد علی گم گاہی



سلطان داغ، فیض احمد فیض، اشفاق احمد اور کشمور جاسید



فیض احمد فیض اور منوہری



فیض احمد فیض اور عید اختر



سوانحیت  
آغا ناصر اور  
فیض احمد فیض



## کچھ ”دست صبا“ کے بارے میں

دو زبان میں ہم ایک دوسرے سے بگڑ گئے تھے۔ کیونکہ ہم دونوں کو چار چار سال قبل ہر شہرت مڑو نے کے بعد اہل اقتدار نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم ایک ساتھ نکلنے میں ضرر کے ہائیک۔ لیکن کو جواب میں شہری نکل باور تھے عیداً اور سحر سے ملو چنان کے سخیل نکل بھی ذکر کئے تھے تاہم دوسرے دوستوں کے نکلوں اور بعض اور رسالوں کے ذریعے لکھے لکھنے کی چند نوٹیں اور ٹیکس جس زمانے میں لکھی گئیں چیتے کا موقع مل جاتا تھا۔

اب کہ حالات زندگی میرے کافی طوفان ہیں اور میں اکثر لکھا میں سانس لے سکتا ہوں اس کے باوجود جب میں اہل داخلی ہندوستانی اور اعلیٰ کیونہات کا خیال کرتا ہوں جو کہ پر اس وقت جاری ہوتی تھیں جب آپ اس محبوب قریب دوست اور ہم کا کام چمکا تھا تو اس کا اظہار مشکل معلوم ہوتا ہے۔ شاید بے ادب تھو کے لیے یہ چاہا بھی نہیں ہے۔ یہ کیونہات ہے کہ چونکہ ہمارے بہت سے قریب آدمی اور اپنے دل میں کافر باور میں تھیں نہانے کے متعلق ادارے خوب ہزاروں آدمی غرض اور ہمیں شہری تھیں اس لیے

لیکن کے ان اشعار میں پھر معمولی طور پر چڑھتا تھا۔ اگر میرا دل بھی غلوں کے انصاف تھا تو یہ بند کے مصائب اور مصیبتیں اس کا حصہ کیوں ہیں جو اہل صحت کاری سے سب کی زندگی کو اپنی فانی صحت سے

لوب اور خاص طور پر اس کی قریب ہندو صحت پر مورد جاری ہونے چاہیں کے خطوط کی باتیں کر رہے ہیں۔ میں اس وقت نظر کو کچھ نہیں لکھتا بلکہ میرا خیال ہے کہ اور لوب کا ہونے اور اس کے رجحان قریب ہندو میں سے ہے۔ یہ دور تقریباً 1930ء سے شروع ہوتا ہے۔ اور اب بھی تک جاری ہے اور اگر ہم کرشن چار پانچ سال کوئی لکھیں تو میرے خیال میں فیکٹ کی ”دست صبا“ اور ”زندہ جند“۔ احمد علی قاسمی کی ”شہدائے گند“ علی سردار جعفری کی ”شہری اور پاد“ اشتیاق حسین کی ”تقدیر اور علی تقدیر“ اور بھون کی کھوپڑی کی ”نقد اور“ ”شہدائے گند“ (جلد دیگر کتابوں کے) اس خطے کی شہادت میں بھی ہیں کیونکہ گنتی کا سرشار شہدائے گند کی بھی ہے ”حرکت“ کی اثراتی گنتی کا سرشار حالات میں دیکھا جاتا ہے اور نہ سمجھتا ہے بلکہ عمل اور جنت کی کمال آندھیاں اور ہم بھی لڑکا تھی ہیں اور اس طرح چاہوے اور انصاف کے طوفانوں سے گزر کر اور اس بیکار سے قوت و حرارت حاصل کر کے حق و صداقت کا نور پہلے سے لگے تڑپاؤں میں جاتا ہے اور اس کے صحت اور تاثر میں صدائے گند کی تاب نہ لیں لکھنا لگے گی ہیں۔

”زندہ نام“ کی جتنی مختصرات فیکٹ نے شہری سخیل نکل اور اور سخیل نکل میں جسم کے دوران میں لکھیں۔ لیکن جولائی 1953ء سے مارچ 1955ء تک کی لکھیں ہوئی تھیں جس میں ہیں۔ اس

مقدمہ ”سازش وادارپنڈی“ کے دنوں میں فیکٹ کے ساتھ میں بھی سخیل نکل (میداد اور مسدود) میں تھا۔ دسمبر 1952ء تک جاری تھا۔ اس کے ساتھ فیم ہو چکی تھی۔ ہمیں روز روز کچھ مرقعہ ال کے اشعار میں چار کڑیوں کے کمرے میں لکھوں پہلے رہتے اور اس دوران کو انھوں کی شہادتیں دیکھوں کی جرح اور جنت اور سحر وادارپنڈی سوانح لکھوں سے نجات مل گئی تھی۔ ابھی نہیں لکھیں سنا گیا تھا اور ہم امید و ہم کے عالم میں تھے ”پختی“ وادارپنڈی۔ انھیں دنوں ایک دن پر اشعار ملی کہ ”دست صبا“ شائع ہو گئی۔ اگر ہم اس کی تمام چیزیں فیکٹ کے سہارے ہی بچے تھے اور انھیں بار بار چاہتے تھے لیکن اس خبر سے ہم میں سے ان قریب یوں کو جواب سے کہہ سکتے تھے ایک غیر معمولی سرعت اور نکل کے مقام سے اجازت لے کر ہم نے ایک پانی بھی کر اعلیٰ جس میں ہم تمام قریبوں نے ملی کر فیکٹ کو ”دست صبا“ کی اشاعت پر مبارکباد دی۔ اس موقع پر فیکٹ اور ان کے میں نے یہ کہا تھا کہ بہت عرصہ گزر جانے کے بعد جب لوگ ”وادارپنڈی سازش“ کے حوالے کو پہلی باتیں گئے اور پاکستان کا مورخ 1952ء کے ہم واقعات پر نظر ڈالنے کا تمام اس سال کا سب سے اہم تاریخی واقعہ لکھوں کی اس پھٹی سی کتاب کی اشاعت کو قرار دیا جائے گا۔ بہت دنوں سے لوگ جن میں بعض ایک اور فیکٹ اور بعض ہادہ لیل ہیں اور



## فیض احمد فیض سجاد ظہیر کے نام

اپنے دوست سجاد ظہیر کی موت پر غم فیض نے اپنی شاعری جنوری 1973ء میں لکھی جب وہ اس کے چار ماہوں کا  
جدنا کی لے کر دفن آئے تھے۔ یہ غم فیض جو فیض کے محمود نظام "نام غم واراں" میں شامل ہے۔

اب ہم ساتھ میر لگی کریں گے	یام نکلتے لایم
نہ اب لے کر سر عقل چلیں گے	سہا اور اس کا انداز حکم
حدیث دلوں باہم کریں گے	سر اور اس کا آغاز جسم
نہ غلوں دل سے شرع لم کریں گے	لٹا بھی ایک باد سا جوں ہے
نہ لپٹائے غلوں کی جوت داری	بھی تو مسہ قہ مٹاں ہے
نہ لم باندے دہلی کا ہنگامی	مگر اب اس کے نام ساقی
سہلی کے حق زکریٰ کر	کریں انعام اور ہم ساقی
نہ شب بھر لے چٹائیں گے سافر	یام باد و چٹا آکا لو
ہام شہو بازک چٹاواں	دعا دو صبح فصل دم دام
چار سستی چشم فزواں	کے اب لپٹا جام ابلواں
ہام انجمن دم مدعاں	کے سر نی کے سافر تو زواں

کہتا ہے اور اپنی فطرت سے ہم سب کی دلوں میں  
سرد کی صورت بھارت ہے بھگت سدا میں اس کے نکلیں  
کی جواں اور فرماں گلی کا رہیں سے کسب شعور کرتا  
جہاں ہر غم کی نیلیا ہوا نہایت کے شریف ترین  
جذبات سے اس طرح لگی ہیں جیسے شہرِ عمر سے  
فراز ہے۔

فیض کی ان غلوں کو جموری حیثیت سے دیکھیں  
تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک ان افراد کا تعلق  
ہے ان کو سامنے لے کر ان میں لڑائی کیا ہے وہ تو حق ہیں  
جو اس زمانے میں تمام ترقی پسند انسانیت کی افتاد  
ہیں لیکن فیض نے ان کو اپنی خوبی سے بچا ہے کہ وہ حق  
اداری تہذیب و دان کی بھرتی وہاں سے الگ نظر  
آتی ہیں اور نہ تاریک افکار سے اس کا نرم اثر ہے اور  
مظلوم انسان کو ہم بھی لگی اس سے جدا ہوا ہے۔ اس کے  
محرک اور دماغ استادوں میں ہمارے دہلی کے  
پہلوں کی خوشبو ہے اس کے جذبات میں ان کا جانا  
اور احمدی سادہ کی چمک ہے ان سے ہماری قوم کی  
عظیم اکثریت کے دل روشن ہیں۔ اگرچہ سبیل اللہ کا  
مطلب ہے کہ انسان مادی اور روحانی مسرت سے  
نجات حاصل کر کے اپنے دلوں میں گودا لپی بصیرت  
میں حق شہاں اور اپنے کردار میں استقامت و رخصت  
پیدا کریں اور بھاری زندگی جموی اور اخلاقی حیثیت  
سے جو دنی اور اخلاقی طور پر ہم سب کی اور مددگار  
تو فیض کا شعر انہاں تمام جذبہ ہی کا مسدود کچھ چنے کی  
کوٹھلی کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان اور  
بندوستان میں اس کی بھرپور مسوئی ضرورت ہے سب بھی  
ہے۔ البتہ فیض کے قلم چاہنے والے نقش فریادی  
نہیں مبادا وہ ان کے ہاں کے شہدائے سہلی کے ہاں جو  
ان سے یہ فرق اور صبر دیکھتے ہیں کہ کیت اور کیت  
دلوں کا طعنے سے ان کی وہ تخلیقیں جو بھی نہیں ہو سکتی  
ان کے حلقے میں جو کہ وہ کہنے میں زیادہ گراں  
قدروں کی۔



# فیض کی شاعری کا طلسم

فیض نے اپنے مصرعی افنی بیخ اور انہی جمل  
ترجما کی ہے کہ اس کی ادا اسکی زندگی ہی میں  
فیکہ ترکیب ایک اور نے ایک دہائی کا عہد اختیار کر  
لی تھی۔ اس کے ہم عصر شعراء میں بے شمار ایسے ہیں  
جن کے ہاں فیض کے ذم لگے اور ان کی خصوص  
تعلیقات کی کوئی جتنی جانتی ہے۔ خصوصی صدی میں  
اقبال اور جوش کے بعد فیض سے زیادہ شایہ ہی کسی  
شاعر نے اپنے سواصر میں اور اپنے قارئین کو اس  
شدت اور کمر لے کر متاثر کیا۔

فیض انسانی معاشرے میں ایک ثبت الکتاب  
کا دانی تھا تا کہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل پے ہو سکے  
جس کی بنیاد عدل و انصاف، مسلمات اور انسان کے  
وقار پر ہو۔ اس الکتابی سنگ کے پادشاہوں کے ہاں  
الکتابوں کی ہی گہنی گرنی کی جگہ ہے ایک مضمر سرگولی کا  
ساتھ ہے۔ اس نے زندگی کو بھی کے لئے باقی  
بھر اور اور غم صورت ڈالنے کے لئے شاعری کو ایک  
اور عید کر دیا۔ اگرچہ اس نے کہاں کے ہاں کہیں بھی پھر  
وہ مصنف کی جست دہلیا نکلے۔ اس کی شاعری بھول  
کی قیوں پر غم کے اترنے کی مثال ہے مگر اس کے  
پادشاہوں کی کالے بھی ہے۔ وہ اصل فیض کی سرگوشی  
قاری اور سامع کے کھار ایک الکتاب پے پڑا کر دیتی ہے  
الکتاب کے معاملے سے جوشہ بلند ہونا چاہیے اور فیض  
کی شاعری میں جس جگہ اس کے اثرات میں پھندہ  
ہے چنانچہ فیض کی لغاتی سرگولی کو اپنے اندر اترے

جانے والے کے باطن میں جھ جست پڑا ہوتی ہے  
اس کو فیض کے ثبت الکتاب کی شروعات سمجھا  
چاہئے۔

فیض کی شاعری کا آغاز وہاں ہوا جہاں میں  
لہا ہوا ہے مگر جلد ہی زندگی کے کڑے اور سچ حقائق  
اس خول کو نکال دیتے ہیں اور وہ افنی دکھ کے ساتھ ہی  
عالم انسانی پر مسلط دوسرے بے شمار دکھوں کی جلی بھی  
اپنے اندر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کے لہن میں صحت  
اور حقیقت کا یہ احراں ۱۹۲۹ء پکار بنگا تھا۔ وہ غم  
کا ہی کرتا ہے کہ اس شاعری کے کم ہی ذمے نام اس  
خصوصیت میں فیض کے مقابل لائے جاسکتے ہیں۔  
ان ۲۲ ی قوتوں کا احراں بھی فیض کا اسلوب قرار  
پاتا ہے۔ یہ احراں ان احرازات ہے کہ نہ تو فیض کو  
صحت کرتے ہوئے اپنے الکتابی تھریات کی قربانی  
دینے کی ضرورت پڑی آئی اور نہ اس نے الکتابی  
موسومات پر نہیں لیکن ہوئے اس شوق کے آہستہ  
سے لیکن ہوئے سوزوں پر سے نظریں دھائیے کے کواہ  
کا اکتاب کیا۔ اسے عشق اور الکتاب دونوں ب  
نیکو نیک دوست محبوب ہے اور یہی فیض کا نہ صرف  
اپنا اسلوب خاص صورت پے پڑا ہوا کہ اس نے اپنے  
زمانے کے شعروں کا بھی ایک اسلوب متعین کر دیا۔  
باض میں ساتھ ساتھ شاعری اور حال میں اچھ فرق اس کی  
قریب صورت اور بیخ میں ملتی ہیں۔  
فیض بہت ج سے لکھے شاعر تھے۔ جالی ادب

کے علاوہ انہیں قرآن و حدیث کا بھی اچھا ہی علم  
حاصل تھا۔ اگرچہ بی اور ادب کے علاوہ عربی کے بھی  
طالب علم تھے چنانچہ بعض فنی سمجھوں میں وہ اپنے  
موقف کی تائید میں قرآن کی بعض آیات اور احادیث  
کے بعض ٹکڑے بے تکلان جادیتے تھے۔ اس کے  
باوجود، علینیت بنا عربوں نے غر و حکمت کی کراہیوں  
سے شایہ خصوصی طور پر گرنے کا یا پھر بے سوا کتب  
اس دور میں طبع اقبال فکر و حکمت کی معراج کو چھو  
چکے ہیں تو اس دور کے کسی دوسرے شاعر کو داسوا  
کھ کر اس طرف کا رخ کرنا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں  
اگر فیض ایسا نہ کرتے تو اور شاعری پر دوسرے کی  
اسامات کے ساتھ ایک اور سامان بھی کر جاتے جس  
طرح نوحائے الکتاب ان کے ہاں مضمر شعروں میں  
داخل کیا ہے اسی طرح وہ غری شاعری کو بھی فنی  
جالیات کا ایک شعبہ جادیتے۔ اگر فیض فکر و حکمت  
کے مسائل سے (بظاہر خصوصی طور پر) گرنے نہ کرتے تو  
ان کی شاعری خصوصی صدی میں غالب کی قوت  
قوت ہوتی کہ غالب کی شاعری انداز شعری و ادب کا پیدا  
ہوا شاعر ہے جس نے شعروں کی شاعر میں حاصل کیا۔

فیض کی کاوش کو دیکھ کر جس طرح غالب نے  
اپنے جت میں اور قزل کی زبان سراسر بدل دی اور  
جس طرح اقبال نے اور شاعری پر زبان کے معاملے  
میں بھی متعدد جات کو دل دیا۔ اس طرح کا الکتاب  
فیض کی دانش میں نہیں مگر فیض اپنی علم کاری سے



# فیض احمد فیض

"کب شو میں تجرے کوئی ہم سا بھی کہیں ہے"  
فیض کی شاعری سے مراد یہ سہی ہو گئی تھی۔  
اگر چاہوں تو یہ سارا مضمون اس کے شعروں سے بھر  
سکتا ہوں۔ فیض کی شاعری ذاتی شاعری تھی (لاچرے و  
شاعری کو ہونا چاہئے) کیونکہ ان کا دل اور دماغ ترقی  
پند فکرات سے ہم آہنگ تھا۔ اس لئے وہ "عالمی"  
بلکہ "آفاقی" شاعری بھی تھی۔

دو تئیں برس ہوئے ہم ایک دوسرے سے  
بہو پال میں ملے۔ اور باتوں کے علاوہ دوست میں  
جو تئیں بہت باتوں کا بھی داکڑا ہے۔ جب فیض نے ایک  
پہلی سی سی ایم فلم دیکھی جو کہ فلسفین کے پہلو پر چڑھ کر  
انٹرنیٹ پر دیکھی گئی تھی۔ یہ فلم انہوں  
نے فلسفین کے کتب میں بھی دیکھی تھی اور یہ کہل تھا  
کہ ساتھ میں زندگی کی گیت تھا اور زندگی ایک تھکر  
شاعر جوان کی زندگی کا حال بیان کر رہا تھا کوئی آنکھ  
نہیں تھی جو آنسوؤں سے بھری تھی۔ وہ فیض کی  
زبان نہیں سمجھتے تھے۔ مگر ہم انہوں نے بہو پال میں  
بھی سنائی اور یہاں بھی سنے والوں کی وہی حالت ہوئی  
جو کہ دوستوں والوں کی ہوئی تھی۔ شاید کوئی آنکھ ہو جو ہم  
دیکھتی ہو۔

فیض اور فیض کی زندگی میں کتنے ہی آثار  
چھپے ہیں۔ پہلے وہ مصرعے کے ایک کاغذ میں تصنیف ہوا  
سے پہلے انگریزی کے پڑھتے تھے۔ تصنیف ہوا کے بعد  
انہوں میں رہا پند کا کردار کہ فٹ کالج میں پڑھتے  
ہوئے ترقی پند ترکیک سے وابستہ ہوئے اور ان کی  
شاعری بھی ترقی پند ترکیک کی زبان بن گئی۔

پاکستان کے اولین دور میں وہ پٹنہ کی "سداوش"  
میں "میں طوط ہو کر گر کر ہوئے اور کی برسی نقل  
میں رہے۔ جہاں انہوں نے وہ فلم کی جس کا ایک  
شعری ترقی پند شاعری کا تھا (نی مشورہ ہے۔

حراج لون و دم بھی گئی تو کیا تم ہے  
کو خون دل میں ڈالی ہو ابھی میں نے  
یہ شعر انہوں نے اس وقت کہا تھا جب ان پر  
رو پٹنہ کی "سداوش کیمرا" چل رہا تھا اور ہر قسم کی  
پابندی ان پر لگا دی گئی تھی۔ کاغذ اور قلم پر بھی پابندیاں  
تھیں۔ دوسرے غیر ہندوستانی بھی فیض سے مرعوب  
تھے۔ اس لئے جب وہ دو تئیں سال کے بعد پہلی  
جاتے تو فیض اور فیض کے پاس آئے اور ایک پیغام  
ان کے بارے میں بھی سنا تھا جس میں ان کے ہمراہ تھے۔  
یہ پیغام پہلی اور شعروں کی فلم میں ہوتا۔ بارہو  
ساتھی تھے ان میں کھیلنے کی بات۔

"کہا ہوا جو اچھے خوش نظر آ رہے ہو؟"  
"میرے پہلی فیض اور فیض کا ایک اچھا  
پیغام تھا۔" "آپا ہے؟"  
"کوئی شعر ہے یا پوری فزول"  
"پوری فزول معلوم ہوئی ہے۔ سن گئے تو  
بڑا کھلم کھلا ہے۔"

حراج لون و دم بھی گئی تو کیا تم ہے  
کو خون دل میں ڈالی ہو ابھی میں نے  
شعر کیا تھا وہاں نے انکاب کا ایک پیغام تھا  
ایک فٹنگ تھا۔

فیض نے کوئی تری رچا رچا اپنی زندگی کے

بارے میں نہیں جھڑپا۔ جیسے ان کی ہر فزول اور ہر قلم  
اپنے اپنے جگہوں کے ایک ایک موت بھری تھی ہے۔  
اس کو بھی کبھی کبھار چھوڑنا چاہئے۔ بعض لوگوں کو تو اسے  
لے لٹوں کا جواب بھی شعر کا اظہار میں دیا کرتے  
تھے۔ اس طرح اس شاعری کی زندگی کی باتوں کی  
کہانی۔ ہر ہر طرح سے جان کی بات کی ہے اس  
کے شعروں کی شرح اس کی جیتی کے ذریعہ کی بات کی  
ہے۔ کوئی جو جان تھک رہا اس کا خون دماغ کا اسب  
فیض کے پاس ہے۔ اس لئے سب تھک رہا اس کے سب  
دوست اپنی باتوں کو کہہ رہے تھے۔ بات میں جانے کی  
اس میں ستر فیض کا اپنی باتوں کو گھر بند کر دینے سے  
پہلے انہیں سمجھنا کہ کتنے ہی دور پہ وہ انہوں میں  
اور محروم سے ان کے روحانی اور مادی تعلقات  
تھے۔ جن میں ان کی جیتی کے علاوہ ان کے دوستوں  
اور ہم صردوں کا کافی حصہ ہے۔

فیض کی خود بھی کوئی پوری سوانح عمری  
اگر چہ گھٹیا ہے مگر (بندوستان میں کم اور پاکستان میں  
زیادہ بہت بندوستان کے گھٹیا ہے۔

اس سلسلے میں "حراج لون و دم" بہت اہم ہے  
کیونکہ اس میں فیض کے حلقے کے بکھرے ہوئے ہیں  
کی تقریریں "اہم مضامین جو گھٹے گئے اور ختم ہوئے۔  
رہے ہو کی تقریریں "نویاں" جو فیض صاحب نے لکھے  
جیں "نظروں جو انہوں کو گھر دیکھ کر کو دیکھ کر  
لوہار سے ختم ہوں گے لکھے اور تہہ پہنہ تہہ سب  
سے اہم حصہ ہے جس میں فیض کے خطوط ہیں۔

☆ ☆ ☆

# فیض کا فلسفہِ زیست

## اُس کے اپنے خطوط کی روشنی میں۔۔

واقعہ کی افراطیں کا فلسفہ ہوتا ہے قیدی کی آواز کی جب  
گھنٹی بجی پہلی ہے اور اس کو سرورِ زنداں کر دیا جاتا ہے تو  
یہ ہرسانیِ اذیت کا ہی عمل نہیں ہوتا بلکہ یہ روحانی عمل  
ہوگا ہوتا ہے جو عام طور پر قہر کے قہریلوں کے ساتھ  
درازا ہوتا ہے۔ آزادی سے محروم کر کے ایک چار  
دواری میں محصور کر کے کا مطلب کیا ہو ہے کاسے ہر  
واقعہ پر احساسِ اولیاء ہانے کو وہ گھرو ہے وہ حاکم کا  
خود ہے وہ پہچانی سے پہچانی آسائش بھی نصیب وہابی  
زندگی میں آسائش بھی نصیب نہیں تھا اس سے محروم کر دیا  
جاسے وہ ان آسائشوں کے لیے ترستے گئے اب اس  
کلیئت کو سامنے رکھتے ہوئے آپ یہ غصی کرنے کی  
اوتھلی کر رہی کہ فیض 9 مارچ 1961ء کو گرفتار ہوتا ہے  
اور پہلا گناہ 7 مارچ 1961ء کو لکھتا ہے اور یہ خط وہ  
شروع ہی اس طرح کرتا ہے۔

”تمہیں پہلے نہیں لکھ سکا کہ جس کا وطن ہے جس  
میں برا کام ہو تو دیو اور سدا میرے ہوتا ہے اور مٹا  
گئے کے لیے کاغذ آج ہی بچھا آیا ہے۔“

اب اس سے زیادہ مجھڑی کا کیا اظہار ہو سکتا  
ہے۔ چنانچہ ایک وقت تھا کہ 1946ء تک پنجاب کی  
نیلیاں میں سرخ مرچا نہیں دی جاتی تھی اور جو عام  
قدیموں کو دل پہ سبزی تھی اس میں سرخ مرچ کا ذوق  
ہی نہیں جانتی تھی۔ سگرتے کا تو ذکر ہی کیا اسی طرح  
سے انیس کی ایک ذیلی شکل میں نصرتِ غیر حریف جوتی  
تھی اور پہلی قیدی پالی کلاس کے مالِ لوگ عام

وقت نہ ان کو اپنی زندگی کے اہم کام تک کاظم نہیں ہو سکتا  
تھا۔ چنانچہ وہ بھی ان خطوط کی شامت کے موقع پر  
لکھتے ہیں۔

”خار ہے یہ کوئی اپنی مصیبت نہیں ہے۔ ملی  
خطوط ہیں جو کلمہ برداشت کئے ہیں کسی سرورِ اول  
نہیہ بحث کی مثال ہے کار ہے۔ صرف اٹا ہے کہ  
نقل خانے میں سرخ اوتھلی کے بہت محدود ذرائع میں  
سے ایک ذریعہ خط لکھتے ہیں۔“

ملی خطوط دے بھی آسانی کر دیوں کو  
واقعہ کر دیتے ہیں اور نقل اور سرفہ ایسے مراحل  
اوتے ہیں جہاں انسان چاہے کے باندھ اپنی  
کمرہ پاں نہیں بچھا پاتا۔ خار ہے ایسے مل کے  
اور ان جو خطوط لکھے جائیں گے وہ لکھنے والے کے  
اندیشے ہوئے انسان کو اور بھی مہاں کر دیں گے۔  
اس کی فحش اس کی فحش۔ اس کی جرأت دھت  
اس کی بزدلی اس کی کینگیں خود غرض بھی ان خطوط میں  
گھر کر سامنے آجائیں گی۔ یہ کہہ کر نقل قہر کے بھی چنگ  
ہی لٹکی ہے جہاں کر دیں ختم پاتی ہیں۔ ہر کوئی قہر  
ہے کہ نقل جیتے دلوں میں ماکوں کا مقصد وہ نہیں  
ہوتا جس کو دانتے جیتے اٹھان کر تے ہیں کہ نقل خاند

گوارے ہوئے اور دانت کے دانت سے ہوئے انسانوں  
کی امداد کا ارہم ہے بلکہ ان کا مقصد اس کے  
داخل رہ گئے ہوتا ہے۔ چنانچہ خار سے جوتی مانع میں  
نقل کی زندگی کا فلسفہ کی کینگیں خود غرض اس کو اپنی

فحش دھت پہلو شخصیت کے مہاں ہیں ہر پہلو  
اپنے اندر ایک نیا چاندور کے ہوئے ہے اور چنگ  
زندگی میں انہوں نے ہے یہ نہ جرات کہے ہیں اس  
لیے ان کی شخصیت اور بھی متحرک اور ساتھ ہی متحرک  
نہی گئی تھی ہادی ہے۔ یہ فحش کی شخصیت کا عنصر ہی  
ہے جو انہیں اشرافیہ میں ختم لینے کے بارہا ہل  
محرور میں کام کرنے پر مجبور کرتا ہے اس طرح میں  
انہوں نے کون کون سے پانچ نہیں دیکھے۔ ”سنگی کی“  
شاعری کی ”قرنی پند“ قریب کے مدح وداں ہے۔  
فاخرم کے خلاف میدان جنگ کے چاہی ہے  
مصالحت کی ”لٹ“ پر بھی کے قائم ہے اور ان کی مثالوں  
سے سیاست کی روحی خاندان کے دہائی ہوئے کا اصرار  
بھی سنکراتے ہوئے اپنے اور چپاں کر دیا اور  
روایتی سازش میں ملامت خیراتے گئے۔ فرجید  
کوئی سا حرا ہے جس کی حرا اور ہی فحش کا مقصد نہیں  
ظہری۔ یہ قلم سیاہی میں تمام حرا اور پاں ایک ایک  
کتاب کا حرا ہی تھی میں جن مجھے اس وقت صرف  
ان کے نقل سے لکھے گئے خطوط کے بارے میں چنگ  
پائیں کرتا ہیں۔

فیض 9 مارچ 1961ء کو گرفتار کیے گئے اور  
انہوں نے پہلا خط 7 مئی 1961ء کو میرا آؤ نقل  
سے لکھا یہ تمام خطوط انہوں نے انگریز کی میں اپنی حکم  
پاس لکھے۔ جس وقت یہ خط لکھے گئے اس وقت ان  
کی شامت کا ہمال دامن میں ہو گا بھی نہیں کیونکہ اس

قہاروں کی لگاؤ میں حال ٹھیک ہی رہا ہے مگر سب سے پہلے غم سے  
 تھے کہ ان کے پاس خرم سرجا بھی ہوئی تھی اور  
 سکریت اور باتیں بھی۔ یہ بھی جتنا ہی تقسیم ہوئی ہے  
 اور سیاسی قہاروں اور عام قہاروں کے درمیان غم  
 کی ایک بار کٹری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔  
 ظلی انسان سے جو آسائشیں چھینتی ہے وہ کبھی  
 معمولی ہوئی ہیں لیکن جنل کے اندر کبھی اہم صورت  
 اختیار کر جاتی ہیں اس کا اعادہ نقی کے ایک خط کے  
 اس انتخاب سے کیا جاسکتا ہے۔

”آج کا دن ہے کب میں ایک ہلکا سا ہمار  
 ہوا۔ جو یہ جی کہ ایک غم کے مطابق ہمیں دوبارہ رات  
 کو بند ہونے کی پابند جاتی کی تھی لیکن یہ غم کل  
 رات سے پہلے ہی ختم کر دیا گیا۔ رات کو بند  
 ہونے پانچو نے میں جھپٹی خود سے تو کچھ بھاری فرق

میں نہ تھا لیکن غم اپنی اظہار سے یہ فرق کافی اہم ہوتا  
 ہے۔ خاص طور سے جب باتیں ایسی سمجھ میں نہیں  
 کر آتی ہیں۔ کبھی کبھی جب میں رات کو بھڑکی سو  
 جاتا ہوں اور منہ اندھیرے آنکھ کھل جاتی ہے تو کچھ  
 زخماں کے سکوت اور سچ کی باتوں سے جب فارغ ہوں  
 تسکین ملتی ہے۔ میں بد ہواؤں کی ٹھکر نہیں کرنا چاہتا  
 کہ ٹھکر کا ہی سہہ تو کچھ نہ ہو چل کر پ ہے۔  
 اس لئے جہاں باتیں ہیں ان میں ہم جتنی بھی ٹھکر نہیں  
 فراہم کر سکتے فراہم کر کے اپنے دل کو روتی۔ کچھ  
 جتنی ہے کہ قہاروں کی زندگی۔“

نقی ان سطور میں ایک طرف پلٹے پلٹے  
 زخموں کی ٹھکر ہوں کا ذکر کرتا ہے تو دوسری طرف  
 غم سے بھرے کرنے کی باتیں کرتا ہے۔ یہ شامل ان  
 خطوط میں نقی ٹھکر ہوں غم میں ان ٹھکروں کا ذکر

خبر دہ کرتا ہے لیکن ان خطوط کا موضوع نہیں جانتے  
 پلٹے ان کا ذکر کرتا ہے وہ اصل بنیادی طور پر اسے دل  
 اور خوش آنکھ سستی کا شاعر ہے اور ہر خط میں وہ ان  
 باتوں کا اعادہ کرتا ہے اسرار کرتا ہے اور بنیادی طور پر  
 یہی اس کا فلسفہ زندگی ہے جو ٹھکر میں اور کبھی ٹھکرا  
 ہے۔

ان خطوط میں انسانی سرشت اور زخم و رستے  
 کے دلوں کا جس طرح اظہار ہوتا ہے وہ مثال ہی  
 صحیحات میں اس سے پہلے جو کا نقی زخماں کی باتوں  
 تا سید کی کو پاس نہیں چھوڑتا۔

”تمہارا 23 مارچ کا لکھا ہوا خط چوں کی  
 تصدیق سمیت آج مار۔ تمہارے بچے تھے تو صورت  
 جیسا اور کچھ بے گھر آئے گئے ہیں۔ یہاں اور  
 باتوں کے علاوہ سب سے زیادہ غمناک اس بات کا



نقی صاحبہ نے دہلی میں سے خطاب کرتے ہوئے

ہے کہ میں انہیں اپنے سامنے نہ دے سکتا ہوں  
 میں دیکھ سکتا ہوں کہ چاندی کی گرائی میں اس کی تربیت  
 کے بارے میں مجھے کوئی شکوک نہیں ہے اس کی  
 تربیت میں میرا اتنا ہی حصہ ہو سکتا تھا کہ انہیں خوش  
 رہنا سکھایا اور اس کی خوب ناز و براری کر دی گئی  
 خود غرضی کہ منظرِ صبر و حیا میں نہ جانی (دیکھ لے  
 معلوم ہے کہ کیا انہیں صبر کا اور اگر ان میں یہ شعور پیدا  
 ہو جائے کہ کیا بچہ و ملازمت ہے اور کیا نہیں ہے تو وہ  
 جیسے بھی اپنی زندگی بسر کریں ٹھیک ہے۔ خدا سے  
 دوست رہتے سگھنے کے لائق "Peace Comes  
 From Within" اگر وہ یہاں ہوتے تو میں  
 انہیں بتاتا کہ اس کے کچھ معنی کیا ہیں سب کچھ طے  
 پتہ چلا ہے کہ اگر اپنے دل میں آرام و سکون کا کوئی  
 احساس نہ ہو تو آدمی ظالم اور کھردرا سب مذاقیق  
 "سب غصوں" "سب مصائب" فرض وہ سب دیکھ  
 برداشت کر سکتا ہے جو باہر سے اس کی حالت پر چڑھ  
 ہوں۔ صرف گناہ کا احساس، فحاشی کا احساس یا  
 اپنے آپ سے دھار کرنے کا احساس لگنا ہی ہے جس  
 کا کوئی دوا کوئی علاج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اصلی  
 چیز ہے اور اس کا احساس زندگی بھر اپنے ساتھ رہتا  
 ہے۔ اس کے خلاف اگر اپنی عقل اور بے گناہی پر  
 یقین ہو جب اس کی مصیبت میں لگے اور غصہ نہ ہو  
 سب بے حد کی تلافی و سادہ دھرم کی اصطلاح میں  
 سمجھ سکتی گناہ کرنے کا کام ہے۔"

عقل کی کیفیات پر جس کو شک تھا ہے یقین نہ  
 دیکھا نہ خیال کیا ہے اس کی مثال مثال ہے اور چونکہ عام  
 کاری اور تھک دھار بھی عقل کی زندگی سے عام طور پر  
 افضل ہے اس لئے وہ نقصان پہنچانے والے  
 اور بے ادب اور شائروں کی عصمت کا حلیہ کرتا ہے لیکن  
 جن کیفیات سے اس میں اس کا گڑبڑ ہوتا ہے اس میں اس کی  
 کرب سے وہ ہمارے جیسے جیسے وہ اپنی پسلی

کوشش کے باوجود اپنی روح کا صدمہ دیکھ سکتا ہے۔ جس  
 طرح سے روحانی زندگی کے لیے جہاد تک پہنچنے  
 والوں کا صرف ایک پہلو عبادتِ حق میں رہنا ہے جن  
 کے شب و روز میں حذر و نگہ ہوتا ہے جو بے تکلیف و سستی  
 ہے اس کام میں سے انہیں کچھ ہاتھ پاتے اور ہم صرف  
 محنت کے موقع پر مسدود رہتے ہیں۔ ہمارے دل پہلے  
 ذکر کرتے ہیں یہی سبب عقل کا ہے کہ ہمارے دل پہلے  
 ہیں کہ عقل گمراہ ہے، میرا سامعہ گمراہ ہے لیکن  
 اس رضا کا اندازہ اپنی کار کا کہ اس کو سمجھا دیا ہے  
 اس کو جانے کے لیے اس کی ایک اور عقل دیکھا ہے۔  
 عقل انسان کو چاہتا رہتا ہے وہ غلطیاں  
 جاتا ہے وہ اہل و عیال پر اثرات مرتب کرتا ہے اور بہت  
 حد تک وہ مادیات میں ہو جاتا ہے اسے انسان کے  
 مستقبل پر سے سیدھا چھوٹتی ہے جس کی عقل کی فضاں  
 واقعی اس کے اعتقادات کی عقلی اور ادنیٰ سے لگتی  
 ہے اس کو زندہ و توانا دیکھ کر عقل کی تمام معنویت اس  
 کے لوگوں کی سکرانہ لوہاس کی انہیں کی چٹک نہیں  
 سمجھتی تھیں لیکن لطف یہ ہے کہ اس عقل کے پادشاہ  
 اپنے غلطو میں دلچسپی دیتا ہے نہ غلط سمجھتا ہے  
 حالانکہ وہ سادہ سادہ سبب عقل کرتا رہا ہے لیکن اس  
 کے پادشاہ کو کہ اپنے اور غلطو میں بھی کم کوئی مسودہ  
 ہے۔ وہ ان غلطو میں دھنسی جاتا ہے نہ سزاوارتہ اور  
 نہیں اور عوامیوں پر بھی غصہ و غضب کا اظہار نہیں  
 کرتا۔ وہی اس کی فکر سے کسی قسم کے غم و مارا عقل کا  
 اظہار ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے دشمنوں سے بھی ہار جاتی  
 دیکھتی نہیں وہ جلد جلد جس کی خبروں سے اس  
 کے لیے چہرہ زخم مر رہتا ہے۔ چہاں نہ ہو سکتا ہے۔  
 "جس میں پہلے نہیں گھبراہٹ کا شرم کا احساس ہے لیکن  
 یہاں بزم کا بہت دیر سے دیر سے ہوتا ہے اور غلط  
 کھانے کے لیے کھانا آج ہی ہاتھ آیا ہے۔ میں اور  
 دوسرے ساتھی ہمارے چرخ کی کج کوکھش لرزے کے

ذریعے یہاں پہنچے ہم نے جس لحاظ سے سفر کیا مجھے  
 کی چیز کی طرف صرف جانا ہے کی سرور کی زندگی میں  
 خوب دیکھتا ہوں گا۔ گاڑی میں جا رہے ہیں میں  
 ہوا کہ سب پر پتیاں اور ہو گئی ہیں۔ سفر کا لطف ادا  
 کہ ہمارے کھینچنے کی لذت نے غصہ کا بہت ہی قیمتی  
 یک داری ہاتھ آگئی اسے خون کے بہرہ جب وہ  
 مجھے چاک کمرے کے لیے مجھے کھلی ہمارے کا گناہ  
 اس سفر کی دیر غصہ ہوا ہوتا ہوا سرخ چاند  
 فروغ کا کھل کر اس کی کار (انہیں کہ ہو کہ جس  
 گدہ دہی تھی اور اس میں اضافہ دیا کی سب سے مزہ  
 چیز یعنی انسانوں کی محبت "میں سے اسے وہی عزم  
 رہے ان سب باتوں کی وجہ سے دل و دماغ پر سکون  
 ہے اب نہیں تھکتے ہیں کہ وہ انہیں کی تھکتے چار  
 دن و رات میں گزرتے ہیں اس میں سب سے  
 لذت ناک وہ تھے جب مجھے کھلی دیکھا احساس ہوا  
 کہ اپنے جانے والوں کو کسی ایسی چیز کی خاطر دیکھ  
 قیمت بچانے کو جو بہت مزہ دے لیکن ان کے لیے کہ  
 عقل نہ کہ عقل اور غلطو اور ہاتھ پاتے ہے اس نظر سے  
 دیکھ کر اپنی اہم یا حاصل ہوتی بھی خود غرضی کی ایک  
 صورت بن جاتی ہے اس لیے کہ یہی اصول کی دھن  
 میں آپ یہ بھول جاتے ہیں کہ دوسروں کو کیا بھی مزہ  
 ہے اور اس طرح اپنی خوشنودی کی خاطر دوسروں کا دل  
 دکھاتے ہیں۔ اس زمانے میں دل و دماغ پر خود کی  
 باتوں کا کشاف ہوا اپنے بارے میں اس میں دوسروں  
 کے بارے میں بھی اسے اپنے میں لپی بہت ہی کم ہوا  
 نظر آگئی تھی کہ وہ جو بچے گناہ میں نہ تو دوسروں میں  
 کیلنگ اور مالی حوصلگی کے اپنے ہاتھ دیکھ لے وہ جو  
 پہلے معلوم نہ تھے اس سادہ سادہ کے لیے دل  
 احساس نہ ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں سے نہیں کے  
 تو گناہ اپنی نصیبت پہلے سے زیادہ مکمل اور معلوم ہو گئی  
 میں نے یہ بھی انہی طرح غصوں کو کیا ہے کہ آدمی کے

لیے حساب بھی ہے کہ جو بکھوہ ہے اس پر قیامت  
 کہتے ہیں کہ وہ بکھوہ نہیں ہے وہ بکھوہ بننے کی کوشش میں  
 وقت اور محنت ضائع کر کے اس طرح کی کوشش سے  
 عائد ہر طور پر جی کے علاوہ بکھوہ حاصل نہیں۔

”ہاں“ تو میں کہہ رہا تھا سب سے میں یہاں  
 پہنچا ہوں طرف و خطر کا قلعہ کوئی احساس دل میں ہوتی  
 نہیں رہتا اگرچہ یہ احساس پہلے بھی بکھوہ یا زیادہ تھا  
 وہ اس حد سے کہ نہ صرف مجھ سے کوئی ایسی حرکت  
 سر نہ لیں، ہوتی تھے اعتدال طور سے کہ وہ کہہ سکتے ہیں  
 کوئی ایسا اور سبب بھی نہیں کیا تھے وہ کسی یا قانونی طور  
 سے جرم ظہور کیا جاسکتے یا سبب تو ہیں ہے کہ اگر کوئی زیادہ  
 دانا ہے تو خیال بھی نہیں آتا کہ ہم مثل خانے میں جہاں  
 ہیں گئے ہے کہ ہم اپنے مرضی سے یہاں ہیں اور اگر  
 یہاں سے باہر جانے کوئی چاہے تو کوئی ایسی روک  
 بھی نہیں سکتا۔ مثل میں اس امر کو اچھا حساب سے سمجھانے  
 چاہئے کہ کوئی مٹا ہے کہ وہ بکھوہ کی زیادہ نہیں۔ امیری  
 کے سب سے بڑے دن کٹ چکے ہیں اس لیے کتاب  
 اور بکھوہ کی ہر ذوق تھائی کا سامنا ہوتی ہے نہ پوسٹ کی  
 تکلیف وہ چاہے بکھوہ اور ہے اور اپنی جان اور ماضی  
 و افویہ سلامت ہیں اب تھادی اور بکھوہ کی تصویریں  
 سامنے نہ کہ جس طرح سے سکر اسکتا ہوں تھادی یاد  
 سے پہلے کی طرح دل میں دکھاتا اور یہ بھین پہلے سے  
 بھی زیادہ جھگڑا ہوا تھا ہے کہ زندگی خود بکھوہ کی دکھائے  
 ہوا طرح سے طلب شے بھی ہے اور بہت سبب بھی۔“

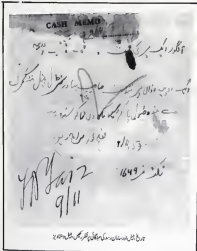
اس قدر انھیں حالات میں سمجھاتے رہتا یہ  
 بڑے دل گروہ کی بات ہے۔ عقل کہ یہ تمام اس کی  
 انسان ہوتی نے دعا کیا ہے انسان ہوتی کا جذبہ اس کی  
 رگہ ہے جس میں سببیت کر کے اس کے طویل کا حصہ  
 کیا ہے اس کی نصیبیت اس انسان ہوتی کے اندر چالی  
 ی نہیں پاسکتی۔ عقل کی واحد بچان ”عقل کا نقص“  
 عقل کا تڑپ ہی انسان ہوتی ہے چنانچہ اس لحاظ کے

انسانی حالت عقل کی سختی یا انکی تصویر پیش کرتے ہیں  
 وہی عقل جو محمل انھیں نظر آتا ہے۔ انھیں جو مشرف  
 انھیں بات ہے۔

○ ○ ○

”مجھے تمام وقت یہ خیال آتا رہا کہ  
 سریت اور خود فراموشی کے چہرے گزرتے جانے کے  
 بھاساں ہے چارے پوری بکھوہ کے دل میں دنیٰ و فراق  
 کا گماڑ اور بھی گہرا اور جانے گا۔ لذت پرستی کے قلعے  
 میں اس سوال کا کوئی جواب نہیں دتا کہ اگر واقعی لذت  
 کے بعد اس لذت سے زیادہ کچھ اٹھاتا ہے تو اس

لذت سے گریز کرنا چاہیے۔ اس سوال کا اس مشکل  
 اس لیے ہے کہ اس لذت اور درد کا حساب پہلے سے  
 دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں ہم زندگی کی پہلی  
 موتی تھیوت میں آتے اور سمجھتے ہیں کہ اخلاقی و  
 قلعے کے ہے کار مسائل سے اٹھنے کے لئے نہ وقت  
 ہے نہ خدائے مثال کے طور پر بھی بکھوہ پہلے نہیں  
 ایک دہ چارے میں نہ حالت ہوا تھا اور سب لوگ اس میں  
 ایسے ہی سمجھتے ہیں جیسے جھگڑا ایسے بھی کانوں  
 میں۔ پھر ہمارے وارڈ کی کالی لڑکی نے وہ تیس بہت  
 ڈاک ملے اور چاہے دینے اور سب لوگ پرورش







بال خاص ہیں تو پھر سے سرو پہاڑ جاتے۔"

○ ○ ○

"دی ایلیمنٹ" کے مصنف "ٹیمس آڈریج

ہیں اور "صوبہ ہڈلے" Head Bodley نے  
شائع کی ہے۔ میں نے بہت زمانے سے ایسی انجلی  
کتاب نہیں دیکھی تھی کہ میں نے حاصل کرنے کی  
کوشش کرونا شروع کی تھی۔ مجھے یہ اس میں شریک ہو  
سکو۔ ڈال کا موضوع تو ان میں بڑا قوی و رعب  
ہو گیا ہے لیکن اس کی خوبی موضوع کی جود سے نہیں  
ہے۔ غرض اس اخلاقی اور مذہبی انگلیں کے بیان میں  
بے حد تاثیر قلم نگار کی ذات پناز کرتی ہیں  
اور اس بارے میں کہ یہ انجلی جانتی اس انگلیں کی  
صلیب سے کیسے جود رہا ہوتی ہے۔ ایک طریقے سے  
اس میں اس سے پار کی اور اپنی کا خواب تھا ہے جس  
کا قلم نے ذکر کیا تھا۔ یہ احساس میں اس نے گہرے  
رہتا ہے کہ انسانی مسرت کی حد جود بھاری قوی طویل  
انہی کراں اور انہی ذاتی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے  
مقابلہ میں ایک فرد کی ذات باطن پہنچے اور ضرور کوئی  
دینی ہے لیکن یہ جیسی جود ہے اگر اس جود جود  
انہی فرد کی فکر سے بھر جود کہ کلیتہً یہاں اس جود  
سے ہوتی ہے کہ ہم انسانی رنج و غمش کے مسئلہ کو ذاتی  
فکر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس میں کا غرض تو یہ نظر  
سے دیکھنا حالت ہے اس کے کہ انسانی زندگی کو راحت  
اور اعتبار دہاتی یا غرضی مسئلہ ہے۔ جیسے کہ انگلیں  
کیلئے حاشیہ یا اپنے بچے کی طاقت ایک ذاتی مسئلہ  
ہے۔ اگر ہاں نہیں ہے تو اسے دیکھنے کا ایک ہی گنگ  
طریقہ ہے۔ یہ سادہ و اجنبی نقطہ نظر ہے۔ اگر اس فکر  
سے دیکھتے ہیں جود جود ہمارا ناما خدا اور اسے افواہ  
فکر آتی ہے۔ اس طور سے مسائل پر نگاہ ڈالنا مشکل  
اس لئے ہوتا ہے کہ ہم لوگ اپنی خود پسندی کی وجہ سے  
انجلی یا دینی طرح فکر نہیں کرتے کہ ہماری ذات فطری

میرا ہم ہے۔ میں نے ایلیمنٹس کیا ہے کہ انسانی رنج

اور غمش کی بنیاد و اصل بھی خود پسندی ہے لیکن اپنی  
ذات سے بہت زیادہ اہمیت دانت کرتے غرض کی  
ہدایت اور خود رنجی کے احساسات کی تہ میں بھی لوگ  
کا رفرما ہوتا ہے کہ ہماری کائنات ذاتی فضا اس  
کے مطابق ہوں تشکیل نہیں دی گئی۔ حاصل ہمارے  
تہمید سے جیسے لوگ جن کی خصوصیتیں باطنی عمل اور  
غیر باطنی ہیں اپنی ذات کو اس ذات کی حدود سے  
پر سے زیادہ بڑی چیزوں سے یک جان نہیں کر سکتے  
جس کے نتیجے میں باطنی اور فطرت کے احساس لازمی  
ہے۔ اس امر میں شاید میں تم سے زیادہ قصور وار  
ہوں۔ لیکن یہ بھی ایک قسم کی خود پسندی ہے مگر شاید  
مختلف و درجہ بالا کلیات قسم کی۔"

○ ○ ○

"جہادی قوت برداشت سے دل بہت  
باروں ہے۔ شاید میں نے لکھا تھا کہ اپنی خصوصیت کی  
گوارائیوں کا کم از کم ایک بار احسان ضرور ہونا چاہیے  
تاکہ یہ چٹا گلی نکلے کہ وہاں کیا ہے کہ نہیں ہے۔  
بہت قہر سے لوگ دیکھتے ہیں کہ جنہیں بھی نہ کیے جو  
احسان نہیں داتا سب اگر بد بشر لوگ سمجھتے ہیں کہ ان  
کی ہادی بھی نہیں آئے گی۔"

"اگر اس قصے کا خاتمہ یا پھر جود اور مجھے یقین  
ہے کہ یہ بھی جود کا سارے دکھ اور کے باوجود ہو سکتا  
ہو سکتا حالت ہو گا۔ اس کا سو فی صد غیر اخلاقی پہلو  
صرف ایک ہے اور وہ ہے عقل نسبت وقت کا ہرمانہ  
رواں۔ عمر کے قضا سے کہ ایک چار سال فطم ہو چکا ہے  
اور بہت قہر سے وقت میں جو بہت بچہ کرتے کہ ہے  
اس میں سے کوئی بھی کام پر نہیں ہو سکتا۔ جو فطرت سے  
فصل خانے کی تھریلی انجلیں اس کی عبادت نہیں  
دیتی کس کی جری طر اہست سے کوئی ملکہ کا مل سکے  
اگر چہ اس کا احساس اور اس کی تکرار میں مستقل دینی

ہے۔"

○ ○ ○

"کلمہ نکات میں ہم پھر پیچھے دے گئے ہیں اس  
لئے کہ قہر سے جیسے خدا یکبارگی حاصل ہوئے جس  
سے دل فضا بھی ہے اور ہم بھی۔ میں کوشش کروں گا  
کہ یہ حساب برابر ہو جائے۔ شاید تمہیں عجیب لگے  
لیکن یہاں خداوند کی فکر جو یہ بھی ہوتی ہے کہ  
جب یہاں ان چیزوں کی باوجود عمل کو مزید جود زیادہ  
حاصل لگے تو یہ پوری اس کی فطرت خصوصیت اور  
گمانے والی خصوصیت ہوتی ہیں کہ اس کے حدود میں  
نکات والے کوئی نہیں چاہتا۔ ہم کوئی کہ یہ اپنی کاپی  
اور عمل انسانی کا جادو ہر کار کے ایک پہلو ہے اور  
قہر کا ایک پہلو بھی ہے۔ میں نے شاید پہلے ہی لکھا  
تھا کہ کمال خانے کی زندگی میں بہت سی پھولی پھولی  
طور غریبوں اور غریبوں کو دیتی ہیں۔ تو یہ پہلے  
پہلو لیکن خواتین کی اہمیت کا بھی ایک پہلو ہے  
نہیں ہوا تھا جیسا کہ اب ہے۔ یہ ذہنیت ہر قدرتی کی  
عام اہمیت ہے۔ اب معلوم ہوا کہ کس قدرتی فضا میں  
پھولی پھولی اور انجلیوں سے ان کی گہرے دیکھنے مسائل  
دکھائی دیتے گئے ہیں اور انہی اور ہم اور میری ذاتی مسائل سے  
فطرت سے فطرت سمجھتے ہوئے پوری بدعنوانی بھی خود میری  
بھی خاک ہوئی انجلی یا جو پاس جانے سے فطرت کو رنج  
اور انجلی سے جود کی جھانک دیتی ہے سب باطنی عقیدہ و فطم  
زندگی کے عام فطرتی اصول کی نذرانہ جود آسانی سے  
آزاد کوئی کی کچھ میں نہیں آتے۔ لیکن ان سب  
باتوں کے باوجود دیکھا اچھے ہیں کی زندگی میں بھی  
ہوتے ہیں۔ خدا ان کے دل میں نے وہی سے  
بندو جاتی ہو سکتی کے لئے رہنے کو کہا (اور اسے  
پاکستان دینے پر جو سچ مستقل کھاتی ہے اس میں اصل  
مطلوبی کوئی کی نہیں ہیں کے کلمہ دیکھتے ہیں نہیں  
آج۔ معلوم ہوتا ہے کہ اور سے سب اچھے ہو سکتا

برکت ملی خاں "مسیحی" بکراؤن وچرہ اور پیرا ریڈ  
 دلوں وچ مرام میں آؤ مطوم ہے ہم نے کیا نام تم بھی  
 نہیں دیا جو سرگرمی و ریڈ ہے اس زمانے کے سب سے  
 بڑے جاکن بجائے والے Yehudi  
 Menuhin اور Bach  
 Paganini کے لئے بنائے تھے۔  
 پھر میں بہت میں ملے اس کے بارے میں سوچا تو  
 بہت دھوکے لگی آؤ اور ضرر بھی اس ملک کا کام ہوئے  
 پانچ برس ہو چکے ہیں اور ان پانچ برس میں ہم نے  
 اپنے لوگوں کے لئے کتنی تھپ ہور، پاکیزہ طرح  
 کا کوئی بھی سوانی فرام نہیں کیا۔ اگرچہ اس دور میں  
 ہور طرح طرآن کے "تھپتھے" ہر روز ہر جگہ ہوتے  
 ہیں۔ میں صرف یہی سوچتا ہے کہ کیا ہم نے جتنی  
 قدرتی تھپتھے ہر صحن کو چیک ہا کر رہی ہیں ان سے  
 فراغت کا طور انگوٹھی نہیں کوئی گئی رہی ہر  
 اہمیت نہیں رہی۔ یاد کریں کہ کچھ لوگوں کو انٹیکسٹو  
 خوردان اور گنا چلانے کی سوتیں ہم نکالیں یہی ہور  
 رہا تھا۔ کے پھر یہ سب کچھ ہولی جائیگا۔  
 ہندوستان ہم نے جاکھ کسی بھی جگہ ہانڈیا کا  
 فصل ملک کے سارے سے نہیں ہوتا۔ سوچتے اور بچتے  
 اپنے کے آداب و اخلاص سے ہوتا ہے۔ تو کیا ہم نے کہ  
 ہمارے ملک کے لوگ اگر بہت عموماً ہنڈیا بہت نہیں  
 سمجھتے تو کہاں کہیں کے سونے تو کچھ نہیں۔ خبر شاید بھی  
 نہ لگی ایسے ان بھی آئیں گے اور شاید کچھ اس بارے  
 میں کہتے بھی نہ پاتے۔"

○ ○ ○

"یہی کہ خوشی ہوئی کہ اب بھی اپنے لوگ باقی  
 ہیں جنہیں ہم چھپے رازدار، لوگوں کی صحت میں  
 دلچسپی ہے۔ ہماری صحت میں کسی نہ یہاں کے سب  
 لوگ رازدار کرتے ہیں ہاں اولیٰ دے کی ہے ہندو  
 اس سے خود کوئی ہی خوشی ہے کہ ان کی پورائی میں جو

وزن لگایا تھا وہ ہور دھکتا ہے۔ (تفصیلی نام  
 کا ذکر نہیں کیا جاتا۔) کے بارے میں یہی کہ رہا  
 ہور دھکتا ہے ان کی کئی لڑکیاں ہوں گی جنہیں زمانے  
 کی شکست اور خود غرضی تو جتنی بھی ہور دھکتا  
 ہور رہے ہو پھر کرتی ہے جس کے نتیجے میں صرف  
 ان کی اولیٰ زندگی میں ہی کا ذکر نہیں جاتا ہے بلکہ ہم  
 میں ہور ان کے بارے میں دوسری لڑکیوں میں بھی  
 سراحت کہ ہوتا ہے اس کا احترام کسی ہے ہور آدمی  
 کا ہمارے کے طور پر اس اچھی دھکتہ کے ہور  
 جو صرف معاشرتی انتحاب تھا ہے۔ ہور ہو سکتا ہے  
 ظروزی رنگہ ہول کے ایسے اسباب بھی بہت ہیں جو  
 خود ہی ہی صحت "شکست" اور کچھ ہور ہوتے اور ہور  
 کے جاننے تو کمزور کے ہاں کچھ ہیں۔ لیکن بہت ہور  
 شکست کی طلب میں ہور دھکتے والے ماننے زیادہ ہیں  
 ہور بچے ہاں ہاتھ کے کم کچھ اور شکست دلی کا ہور  
 ہور دھکتے نہیں آتے۔ ہور مال اس کی حفاظت میں  
 کچھ ہور ہر گز لازم ہے ہور یہی کہ تم نے کچھ پائی  
 ہولی اسی میں ہے کہ آدمی دوسروں سے لگتی کرتا  
 رہ ہندو اس کے کوئی میں کسی ملے یا صحن ہندی  
 کی توقع نہ لگی ہور بچہ ہندی ہندی کا سامنا ہور  
 اگر آدمی لگتی کے کوئی میں لگتی کی توقع رکھتے تو اس کے  
 چوٹی ہور کے کہ لگا کا حکم ہاں خود کچھ ہے۔ ظاہر  
 ہے کہ یہ سوچ تھا ہے اس لئے کہ ایک لکھا کا حکم میں  
 بھی کو کچھ ہوتا ہوتا ہے کہ اس خود سے لگتی  
 کرنے کے لئے دست اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی  
 ہوتے۔"

○ ○ ○

"تھپتھے دھکتے ایک آج ہور دوسرا  
 ایک دن پہلے۔ دوسرا خط پڑھ کر خاص طور سے خوشی  
 ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی میناں کی صحت سے  
 ہمارے دماغ کب کے دست ہور چکے ہوں گے۔"

ان میں تو اچھا چوٹی اس زمانے میں قلاب ہم قلاب میں  
 خاکستری دھکتا ہے کہتے تھے۔ اگر انہیں ہور اکام  
 اب بھی ہندو ہے تو اس کا مطلب ہے کہ قلاب میں کسی کم  
 عمل نہیں جیسا کہ ہم سمجھتے تھے۔ ہور انہیں پانچ زندگی  
 کے ہنڈیا تو دھکتے تو ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہے۔ لیکن  
 اس سے زیادہ ہم ہور زیادہ خوشی کا ایک عام آدمی کی  
 دانے ہے ہور ملے جانے کی ہے۔ اس لئے کہ اپنے  
 ذاتی سکون خاطر کے علاوہ دانے ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 حقیقت سے بھی ہے جس سے ہور ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 ہے۔ اس وقت پہ قلاب ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 وصال ہے ہور کی بات نہیں ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 حقیقت ہے اس لئے قلاب ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا

○ ○ ○

"یہ سن ہے زندگی بھی لگی ہے  
 قلاب کرتی ہے کبھی عموماً طرہ ہور کسی سبب صحت  
 پڑ ہے اور زندگی اسے آٹھ کرنے کے لئے کیے  
 کچھ و طرہ ہے لے ہور کیے کچھ و طرہ ہنڈیا ہنڈیا  
 انتحاب کرتی ہے ہاں ہور ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 کچھ مینڈ کی طرہ۔ اور شاید اس ہور سے اس میں  
 سے لوگائے رکھنا اچھا لگتا ہے۔ کچھ ہنڈیا ہے کہ  
 میں نے گزشتہ بار اپنی کچھیں نہیں یاد راست نہیں  
 کچھیں آٹھ ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 تھپتھے دانے کچھ مطوم ہے ہور کچھ اس سے کچھ  
 زیادہ انتحاب بھی نہیں کچھ لگتی ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 میں بھی بہت سے ڈو پڑا ہے ہوتے ہیں جنہیں جانی  
 کچھ رکھنا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 رچا لکھ نہیں۔ ان ہی صاحب کی مثال کے لئے ہور  
 کچھ ہیں ہیں۔ لیکن پڑا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 میں بہت سے کچھ کچھ ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 کہ دانے اور انہیں ہندی کچھ ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا  
 ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا ہنڈیا

بھڑکے تھے تو رہنے سا حور۔ یہ۔ بیگ ہے کس میں ان کی حجاب کی صورت بھی تمام بعض اوقات انہوں نے ان کوں کی احتیاط سے گامد بھی اٹھایا لیکن یہ تصویر کا ایک سٹے ہے اور اس سے تصویر کے دوسرے سٹے کی گئی نہیں ہوتی۔ لکھے معلوم ہے کہ تھوڑے سے حق و باطل کے Down Right فٹنے میں اس طرح کی سوشلائزوں کی گمانش نہیں ہے لیکن انہیں اس نسبت کو رد و حق کوئی برداشت کر لینا چاہئے جو ہیڈ سٹریٹ میں تعلیم پر حیات قدر نہیں دیکھتی۔"

○ ○ ○

" میں صرف جسمانی تکلیف کا نہیں سوچ رہا ہوں اگرچہ وہ بھی اپنی جگہ میرا آماج ہے مجھے زیادہ خیال اس تشنگی اور خوش حیرانی کا ہے جو اپنے اندر ہوتی ہے اور جسے بہت زیادہ جسمانی سختی چسکی لگتی ہے۔ مگر جب بیکھریاں لگیں کہ کتاب ہو جاتا ہے تو آدمی زندگی کے حسن و خوبی سے لطف اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔ مشکل سے مشکل اور سچ سے سچ زندگی میں بھی لطف و اطمینان کا بہتہ بہتہ سامان مل رہا ہے جس سے عمر کی کسی طرح برداشت نہیں کرنی چاہئے۔ اب کا دور کائنات بہت ہی نامنظمانہ اور غیر معتدل ہوتا ہے کہ نہ کئی تو ضرور محسوس ہو گئی لیکن اس کی کوئی سرحد و قعر یہ غالب آئے نہیں رہا چاہئے جو زندگی کی سطح ہے اور جس کی سادگیت سے حسن کا نکاح کے لگتی نظر نہ پڑتا ہے۔"

○ ○ ○

" حور سے جس دوست کی بیوی کے بارے میں تم نے پوچھا ہے ان کا مسئلہ ہی ہے جو اور برادرانِ دلوں کا ہے یعنی چاند اور دھوپے پیپے کے جھگڑے۔ جب تک ذاتی ملکیت کا سوء و اقام قائم ہے اس مسئلہ کوئی قطعی حل نہ پڑا نہیں ہو سکتا۔ بہت دور ذاتی مسئلے کی طرح اس سے بچنے کی صورتیں ہیں۔

ایک یہ گرا آدمی اس سے بڑا ہے یا نہ ہو جائے اور دوسرے یہ کہ آدمی اس کے چھپے اب کرو جائے۔ دوسری صورت یہ کہ آدمی اس کے بچنے کی بجائے ہی صورت کو اپنی طور پر لکھا ہے اس کی خاطر یہ دوسری مصیبت کوئی 'لامت' کا نفع ہی کہ جو بھی کسی کو چاہے ٹھیک ہے تاکہ اپنے اور مردوں کے ساتھ ناخوشی میں کہہ کی ہو سکتے ہو کوئی سید حور اور حور کا لٹو نہیں ہے۔ جس کی سے چھپے بھی ہی چاہے دیکھے کہ۔ شرم و صرف یہ ہے کہ آدمی اپنی سادگی و تواضع و ادب اور زیادہ باطنی اور زیادہ اہم چیزوں پر مرکوز رکھے بلکہ ایک طرح سے زیادہ تکلیف دہ اور میرا اندازہ ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی اور راستہ موجود ہی نہیں۔"

○ ○ ○

"For Singing Tomorrows"

بہت حسین ترکیب ہے۔ ہاں سب بکھارنے والے نظر آج آدمی کے لئے ہے۔ آج کا دور بھی 'آئو بھی' گفت بھی ہو کر رہی ہو گی۔ اور آج کا دور جو دور توکل کا دور بھی رہتا ہے۔ اس طرح ہر دو کھیراں جو گزرتا ہے اپنی آنکھوں پر ساتھ لگتا ہے۔ یہ لیکن ساتھ لگتا ہے کہ جو دور گزر چکا ہے جس کے لئے معدوم ہو چکا اور اس کے بعد جو بھی دن آئے گا اس سے قافلہ ہو گا اور بہت ممکن ہے کہ اس سے بھر ہو اس لئے لازم بھی ہے کہ آنے والے دنوں پر نظر ڈالنے لیکن اور بچنے ہوئے دنوں کو بلکہ سادگی و عدم کے ساتھ اپنی ہو جانے دیں۔"

○ ○ ○

"اگرچہ مجھے اپنے دل میں یقین ہے کہ یہ بات ہوگا لیکن اگر کہیں گفت اور اتفاق کے ساتھ وہ بھی ہر کرنے پر سزا دیکھے اس سے بھی کوئی یقین ہے کہ امید اور شغل کے سہارے ہم انہیں بھی گزرا دیں گے۔ اب تک زندگی بانی ہے کسی معیشت کے سامنے

مرگن نہیں ہوتا چاہئے اس لئے کہ کسی نہ کسی طرح سب تصورات پر سے ہم چلتے ہیں اور ہر دو کھیراں کی طاقی ہو جاتی ہے ہم چھپے صرف اپنی زندگی اور اپنی جان ہے جو خیر کام کی ہے اور امید رہتی ہیں۔ اور مجھے معلوم ہے کہ زندگی بانی ہے۔"

○ ○ ○

"جانشینی اس میں ہے کہ ہمارے صورت حال کا مکان بھی جتنی ضروری ہے آئندہ کے بارے میں اضافی نظم بہت محدود رہتا ہے اور تکلیف دہ حادیت کے امکانات ہیں جو اس لئے ہر کی کو اس حد تک غلطی ضرور ہو چاہئے کہ جو بھی صورت اپنی آئے اسے زیادہ مستعد و سرسبز ہوئے بغیر قبول کر لے۔ ہم تو اس بارے میں بہت زیادہ غلطی ہیں۔ اول یہ چاہئے ہوئے کہ خیر کی یاد بھی نہیں ہوتی اور دم یہ چاہئے ہوئے بھی کہ تم میں اتنی صحت اور کھیراں جو جو ہے کہ کل بھی سامنے لگاتے ہوئے اس سے حوصلے سے برداشت کر لو گی۔ اصل میں انہیں بھی بکھ کیلئے لے لیا تھا اگرچہ یہ سب بکھ کیلئے کی انکی بکھ ضرورت بھی نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی خاص حوصلہ نہیں ہے تو فی طور پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کبھی فراغت سے سب باتیں لے کر گئیں کے گزرتے کہ جہاں بھی حقد ہمیں ملے کی سہارت دے۔ میرا بڑا یہ خیال نہیں کہ حور جو بکھ میں نے لکھا ہے اس سے تم کوئی اور چیز اٹھ کر لے کی کاوش کرو۔ یا کوئی سے دوسرے اپنے دل میں ملاؤ۔ یہاں کی صورت حال میں کسی کی بات کا اظہار نہیں ہوا۔ وہی صورت ہے جو ہمیشہ ہے جی۔ یعنی امید کا ایک دوسرا خیال ہے اور اس کے ساتھ بے یقینی کی ایک بار حور کی۔ میں نے جو بکھ لکھا ہے اس کے سوا صرف اس قدر رہی کہ اس بار حور کی کوئی نظر انداز نہیں کرتا چاہئے۔"

○ ○ ○



ہائے گلا سزا کی سزا کا ایک ہفتہ بھر میں جتنے کے

○ ○ ○

”وکیل کو دینے کو دینا مجھے جواب صرف ایک

سوا طرہ دیتی ہیں اور وہی بہت تیزی سے دیکھی گئیں

اور دیکھی گئیں اور بدستور کرتے جا رہے ہیں۔ جیسے

شاہ کو یہ خیال کا قصہ معلوم ہو۔ یہ ہے کہ اگر

چاہتی تھیں تو اس طرح وہ تو صرف اگلے قدم کو دیکھ

جاتے اور جس پہلی تک پہنچتا ہے اور وہ دیکھ کر دیکھ

جاتے۔ وہ جب تک وہاں پہنچا نہ دیکھا۔ یہ پیش

آئی اور دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

گا۔ صرف ایک قدم اور اس کے بعد اگلے قدم پر توجہ

طرح دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

جاتی ہے۔ تم نے یہ چاہا ہے کہ اس دوران میں امرات

وقت اپنی جو رہی اور اس صورت پر جو غضب احاطہ

کے اس کا مسئلہ کیا ہے۔ ایک ذہنی حقیقت جو میں نے

میں اس صورت کی ہے۔ یہ ہے کہ اپنی عمر اور عقل و

صورت صرف اپنی اور دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

ہیں اس صورت پر آپ دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

ہیں۔ جیسے جیسے انکسار دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

جاتا ہے ویسے ویسے اپنی فنی دنیا کے وسیع زیادہ

گھر کے زیادہ کھل اور زیادہ آسودہ ہوتے جاتے

ہیں۔ جس طرح ہر روز طاقی دنیا بھر دنیا بھر زیادہ دیکھ

ہوتی جاتی ہے اسی انداز سے ہر روز اپنے عزیز تر

ہوتے جاتے ہیں اس لئے کہ بہت اور دینی کا صرف

میں ایک مراد یہ اپنے پاس رہ جاتا ہے اور جلد اپنی

آسودگی کے لئے اسی لئے یہ بھی کرنا پڑتا ہے۔

فطرت کے نظام میں تبدیلی کی روایت سے غریبی کا

سلہ بھی ہے کہ جیسے ہوتے ہیں اس سے جو دیکھ کر دیکھ

میں رہتا ہے اس کا شعور اور اس کی قدر پہلے سے کہیں

ہائے گلا سزا کی سزا کا ایک ہفتہ بھر میں جتنے کے

بعد ایک عرصہ نہ دیکھا اور گا۔ اس نے اس کا مراد یہاں

لگایا ہے کہ اگر کوئی رعایت نہ دیکھی ہو اور وہی میرا

واقعہ باحکمت میں عام طور سے ہر سال حقیقت کے

عملی چند جتنے صاف کر دینے جاتے ہیں انہی کے

سالانہ حسابات پر مبنی ہر سال حقیقت کی ہے۔ ان کی ہر سال

تو دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

کے حقیقی یہ ہیں کہ ہر سال صرف ایک سو اسی جتنے جاتی

رہ جائیں گے اور بہت اگلی شروع ہو گئی ہیں ہوتی

ہے۔ میں نے اپنے لئے انکا کام لگا کر دیکھا ہے کہ

کھڑی ہیں آتا اس مختصر عرصے میں اسے چاہیے

کرنے کے تمام ہر سال کا تمام ایک ایک ایک ایک ایک

اپنے آری انہی کرنے پہلے کے ہیں انکی ضرورت

کی طرح ڈاکٹریت کا تھیں گھر ہے ہیں۔ یہ کام تمام

نہ کچھ گا دیکھ کر آجائیں گے۔ رعایت صرف اس

بات پر ہے کہ ہم یہاں آرام سے رہنا چاہتے ہیں اور ہم

پر اپنے لیے اور دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

ذمہ داری ہے جو مردوں کا کام ہے اور انکے مرد کا کام

اور وہی پر نہیں پہنچا کرتے۔ یہ خیال آتا ہے تو

خاصیت سے بہت آجاتا ہے لیکن کتنی آجاتا ہے۔“

○ ○ ○

”جیسے میں نے لکھا تھا میں نے تو اسے حالات

سے پہلی طرح سمجھ کر لیا ہے۔ صرف تم لوگوں کی

خیر و خالی کے بارے میں بھی دل کو پریشانی ہوتی

ہے جیسی تھوڑی بہت اور بہادری کا سوچ کر اپنے دل

کو اٹھانے کے لیے کہوں۔ اگرچہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ

اسی بہادری سے جسم و جان پر کیا گزرتی ہے۔ اپنے

حالات میں جو وہ دل کی جگہ رعایت بھی طوطہ دیکھی

چاہتے ہو اس لئے تم کے ساتھ میرے جگانے پر نام نہ نہ

چاہیے۔ البتہ تم اور میرا اشت کے لیے مرانا یہ قدم

میں کوئی اعتراض نہیں آتی چاہیے اور دنیا والوں کے

زیادہ ہو جاتی ہے۔ جب راز کھلے گئے تو کھلا کر

جو صاحب تک میرے ساتھ چلے تو جتنے باطنی تعلقات

کی بھی کھول دی اور سارا اس کے انہی میں ہو گئی جو

صرف عمر کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ مجھے جواب یہ کہ

ہوتے لگے کہ جگہ بہت اور دینی ہے۔ یہ سمجھ ہوتے

سے پہلے گئیں ہی نہیں۔ یہ دیکھنے ہی ان لوگوں کے

انہی میں ہیں جو جوتی کے لیے اور صاحب کو اپنے چاہنے

ہوں جب طرح طرح کے اسل پھوڑے دیکھ کر اس دل

کھینچتے ہیں۔ جوتی کی حقیقی تو سب دیکھ ہے سب

فریب نظر ہے اگرچہ ہر فریب نظر میں بھی ہوتا ہے

اس لئے قابل قدر دیکھی۔ شاید جیسے حادی حلیہ حکمت

پر مبنی آری ہو گئی اس لئے نہیں کرتے ہیں۔“

○ ○ ○

”۔۔۔ میں بہار کے نام ایک سلام لکھنا

چاہتا ہوں اور دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

کا ہر بار دنیا ختم کر دیا ہی ہوئی میں ہے جیسا کہ کڑاں

کی حکایت کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

کے طلب کے لئے بھی دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

نہیں کھلا کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

نکلیں۔ میں بھی انکی نظم میں ہی میں حضور کی گھر اور

کی جو میں اپنی طلب کے بارے میں لکھ چکا ہوں یہ

بھری سب سے دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

نہیں چاہتا کہ اپنے بچوں کو اس سے کم نہ کرے کہ چیز

پیش کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

خارج ادا کر سکوں اصل میں اب اس طرح کی پہنچی

سوئی چیز یہ لکھنے کوئی نہیں چاہتا۔ کیا احتیاج یہ اور

ہائے تو اور اس سے کہ پہلی دیکھ کر دیکھ کر دیکھ

کوئی ذہنی چیز لکھوں جس میں اپنے دور کی عظیم باتوں

کھلیں حیات کا پہلو ہو سکے اس لئے کہ ہر اور شاید

تاریخ کا سب سے شہنشاہ اور دلوں کا گورنر ہے۔ نہ جانے یہ کبھی لکھا جائے گا کہ کبھی۔ لیکن اور اور ضرور ہے۔"

○ ○ ○

"ایک اور بھٹو ختم ہونے کا ہے۔ یہاں ہوا کے برقیں پنا میں اور صبح کی بجلی میں موسم گرمی کا تاثر پیدا ہو چکی ہے۔ گرام کو انگریزی میں Summer کہتے ہیں اور بہار کے لئے بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن ہماری گرمیوں کو بہار کا موسم کہا جائے گا۔ ہاں مسموٰی خیز ہات ہے اور اس موسم کے خاتمے کو خواں کہنا بھی چاہیے ہے۔ اصل میں بہار اور غصا تو بددلی اور دوسرے لفظ ہیں جن کا کوئی سروی سے بہت کم تعلق ہے۔ ان کا مسموٰی تو ہے ختم ہونا اور اس سے لہذا ختم ہونے کی رفتار اور اس کا خاتمہ دل جاننے کے دن اور گزارنے کے دن 'ختم' برداشت کرنے کا موسم اور سکھ کا سانس' آسانگی' خوشحالی اور افسانہ و محرومی اور سکھ سے ہلکا بہار کا یہاں کوئی موسم نہیں آتا۔ صرف گرمی سروی کا موسم آتا ہے۔ ہر لفظ لوگوں کے لئے موسم کا ایک پیغام بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ موسم قریب آئے گا تو تم اس کی آمد پر ہراساں ہو گی' لیکن میں اس کا خوشبودی خاطر سے انتظار کر رہا ہوں۔ جو یہ ہے کہ یہاں موسم کی ہر بددلی خوش آسمان ہوتی ہے۔ کبھی کبھار کسی مزاح پر سے کے دہار کے سوا یہاں کی زندگی میں بھی واحد تبدیلی ہے جسے ہم جانتے ہیں اس کے علاوہ موسم تبدیل ہوتا ہے تو اور بہت سی چیزیں بدل جاتی ہیں۔ زمین اور آسمان اور پلوں کی رنگت بدل جاتی ہے رات کو سونے کی جگہ بچے مٹے گپ کرنے اور سونے جانے کے اوقات' زندگی کا دوسرا مسموٰی اور سوچ اور احساس کا دوسرا سب کچھ بدل جاتا ہے۔ ہر اگر کسب لطف اور حیرت نگاہ کی مس یاتی ہوتی ہے سب کچھ بہت عجیب اور بہت اچھا

لگتا ہے نہ کہ فرحت ہوتی ہے۔ تخیل خانے میں آدمی کتنا خود غرض ہو جاتا ہے۔ میں ان لذتوں کا ذکر کرتے ہوں۔ ہاں وہاں تک مجھے معلوم ہے کہ کچھ صحت کش ہوتوں کے لئے اور دم چھٹے لگے دھنوں کے بچوں کے لئے اس موسم کے کیا سبق ہیں اور ان لوگوں کے لئے کیا سبق ہیں جو ہم سے بھی زیادہ تجربہ و احتیاج ہیں اپنی مصیبت میں ان کی مصیبت بھی مثال ہے۔ اپنی ترحاں کے ساتھ ان کی ترحاں بھی کی رہتی ہے اور وہاں ہر کچھ کی ہاں کا دیکھنا سب فرقت اور یہ ہیں اور ہر ہاں کا اور سب بچوں کے اسکو جنہیں عالم اچھان کے لوگوں کے پاس جانے سے روکتے ہیں جنہیں ان کے درد کے ساتھ ان کی صحت اور ان کا تعلق بھی اپنے ساتھ لگا رہتا ہے' یہ ایک دوسرے کی صفائی کرتے رہتے ہیں اس لئے ہل ٹھکر نہیں کھاتا۔

"تم اس بات سے پرہیز ہو کہ کسی نے نصیحتیں اور کلام اور دوسروں کی مشق کے پر ختم کا طعنہ دیا۔ یہ واقعی بہت عجیب ہے اور دل دکھانے والی بات ہے لیکن قوی صافرت کا حاصر ہے کہ وہ برے ہے جو بددلی ہے۔ ہر کچھ بھی لگا رہا تھا آجائے طوور دیکھا ہی مصوم اور بے گناہ کیوں نہ ہو' اسے اپنا بچپانے سے نہیں چھوڑا۔ اس لئے انہی صافرت اور قصبات سے بچو۔ بچاؤ ضروری ہے۔ اسی سب سے ہم فرقت اور لگ بھگ ہر کسی کے خلاف انسان وقتی اور اخلاقی کے عالمگیر جدوجہد میں شامل ہیں۔ جہاں تک لفظ کی ضرورت ترحاں کا سوال ہے میرے لئے ہم دھنوں میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو کڑوہ و خفا کے بعد لگے بھی ایک خوشگوار عالم کرنا چاہتے ہوں گے۔ اپنے لڑکھاتے بچے لکھنا کوشش کرتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ جو لوگ مجھ سے واقف ہیں ان کی نظر میں یہ چشمیں ہاں ہے مٹی ہیں اور جو ناواقف ہیں ان کی رائے ہاں ہے

فرحت ہے۔ یہی بات تمہارے بارے میں بھی سچ ہے۔" وہ لوگ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں وہی وہی پر اختیار کرنا چاہتے جو حضرت عیسیٰ کا تھا۔ صرف انسانی حق کی وجہ سے نہیں بلکہ کلی صفت کی خاطر۔ میں ذکر کرتا ہوں سکون و اطمینان الہی پرستان طرقاتوں کے دم و گرم ہے ہوتا ہے اور دنیا میں ایسے افراد کبھی کم نہیں ہوتے۔"

○ ○ ○

"آج ایک اچھا روز ہے۔ حاضری کوئی دن آسانی سے اپنا بچہ کبھی کے خاتمے نہیں کرتی۔ اور ہم میں سے ہر کوئی ایک بچہ اپنے دل میں لئے رہتا ہے۔ یہ بچہ مستحکم ہے۔ صرف اپنا حق نہیں ساری دنیا کا مستحکم۔"

○ ○ ○

"تم چاہو تو غلامی کے بارے میں اپنی قلبیاد بحث میرے شروع کریں۔ تم کبھی ہو کر ہمارے قلمے میں پر نصیحتیں کہہ کر انہیں لوگ سے اپنے منہ کے لئے سزا کر لیتے ہیں جس سے دھڑکی اور لڑا پیدا ہوتا ہے۔ یہ بالکل عجیب ہے۔ اگر یہ لوگ ہر بات میں محتول اور دلی ہوں تو کچھ بھی دیکھنا ہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے انہیں سمجھانے چھانے ہاں کی کسی طرح بھڑکی کرنے کا بھی کوئی سولہ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر انہیں بتا دیا کہ انہیں بالکل ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ اگر جہم میں جاتے ہیں تو ہمارے لئے تم سے اتفاق ہے کہ اپنے ذہنی آداب اور ہر سکون قلب کی خاطر یہ بچہ ہر چیز و داشتہ لوگ سچی کرتے ہیں لیکن ایک چھوٹی سی اطمینان بخش افادہ ہر قسم کے لوگوں کی نگاہ سے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس صورت حال میں انہیں ضرور مداخلت کرنی چاہئے۔ اس خیال سے کہ شاید اس طرح کسی کی ہجرت ہو جائے۔ یہ خیال عام طور سے





پیش رو مجلس مداحین، علیہ السلام، حیدر

”مجھے تم نے کیا ہے اس بات سے بہت ڈھارس اٹھتی ہے کہ کتنی اور دینی کار جو فنا نہیں ہو اور دنیا سب حکم احکم کے پادشہ واصل شفیق اور مہربان ہے کیونکہ اس کی انکسرتی ہمارے قہار سے جیسے حقیر لم ذہن لوگوں پر مشتمل ہے جو بدی سے غارت کرتے ہیں اور جو حق تعالیٰ بہت ان کے پاس ہوا ہے اپنے سے زیادہ کمزوریوں کو راحت پہنچانے کیلئے قرآن کرہ چنے سے دریغ نہیں کرتے۔ مثلاً اگے ہی دن کوئی بچی بہت بڑا صبا مضامین کا ایک بڑا سا بکس میرے لئے پھونک گیا۔ دریافت کرنے پر صرف اچھا معلوم ہوا کہ کوئی مس صاحب پھونک گیا ہیں اس لئے میں یہ بھی لکھیں چاہتا کہ کسی کا شکر یہ ادا کروں۔ شاید تمہاری ہی سہیلیوں میں سے کوئی ہو۔ بہر حال یہ خیال جسے بھی آیا شیرینی سے زیادہ شیریں تھا۔“

○ ○ ○

”تم نے جس زور و شور سے اپنے ذہانت ڈھنڈالنے کی کوشش کی ہے اس سے بہت لطف آیا۔ میں جانتا ہوں کہ دنیا کا کاروبار اسی قلعے کی بنیاد پر چلتا ہے اس لئے اس کی تعمیر کیسے کر سکتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنی طرف سے پہلا چھترنہ پیچک مارنے کا میرا جرحہ ہے وہ تمہارے قلعے کے مقابلے میں لہجہ غیر اہم ہے اور اس قلعے سے صرف شاعری پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ جیسا شاعری ہو۔ لیکن ذہانت ڈھنڈالنے کے قلعے کی بیرونی میں بعض اوقات دیکھو وہاں کمار، جا کا ایک طرف قلعے کے باہر ہیں جس سے مصروف ہو جاتا ہے۔ بعد میں قلعے کی بیرونی میں سادہ مسائل کو ذرا دیکھو وہاں کی کوشش کی جاتی ہے اور اس سے بھی مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں اختلاف کے پادشہ تمہارے قلعے کا احترام کرتا ہوں لیکن تم میرے قلعے کا کام کرنے کو قہقہے تیار نہیں ہو۔ جتنا بھی

سب سے زیادہ مدنی کیفیت وہ ہے جسے طبی زبان میں **Prison Coma** کہتے ہیں۔ ایک طرح کی غماز اور غم بھاری۔ جب ہر چیز لگتی اور بلی جاتی ہے اور سب کو غیر اہم اور بے وقعت نظر آتا ہے جب کوئی اور دینی رہتا ہے اور نہ کوئی راحت اور خوشی بریں ہے یا بلا معلوم **BSA** ہے۔ یہ کیفیت بھی گزر جاتی ہے جیسے اور سب کو گزر جاتا ہے۔ لیکن جب تک طاری رہتی ہے کسی شخص ہوتا ہے کہ یہ کب ختم نہیں ہو گی اور آدمی کسی اپنے کپڑے کی طرح ہی جاتا ہے جو زیر زمین سے صدمہ پڑا ہو۔“

○ ○ ○

”آج کل جو تعلقات ہے گمراہ اور پادشاهوں سے اور اس میں اور دینی انہی میں ہیں جیسے کوئی اور۔ جب خام دستی ہے تو میں اپنے غمی اور رازے کے باہر جانے نہیں ہوں یا پھر کھڑے ہوں۔ سامنے پتھر کا جزو دار ہے اور یہ سڑک کا کوئی مدہ نظر آتا ہے جو ڈاک روک جاتی ہے۔ مہاجروں کی انجمنوں کا ایک جھڑ ہے اور ایک بارانی رنگ کے ٹیلے پر میرے سامنے ایک جھڑ سا جہاز ہے جو ٹانگ پانی یا گیس کی

جیسا ہی چاہتے ہیں وہ تمام سے قلعے کی لٹی ہو جائے گی۔ لیکن ہم دونوں مجبور ہیں۔ میں تم کو یہ دہائیوں اور انہوں اور گھوٹوں کی یاد دلاؤں کہ یہ میرے ہی گھر ہیں جیسے تم انہیں جاننا کرتے ہو مجبور ہو۔ پھر تو یہ ہے کہ ان دونوں قلعوں کے اخراج کے کوئی پادشاہ انسان دینی کا نظریہ لکھیں دیا جائے لیکن یہ تو ہمارے آنے کے بعد ہی ہوگا۔ جب تک ہم دونوں اپنی اپنی پند اور ڈانچہ پر قائم ہیں۔“

○ ○ ○

”خیر خاتون ایک طرف اگر چھپ گئی ہے بات کریں تو تم پر موصوفہ ہادی رنکو کوئی چھترنہ سونا کیٹھنل نہ صرف مدنی میں چاقی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے بلکہ دل بہانے کے لیے موصوفہ منگھو بھی میرا کرتا ہے شریک اس میں کوئی بدعمر کی کامیاب نہیں ہو۔ اس کے علاوہ دینی باتوں پر زیادہ توجہ دینا ہے کار ہے کہ کم از کم میں وہ نہیں دیتا۔“

○ ○ ○

”خاتون خاتون میں دینی کیفیات کے جو لطف دور گزرتے ہیں ان کا ذکر پہلے ہی کر چکا ہوں ان میں



تنگی ہے جس کے اندر دار پہلو میں ایک دروازہ  
 لب جہان رہتا ہے۔ اس سے زار پہلوئی پر ایک دروازہ  
 رہائی ایک تار و رفت کے سبز چمن کو کھولتی ہے اور  
 اس سے آگے کے سبز پر ایک اور درختی سے مزین ایک دروازہ  
 کا ایک تار و رفت کا دروازہ آتا ہے جس میں بھی کھار کی  
 دوزخی ہوئی کا دروازہ بھی کسی دست درگیری کی ملک نہ  
 ہر کے لیے اصرار ہے اور ہر جانب ہر جاتی ہے۔ ہر  
 یہ دامن چھوٹ کر کھاتے رہتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ  
 ان کی ہر حرکت کے ساتھ رات کا سوز چل جاتا ہے۔  
 رات کا چہرہ بھی روشن مسکراہٹ سے کھل اٹتا ہے اور  
 بھی لہری اندر کی سے جھلکا ہوتا ہے اور میں یہ  
 ظاہر کرتا رہتا ہوں۔ بھی رات کی صیت میں بھی

21c P.D. 1951  
 Please pay  
 No: 1449 Foreign Remittance  
 Rs 445-0-9 to  
 Ashi Goudi.

bill  
 14/4/51  
 14/9/51

To the  
 kind  
 you  
 acc  
 R  
 M. 14/4/51

اچھے رات سے آگ۔ اور اس میں بہت جھکین ہے  
 اور بہت دور ہے اور دل دونوں کے لیے احسان مند  
 ہوتا ہے۔ اور کے لیے بھی۔ جھکین کے لیے بھی۔ اس  
 لیے کہ دونوں گاہی و سچ ہیں کہ رات کے سوازی  
 رنگ کے ہر دور دل زندگی سے سہرا ہے اور اس  
 رنگ کے ہر دور دل کی خوب اور صحت مند ہے۔"

○ ○ ○

" تم نے جو بچا ہے کہ دوروں کی  
 زندگی میں دگر دیا جا رہا ہے کہیں۔ میں کہتا ہوں ضرور  
 دیا جا رہا ہے بشرطیکہ آدمی دولت داری سے محسوس  
 کرے کہ اس سے کسی کا بھلا ہو سکتا ہے۔ دولت اگر  
 ایک تجھ پر آدھو شکر ہے یا اس سے ملنے کی توقع ہے

دیکھی جا چکے اور تجو پر غصے ہو تو سب اصرار اچھے سر  
 لینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ میرے ساتھ بھی اگلی بار  
 ہو چکا ہے لیکن مجھے اس کا ذرا بھی حاشہ نہیں۔ اس  
 کھیل میں ایسے ہوتا ہی ہے۔ ظاہر ہے آدمی جو کھیل  
 کھیلنے پر لگ جھگڑا نہیں پس، دیکھتے آدمی اپنے ساتھی  
 کے لیے کبھی کبھی کہنے پر لگ جھگڑا نہیں میرا اس کے بارے  
 میں کہنے کا کافی ہوتا ہے۔"

○ ○ ○

"آج صبح میں جب ناشتہ کرنے بیٹھا تو چاک  
 بدر کی یاد آئی اور دل ہلکا اٹھا۔ میں بہت دن تک کچھ  
 افسردگی سے سوچتا رہا کہ شاید واقعی کبھی قاتی ہو رہے  
 حقیقت ہے کہ وہ انسان کا دل کتنا بے شمار ہے۔ جو  
 نہ تو نا ابرو اور غم سے دست بردار نہیں ہوتا۔ اس کے  
 گھر گئے ہیں۔ دیکھی اس کے وہی بچوں کی لڑائی ہے  
 یوں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے اور ایسے ہی ہونا  
 چاہیے مرنے والے کچھ بھی غریب کیوں نہ ہوں  
 بہر حال زندگی سے انصاف ہیں اس لیے انہیں بھول  
 جانا ہی سہجہ ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں کہ یہ سچ ہے۔"

"میرے والے یاد میں زندہ ہوں کیا وہ بیٹے  
 والوں کی زندگی ہی کا زور نہیں ہوتے اس لیے کہ یاد  
 انکی ہی جھلکی ہے ہے جیسے کوئی قاتی تجو یا واقعی  
 واقعات بھر گیا ہے پھر نہیں کہہ سکتے والوں کی کتنی بیٹے  
 والوں کی یادداشت میں ایک ثابت اور سوز فطر کے  
 طور سے زندہ رہے ہر شخص اس بارے میں سوچتا ہے وہ  
 اسے کسی طور سے الگ کیا جا سکے یہ شرط اس لیے  
 ضروری ہے کہ جو صورت جسمانی طاعت جو سے  
 دیکھتا ہو وہ یہ کار اور یہ مقصد ہے ہے اور ہے  
 مقصد دیکھنا؟ حوصلہ نہیں بھی ہوتا ہے غیر اخلاقی  
 بھی۔ بہر حال اس کی صورتی یا مسرت کا ساتھ لے کر  
 ہر کے گھر والوں سے مل کر۔"

○ ○ ○

"اس وقت شام کے پانچ بجے ہیں لیکن اصل  
 رہا ہے اور چند ہی لمحوں میں دیر پاؤں اور ہفتوں پر  
 تارے اور کاشی کے رنگ کی روشنی کی آغوش کرتا ہے  
 جانے گی۔ ہر پردوں کی آواز کی گنگ ہو جائی گی کی  
 اور وقت طہر جائے گا جس دن بچہ شکر کا کھیل نہ ہو  
 کافی بدولت ہو جائے خائفی و ناخوشی ہو جاتی ہے کہ  
 باوجود گریز و گنجش دنیا کا اندر میرا کھلی روشنی نہیں  
 (اچھے یہ ہم کہ بھی نہیں سمجھ اس لیے کہ میں بھی  
 بد رفتی ہے اور شام میں کافی اس سے کھلنے ہے اس  
 وقت اگر انہیں ان کا شکر ہے بھی کہ ان کے دریاں  
 کے سنی وصول کرنے سے انکار کرتا ہے اس وقت  
 سوچا بچہ کد نا بھی اچھا نہیں اس لیے کہ گڑے ہوئے  
 دن کی خاموشی ہوا بھی نہایت کا افسردگی میں رنگ ہوتی  
 ہے۔"

"اگرے اس دن اس وقت کے فطرت سے جو  
 قصودات ثابت ہیں اب میں انہیں دیکھتا بھی طرح  
 کچھ سمجھتا ہوں۔ یہ وقت ہے جب اگلے کارے  
 میں "دنوں وقت گئے ہیں۔" سن کی ہر سرگرمی۔  
 جب کواریوں کا کھلنے میں گئے سرگرم ہونے سے  
 مس کیا جاتا ہے جب کوئی بچہ کام شروع نہیں کیا جاتا  
 رکھتی ہر وہ دن کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ طوالت  
 بھی نہیں کرتے یہ تھا کہ اس زمانے سے پہلے آ رہے  
 ہیں اب سورج ایک زندہ بچہ بنا جا تھا اور اندر  
 ایک زندہ فطرت۔ اب بچہ اور فطرت تو ہر سر ہر گنگے  
 نہیں جان پہچان کی ضرورت اب بھی حقیقت ہے  
 جس دن وقت تک باقی باقی ہے جب تک رات اس کی  
 صورت کا یقین اور اگلی صبح کی پیدائش کی امید ساتھ لے  
 اچھی باتی"

○ ○ ○

"سنو کی واقعات کا سن کر بہت دیکھتا ہوں سب  
 کچھ ہوں کے باوجود مجھے نہایت غریب ہے اور اس

بات پر مجھے کچھ فخر بھی ہے کہ وہ افسردگی میرے  
 شاگرد تھے۔ اگرچہ یہ شاگردی کچھ دنوں سے ہم ہی تھی  
 اس لیے کہ وہ کلاس میں تو شاید ہی آتے ہوں۔  
 اب میرے گھر پر اکثر صحبت رفتی تھی اور مختلف افراد  
 اور سہیلان اور نہ جانے کس کس مہمان پر گرا کر  
 مہمان ہوتے تھے۔ میں بس گڑ بچے کھینچتا ہوں لیکن  
 ہے جیسے کل کی بات ہے۔ ہمارے شرعاً جیسے اور  
 حاضر کے ذکاوت کی شکست دل کا دھڑکا ہے اس  
 سے کوئی اور ہی نہ جانتا بھی نہیں کہ کہ جو میرا تو اس کا  
 اچھا قصور ہے۔ بہت ہی قدر بہت ہے قادر زندگی  
 ہر کرنا تھا۔ جس کا سہارا اس کا تھا اور خیر و خیر و لیکن  
 یہ کوئی شخص سوچے گا کہ اس نے کیا کیا کیا تھا؟ ایسے  
 ہی کہیں نے بھی اپنے کو ادا کیا تھا۔ رہوئے بھی۔  
 سوزا کرتے تھے۔ اور بھی کی نام کو لے جا سکتے  
 ہیں۔ بات ہے کہ جب معاشرتی حالات کی وجہ سے  
 فنی اور زندگی ایک اور سے سے دیر بچا ہوں تو  
 وہوں میں سے ایک کی قربانی دینا ہی پڑتی ہے۔  
 دوسری صورت سمجھنا باقی کی ہے جس میں وہوں کا  
 کچھ قصور کیا جاتا ہے اور تیسری صورت ان  
 وہوں کو نکال کر کے ہر جگہ کا مضمون پیدا کرنے کی  
 ہے جو صرف جھجکاواں کا حصہ ہے۔ مگر ہم نہیں تھا  
 لیکن بہت دھانتا بہت طرزی اور فطرتی راستہ کر  
 ضرور تھا۔ میرے خیال میں اس کا گھر جہاں رہا  
 ہی میں سے گزرتے ہوئے وہاں سے ہوا تھا اور میری  
 طرف سے بہت یاد اور لی فخریہ پہنچاؤ تھا۔"

☆ ☆ ☆



زندگی کی جامع جہاد جس میں شریک ہونے کا ایک اور وجہ  
 تھی اور اس سے الگ ہونا ان کے لیے اپنے منصب  
 ی سے نہیں بلکہ زندگی سے فراق کے حروف قرار  
 دیا ہو تو بھی شامی کی اہمیت کے قابل تھے۔ اس کا  
 انعکاس انہوں نے پارہ کیا ہے۔ ظاہر سب سے متروک  
 میں ان کا یہ بیان موجود ہے کہ "خاص رسوائی اور  
 خاص خواتین شامی کی حقیر نہیں کرتی چاہے اس کی  
 اہلیہ باپ کی ادا دے ہے۔"  
 شامی کے مقام و منصب اور اس کی ذمہ داری  
 کے متعلق فیصل کا کھلا غور میں جاتی جہاد کی خاطر ہے  
 اس کے محرکات کی ابتدا تفصیلی توضیح ایک اور کی قریر  
 یعنی "فیصل اور فیصلی" (موجد و سنگ) میں ان الفاظ  
 میں کی گئی ہے۔

"34۔ میں ہم لوگ کالج سے فارغ ہونے اور  
 35۔ میں میں نے ایک اسے۔ اور کالج میں سر میں  
 ملازمت کرتی۔ یہاں سے میری ملازمت سے بہت سے  
 ہم صبر کئے۔ وہاں کی اہلیہ اور جہاد کی زندگی کا دور  
 شروع ہوتا ہے۔ اس دوران کالج میں اپنے رفقاء  
 صاحبزادہ محمود، مظہر مرموع اور ان کی تنظیم جہاد  
 سے واقف ہوئی۔ انہوں نے پندرہ تحریک کی مارا فعل  
 پانی میں خود قریبوں کا سلسلہ شروع ہوا اور یوں لگا کہ  
 جیسے جیسے میں ایک شخص کی دستان میں لگے ہیں اس  
 دستان میں سب سے پہلا شخص جہاد نے سیکھا ہے  
 کہ اپنی ذات کو باقی دنیا سے الگ کر کے سوچنا اور تو  
 علمی ہی نہیں اس لیے کہ اس میں بہر حال کرد و فعل  
 کے بھی اثرات شامل ہوتے ہیں اور اگر ہی نہیں ہو  
 بھی تو اجتماعی گیر جو سب سے پہلے انسانی فرد کی  
 ذات الہی سب سمجھتوں اور خود کو تو "سرتوں اور  
 انہوں کے بارہ دہشت ہے پھر ہی اہمیت ہی خود  
 اور حقیر ہے۔ اس کی ذمہ داری اور پہنکی کا پورا  
 پانی عالم موجودات سے اس کے ذمہ داری چاہی رہتے

ہیں خاص طور سے انسانی زندگی کے متحرک و کھردر  
 کے رہتے۔ چنانچہ علم جہاد اور علم زندگی کو ایک ہی  
 تجربے کے دو پہلو ہیں۔ اس لیے انہیں اس کے ارتقا  
 "مطلق فرما دی" کے دوسرے حصے کی تکمیل علم سے  
 ہوتی ہے اس علم کا عنوان ہے۔  
 جہاد سے پہلی ہی محبت مری محبوب نہ رہے۔  
 صوبہ و شعر کے بارے میں فیصل کے اس شعر  
 فکر بیان کے مابین اور جہاد میں بہت لگے و حال  
 ہوتی رہی ہے۔ شاعر کا کام مطالعہ ہے اس میں تو کسی  
 کا کام نہیں ہو سکتا اور فیصل اس کے حق میں نہایت سے  
 سادگی ہے۔ ہیں گراں کے ساتھ ہی انہوں نے  
 پہلے بھی شاعر کے فرائض میں شامل کیا ہے جہاں کا  
 اہم اضافہ ہے اور یہ اضافہ واصل ترقی پسند نظریے  
 ادب کا حصہ ہے جسے انہوں نے ادب میں نقل خود بیان  
 میں سے دستان میں لکھ دیا ہے۔ "حروف قرار دیا ہے  
 اور جس کی جہاد میں انہوں نے اپنی زندگی اور  
 شامی کو ایک بے ادبی کے مصلحت کی راہ پر ادا کیا  
 تھا۔

ہیں تو فیصل نے عشق و عاشقی بھی کی اور زندگی  
 کی مہمیں جہاد کا نصف بھی ادا کر دینے آج کی  
 خاطر جہاد انہوں نے اختیار کیا اس پر پہلے ہوتے جہ  
 کہو بھی ان پر گزرتی اسے نہایت صبر و استقامت سے  
 رہا نہت کیا۔ اپنے ملک کے بارے میں گہری سچ  
 ان کے ہاں کسی قسم کے شک و شبہات یا کسی داخلی  
 الجھن کا سراغ نہیں ملتا۔ یہاں احمد و فیصل کا شہادت  
 ہے "فیصل کے فکر و احساس کا سطر طویل ہوتے ہوئے  
 بھی مختصر ہے" اس لیے کہ اس میں کوئی بچہ و دم نہیں  
 آئے۔ ایک زمانے تک وہ ایک رہائی پسند تحریک  
 ترقیاتی کرتے ہوئے ایک روشن مستقبل کی "گہری  
 کشادہ قسم سے توقع رکھتے تھے۔" ہاں ان میں ان کے  
 ہاں جہاد کا دوسری نظر آنے کی قیوت وہ کرد و فعل

کے ساتھ اور ان کے افکار و اعمال کا نتیجہ بھی نہ کر اور  
 یہ فیصل و احمد میں کسی کی کار۔ اس نتیجہ و احساس  
 مطالعہ فکر و احساس کے علاوہ تاریخی قوتوں کے  
 اور ایک شعور کا پیدائش بھی شامل تھا۔ اسی کی بدولت  
 ان کے پاس استقامت میں بھی فیصل نہیں ملتی۔ اس  
 لحاظ سے دیکھتے تو فیصل کی زندگی بڑے خود ایک عمل  
 اور مرد و علم ہے جس میں کوئی جہول نہیں۔ کئے کا  
 مطلب یہ ہے کہ فیصل کا مرد ہونے کے علاوہ جہاد و جہاد  
 عوام کے آئی تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں جہاد  
 کیا ایک خاص منصوبہ کے تحت سوچا تھا کہ اگر اس  
 لیے کہ وہ ایک روشن دور بنائے مسائل سے آگاہ اور  
 بھی رکھتے تھے۔ اور ان کا نقشہ بکھرنے کی عمل و کرنے  
 ضمیمہ کیا تھا۔  
 اور یہ "مگر" شاعر فیصل کو سمجھنے کے لیے بہت  
 ضروری ہے کہ وہ قیامی طور پر نکرو حیالات کے نام  
 نہیں حیات کے شاعر تھے۔ اور ان کی ان کی  
 حواس طبع کی دنیا تھی۔ وہ جہاد کو انہیں کر کے  
 جاتے اور بچاتے تھے۔ ان کی فکر میں ان کے رنگ  
 چہ میں حسرت ہو کہ ان کے لیے جہاد میں جاتی  
 تھی۔ چنانچہ یہ سبک ہاں کا فیصل و احمد میں کی  
 جہان میں ان کی ایک انکی سوچ و فہم ہے کہ جو سادہ  
 جھٹکتی ہوئی تو نظر آتی ہے مگر جو سچ آپ پر آکر کوئی  
 طوق نہیں اٹھاتی۔ یہ ہے واصل نظریے کا طاق  
 استعمال اور اس میں فیصل کے شاعرانہ کمال کا مظہر  
 ہے۔  
 حیاتی شاعر ہونے ہی کی وجہ سے وہ اپنے  
 عنصر اور ادبی کو ایک قصہ و ایک خواب کی شکل میں  
 نہیں دیکھتے بلکہ ایک خاص انسانی محبوب کی شکل میں  
 دیکھتے ہیں اور اس سے ہی طبع کے عشق کا اختیار  
 کرتے ہیں۔ وہ ایک مختصر جہاد کے شاعر ہیں اسی  
 لیے ان کی شامی میں دیکھنا اور جہاد ہے۔ ان کے الفاظ

وہاں کے خطوط اور دائرے ایک واضح فاصلہ رکھتے ہیں اور اپنے جذبات کو لگجگ اور غلط فہم کرنے دیتے۔ ان کے ہاں کوئی انفرادی فکر اور رجحان کی بھی نشانی نہیں۔ ان کے جذبات کی یہ سادگی ہی ان کے شعر کی دائرواری کی ضمانت ہے۔

فقیہ نے اپنی تعلیم ”دعوتِ حق“ میں ایک جگہ دینی  
کیا ہے کہ

ابھی نہیں بھڑا کوئی قربان خانوں کا  
تھا نہیں کوئی بھی آزاد غریب کی

واقعہ یہ ہے کہ اگر انہوں نے اپنی زندگی میں  
 جنوں کا کوئی اثر انہیں محسوس ہوتا شاعری میں بھی  
 فن کے تضادوں اور تعالیٰ کی قدرتوں سے کبھی  
 زبردستی نہیں کی تکتہ چینی ان کا حرام کیا ہوا نہیں  
 عزیز چاہتا ہوں ان کے جملہ حواس میں سادگی و بے کاری  
 سے اپنی شاعری میں سوادہ کے کرداروں کی جان کی  
 شاعری کے فطری مضمون سے اپنی طور پر کوئی سروکار  
 نہیں رکھتے یا عیناً اس سے الگ کرتے ہیں اس کی  
 دل کشی کے کمال ہیں۔ فن کی شاعری کی اس مقدرہ  
 خصوصیت کی بنا پر بعض فن پرندہ کاہنوں کا مان ہے  
 یہ ادایت دی ہے کہ ان کے اسلوب جہان میں جمال  
 کی جہات اور جمال کا تضاد ہے اصل بات یہ ہے  
 کہ فن کے ضمن میں جمال و جلال کی بحث ہی  
 حاصل ہے۔ ان کے گفتگوئی فن کی پہلی سے سراسر خام  
 بھی کنونینہ کر دکھتا ہے۔ یہی نہیں کہ فن کے پاس  
 جمال ہی جمال ہے مگر ان کے جمال پر بھی جمال کی  
 گہری چمٹ چڑی ہوئی ہے۔ ان کا لہجہ سوائے چند  
 ابتدائی شخصوں کے جمال پر سے صریحاً مبرا نہیں اس  
 میں ایک جہان اور دھار کے ساتھ ساتھ ان کے عشق  
 کی صلابت اور ”لوہی حرارت“ ہر جگہ نمایاں ہے اسی  
 لیے کہ ان کی شاعری میں ”سوز و گداز“ ”انجیر“ ”غزل“  
 ”غزل کی کیفیت ہے“ ”ازدحام“ ”کنوین“



راشدہ اور صحیح انداز کی طرح شاعری لکھنے کے لیے محض انکشاف ذات کا کام نہیں کرتی بلکہ ادیب کو کبھی اس میں فطری اہلیت حاصل ہے۔ کبھی نہیں ہے۔ انہیں نے اس راز کا اظہار بار بار کیا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اپنا حرف مطلب پہنچانا چاہتے ہیں چنانچہ انہیں نے ایک ایسی طرح شاعری ایجاد کی جس میں عورتوں کی کشش ہونے کے ساتھ ساتھ فانی بیکانی اور فانی بھی تھی۔ فحش لکھنے والے نے عورتوں کو ہر گز احساس کے ساتھ لکھے تھے کہ انہوں نے روایت سے اپنا رشتہ استوار کرنا تکہ ان کے ذہن عناصر اور تجربہ و اسلوب بیان سے پیدا کیا تھا تاہم اور ان میں سے محض ایک اپنی جدت و نیاپن اپنے کام میں ایک نئی زندگی بخشنی دلی۔ عشق و دوار معصومہ تھیں، جوان و عشق، نگار و انہی کی کبھی صحرا و گشتان، سیر ذات اور بادِ صحرا، کبھی غلامت اور اسطلاحات اداری ادبی روایت کا حصہ ہیں مگر فحش کے بارے میں وہ نئے اسلوب میں شاعر بن جاتی ہیں۔

فعل نے فکر پر اپنے دلانے کی راغ چھوئوں  
 کے بارے میں اپنے ذہن میں اندازات کا انکار کھل  
 کا صاف اور واضح انداز میں بھی کیا ہے لکن انکو  
 انہوں نے عروج حالات و استقامت سے کام لیتے  
 ہوئے اپنے طرف و حق کے تکرار کو ایک خاص  
 اسلوب سے تراشا ہے۔ اسی اخلاقی صلاحیت کی  
 بدولت وہ الفاظ کے لہجہ و طریقہ میں  
 چھوٹے مرکبات اور خوش بھلی چار کر تے ہیں اہم نے  
 ان کے کلام کے لجزے کے ذریعہ بار بار دیکھا ہے کہ  
 فعلی کے پاس یہ مرکبات اور خوش بھلی کس عنوان سے  
 آئے ہیں اور انہوں نے ہر ہر مقام پر کیا ہوا رنگ  
 ہے۔ یہ خصوصیت فعلی کو اپنے صہ کے دوسرے شعراء  
 سے ممتاز کرتی ہے۔ فعلی کے لیے جس قسم کے پہلو اور  
 رویوں کی انداز تھی کا ایک منہ بہ منہ سے کہہ سکتے

پکھانے اور مزید علامات و استعارات کے استعمال سے قاری سے چٹنی قرینہ حاصل کرنے میں آسانی ملتی ہے۔ فقہ کا کمال یہ ہے کہ وہ انکار و جان کے ان پرانے سانچوں میں اپنے نئے حوالی و مطالب کی جان ادا دیتے ہیں کہ ان میں عناصر زندگی کے حالات و کوائف جگہ جگہ نمودار آئے سارے کے واقعات و احوالات کی انکسار ملتی ہے۔

فطرت کے اس ایمانی اندازِ فکری کا ایک اور پہلو جس کا فطرتی محور و ذکر ہو چکا ہے یہ ہے کہ وہ اپنے جوش کو ایک جسم و جان دیکھنے والے "عالمِ اہلِ ادب و دانش" کے حامل محبوب کی صحبت میں دیکھتے ہیں۔

حکمت یہ ہے کہ اس قسم کی ایمانیات کی مثال بھی اردو شاعری کی ایک جہانی پہچانی نہایت میں موجود ہے۔

جسے صوفی شعراء نے محبوبِ حقیقی کو انکو محبوبِ مجازی کے رنگ میں دیکھا ہے اور اس رنگ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ غزل کی اس شاعری میں معنی حقیقی اور صوفی مجازی دیکھنا میں اس طرح مکمل ملے ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ تقارن کی اپنی صوابیاد پر فخر ہے کہ وہ ان کی کوئی ہی تعبیر چن کر کرتا ہے مثلاً دارا کے اس شعر کے بارے میں آپ کیا کہیں گے

خوب پڑھ ہے کہ جملوں سے لگے جیسے ہیں  
صاف پہچنے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں  
قصوف ہند حضرت کے لیے یہاں اجازت  
محب عقل کی طرف ہے اور قول ہند حضرت کے  
لیے محبوب بھارتی کی طرف۔ فعل سے اس سامنے کی  
روشنی کرتے ہوئے اپنی آواز کو محبوب بھارتی کا  
روپ دے رہا ہے اور پھر جس طرح اسے چاہا ہے اور  
کس طرح اس کی برسات ہے اپنے دل جان لکھا ہے کیے  
وہ ہم صرف عشق کے جذبہ ہی سے خوب کر  
سکتے ہیں۔ نتیجہ ہے کہ ان کی ترقی پسند اور انسانی

اگر کسی شخص کو سائنس دان یا محقق کے طور پر جاننا ہے تو اس کی بات سنی جائے گی۔ اس کی بات سنی جائے گی۔ اس کی بات سنی جائے گی۔

دو تہہ ہے جس میں وہ ہائے کی حرکت کرتے ہیں۔ ایک نظر تم کو دیکھتا ہے اور دوسرا نظر تم کو دیکھتا ہے۔ اس شہر میں جس شخص کے پاس عام طور پر بول چال کی زبان کا لہجہ اور انداز ہوتا ہے اس کی بات سنی جائے گی۔ اس کی بات سنی جائے گی۔ اس کی بات سنی جائے گی۔

جو لوگوں کے دل پہ گزرتی رہی وہ بھی ایک عالم ہے جس کی اس نے اپنی شعری ہیر کی ہے اگرچہ اس میں بھی عقل کی شاعری کے بارے میں اپنا بھولی تاثر بیان کرتے ہوئے کہا ہے تو میں عرض کروں گا کہ بہت کا جذبہ عقل کی شاعری کا محور ہے۔ یہاں کہیں کہیں مرکزی نقطہ ہے جس سے ان کے گہرا احساس کی تمام شعائیں بھڑکتی ہیں۔ اس جذبے کی ابتدائی صورت تو یہی ”وہاں خیال“ ہے جسے غالب نے ”اگر عقل کے تصور“ سے منسوب کیا ہے مگر یہی جذبہ محبت جب وسعت اور پائیدگی کا تاج پہن کر نمودار ہوگا۔



عقلمند و فاضل علامہ اقبال صاحب

عقل کے تصور میں انہیں بلکہ حیات و کائنات کا اور دنیا میں رہنے والے انسانوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ اس کا اظہار عقل کی زبان سے یہی ہوتا ہے۔ دیکھیں یہ دیکھیں کے چاروں طرف غبار کے تمام جسمی آقاؤں، بھائیوں، دُعاؤں کے نام عقل کی شاعری اس قسم کے جذبہ محبت سے جلا پاتی ہے اور اس کی افادہ کرتی ہے۔ ان کی انسانیت و ان کی انکساری ہستی کی بنیاد یہی جذبہ محبت ہے۔ اگر کسی کو انسانوں سے کوئی نگاہ ہی نہ ہو تو وہ انسانوں کی حالت بدلنے کی فکر کریں گے۔ عقلی شعرا انسانیت سے

جی اور انہوں نے کس حد تک اس سے کس قدر نفرت کیا۔ یہ بھی ایک ایسی خصوصیت ہے جو انہیں جدا شعرا میں ممتاز کرتی ہے۔

عقل کی کیا بات سنو، اپنے دماغ میں کے تجربے ہیں اس دماغ کے شعور ہے۔ اس تمام مری میں وہ مستقل حالات و کائنات کے بارے میں اپنے چٹوٹ کا احساس اور شعور کی زبان میں کرتے رہے۔ گویا وہ اپنے اس انداز سے یہ کہہ رہے تھے کہ ہم پروردگار کی طرح و رحم کرتے رہیں گے جو دل پہ گزرتی ہے دم کرتے رہیں گے

جسے وہ گہری سچائی سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی بات سنی جائے گی۔ ان کی بات سنی جائے گی۔ ان کی بات سنی جائے گی۔

دوسری صدی میں دینی پسند فکر و خیال سے عوام کو غلام بنایا، اور اس کے اندر ان کے شعور سے ابھرنے والی تحریک قہراً دھکیلی گئی۔ سربراہی میں 1917ء کا دہری انقلاب ہی تحریک کا کارنامہ تھا۔ اس انقلاب کے بعد معاشرتی و سیاسی اور معاشرتی نظام کی نئی تشکیل و تعمیر کی ایک عظیم الشان تجربہ گاہ صورت ہو گئی کی عقل میں دنیا کے سامنے آئی۔ 1920ء کی دہائی کے آخر میں ماسٹر سکرپٹ ہندو نے دنیا کی اوقات سر پہ بدعات نظام کی تباہی پکڑ لی۔ 1930ء کی دہائی کے ابتدائی برسوں میں برصغیر میں فکری تباہی اور بھارتی میں سوشلزم کی فضا پیدا کرنے میں سرفرازاں 1936ء میں قائد اعظم کے بعد تین میں ہزار مرگ گئی آخریت قائم ہوئی۔ ان تمام واقعات نے دیکھنے کے نظریات کو جن میں مجاہد کی طاقت اور معاشرتی انصاف کے تصور کو خاص اہمیت حاصل تھی فروغ دیا اور دنیا بھر کے فکری حلقوں میں ان کا پورا پورا عام ہوا۔ جس طرح آج سے دو سو سال پہلے انقلاب فرانس کے شعور نے لوگوں کے گہروں میں انقلاب اور ادب و شعور کو جنم دیا تھا اسی طرح ہمارے اس سے بھی زیادہ 1917ء کے انقلاب دہلی نے پہلے ہی انہیں بلکہ پوری دنیا کے گہروں میں ایک فیل پھیل چاڑھی۔ 1936ء کے قریب برصغیر میں ادب و شعور میں دینی پسند تحریک کی اور عقل کی جڑیں جس نے ایک ایسی قسم کی حقیقت پسندی کا علم دیا۔ عقل میں طرح اس تحریک سے وابستہ ہوئے اس کے بارے میں ”عقلمند و فاضل“ (سید و سنگ) نے انتہائی اعلیٰ کیا ہے



## فیض..... روح عصر کا ترجمان

اپریل کے نام 12 جنوری 1954ء کو ایک نکتہ پر فیلڈ لکھے ہیں: "لیکس کا قول ہے کہ حسن صداقت ہے اور صداقت حسن" لیکن حسن اسی صورت ہی اغماط اور انصاف کا سامان بن کر رہتا ہے جب اس میں حقیقتیت ہو یعنی جب یہ دیکھنے والے کے جذبات و احساسات اور فکر و عمل کا حسن دکھا کر ہے۔"

جب حسن صداقت کا عجیب و غریب انحراف واقعہ و حقیقت کے باطن میں ڈالنے سے ہوتا ہے تو اسے سیاست ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور حقیقی کی انکسار آخر میں شاعری کا حسن زانوں پر عید ہو جاتا ہے۔

فیض خیال اورانی کے اس گم سے آگاہ تھے جو ان کے عہد کے سن کا کاغذ تھا۔ ان کا نثری ماحول اس کی تحریک کا ایک انحصار ہے۔ ان کا شمار ادب کے اعلیٰ ہائے کے اعلیٰ شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کی تخلیقیت جہاں ان کی اپنی زندگی کی کہانی ہے وہیں اداسے مصیبت زدہ دور کی سرگزشت بھی ہے۔

فیض روح عصر کے سانچے میں اصل بنے تھے۔ وہ روایتی کی جستجو میں انصاف میں غور کریں گھاسنے والے شعلہ لال ماحول کا ضمیر ہو شعور ہے۔ اپنے حساس دل کی بدولت خیال کی بلندی تک جا پہنچے تھے۔ Orpheus کی طرح انھوں میں رہا افسانے، دھاکے اور انتحار میں جنگ میں گم ہو جاتے جہاں ہر طرف بدگئی اور انسانی کا دور دورہ ہے۔ ان کی گلیاں ہوں کہ جہاں کوئی سرائی کر چلنے کی

جرات نہیں کر سکتا یا ہوں کا مارا جاتا ہو اور موت' فیلڈ ہر طرف رہا کہ سر بکھرتے ہمارے۔ ان کی شاعری اپنے دور کے کرب و دکھ کی ایسی داستان ہے جو ہے مثال ہے۔ ان کی شاعری صحر کی اور وہاں فیلڈ ہے۔

ان کی شاعری پر حسن کی سرحد ہے ہر ایک سدا بہار لطف فراہم کرتی ہے۔ فیض نہ صرف ناکھ جان کے اعتبار میں بے غلطی تھے بلکہ ہر حال میں زندگی کی مسرتوں سے مالا مال دکھائی دیتے تھے جو انسان جبراً اور ترقی پر غیر حائل نہیں کا اظہار ہے حتیٰ کہ ان کی آواز میں دکھ کا کرتے تھے کہ۔

مگر قریب ہے دل سے کہ نہ گھڑائے  
فیض ہمارے اس قول کے اس حال کے چلنے تھے کہ "مقام خون کا ماحول اورانی اور ان کی طبیعت میں ایک ایسے لڑکی کی گفتگو ہے جو سب کیلئے احتجاجی کا دل ہم ہو۔ یعنی ایک انسان دوست معاشرہ اور انسان کیلئے اس کا شکر ہے۔"

فیض کی کامیاب شاعری میں انسان کے انہوں کی نگہ بندی کی شکل دکھائی دیتی ہے جو ساری عظیم اور ان کیلئے کا طر مانتا ہے۔

فیض پاتے تھے کہ عمارت عہد میں انسان کا مقدر اپنے ماحول سے ہی مستطاعت میں چلی کرتا ہے اور یہاں کو بھٹتے کا غالب کر اپنے کی قوت کے

دھم و کرم پر چھوڑ دتا بلکہ چائی کو بھٹتے کے خلاف کاسیائی سے شکستہ کرنے کیلئے ناگزیر جدوجہد کرتا ہے۔

فیض کے لڑکی کی گفتگو کا عمل ایک مہر کی پاسداری ہے۔ خاتم اور مظلوم طبقات کے وہ بیان جاری زبردست لکھنے میں چلنے اورانی اس دور ترقی کی قوتوں کے ایک مثال کا کارکن کے طور پر شامل تھے جس میں اس کے ساتھ ایک فرانسیسی شاعر کے قول "ہا اب بھی گل و ہوا اس دنیا کے گن گائے نہیں فرماؤ۔" دیکھنا کہ عظیم شعراء میں ان میں فیلڈ کا نام عظیم جس کی فیلڈ کا نام Heinrich Heine کے انجیل قریب ہے جس نے کہا تھا کہ "شاعری جو گھٹ میرے محبوب کی طرح مزین ہے میرے لئے ایک ادبی تحفہ ہے۔ شہرت بھی میرے لئے ایک اہم نہیں رہی اور میں نے شہرت اور سی پڑھائی کے ہر گاہ میرے شاعر کو کھرا ہے ہیں ان کیلئے بلکہ میں نے تو اپنے دوست پر تھوڑا اس طرح دکھائی ہے کہ ان میں نور انسانی کی آزادی کی جنگ کا دلیر چاہی تھا" عمارت اس عہد میں ان کیلئے شاعری "گھوڑا کا جھڑپ ہے تو وہ فیلڈ ہے۔

یونانی ہیرو ایلینس دی ہے علم سے خلق و ان کی دہائی ہے نہ الی بہت کی یونانی ہیرو کھائے ہیں ہم نے آگ میں پھول و ان کی دم کی ہے نہ الی بہت کی





دسویں صدی کا اردو ادب اپنے انتہائی حلقہ  
خیر و برکت میں رہتا ہے اس میں ادبی کے اپنے عظیم  
حکایت بھی دیکھتے ہیں آئے کہ جب نوع انسانی نے  
اپنے گرد چیلنے والے کے حصاروں کو توڑ پھینکا۔ اپنے  
دل کی کیر حکایت بھی آئے کہ جب فطرت نے 'قلم'  
کتاب اور برہان کو اپنے ہیوں سے روکا تھا۔ جنگیں  
انتھار ہاتھ 'روا' انتھار ہاتھ 'نوع انسانی کی خاطر دیر پری و  
جو انصافی کے کارہائے نولیاں 'انسانیت کے خلاف  
لڑ رہے تھے 'قلم' انہیں 'سیدنگ' انسان میں دیکھا اور  
انسان حکایت میں 'غرض' جنگ کے مستعد اصحاب  
نے رچی کو کھولیں کیا۔

انہوں نے تاریخی حکایت کو اپنی گرفت میں لے  
کر ان پر اپنی شاعری کا لہجہ ڈالا جس سے بھٹ  
دہائیت پھلتی اور امید جنگی دکھائی دیتی ہے جو کہ  
پاکستان کوام کی آگلی جگہ پر ناقابلِ تحریف امتداد کا  
انکسار ہے۔

Laozon شاعر Lessing شعراء سے انتہا  
کرتا ہے کہ "ہمارے لئے وہ اہل 'مبت اور سرت  
تخلیق کہ جو حسن پر کرتا ہے کہ ہم خود حسن کے خالق  
ہیں۔" تخلیق کے سوا کچھ تو اسے جس سے ہمارے  
لئے وہ اہل 'مبت اور سرت تخلیق کی ہے جو وہ فانی  
حسن کا کرشمہ ہے۔

خیر جو انہوں نے شاعری شریف اس طرح کی  
ہے کہ وہ خواہوں کی دنیا اور حقیقت کی دنیا کے درمیان  
ناجائز کا کام دیتا ہے۔ فقیں نے صرف خواہوں کی  
دنیا اور حقیقت کی دنیا کے درمیان پہلے کا کردار دیکھا ہے  
انہوں نے واضح کو حال کے ساتھ ملایا اور اس کے  
ساتھ ہمیں "کھلتے ہوئے گل" کی جھلک بھی  
دکھائی۔

پاکستان اور پاکستان کیوں کہ کھانا کھانے والے  
میں فقیں کا وجود اور ان کی شاعری رشتہ چاند کی مانند

ہے جو حقیقتوں کو اپنے دل سے لے کر تار و آبرو میں سے  
رہائیں کرتا ہے۔ خیالات مراد میں کرتے۔ خواب  
مراد میں کرتے اور آتش کی بجائے 'پاکستان'  
ہوتے۔

بازن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے  
پاس ایک کاغذ تھا جس میں اس نے ملین 'انکو کھانسی'  
پڑھیں اور گریز کیا کہ اس کے ہاتھوں کے گچے ہو کر گئے  
تھے۔ فقیں کی شخصیت میں کی شخصیات ہمیں ملتا ہے  
انہیں اس لئے اپنا ہے ہیں کہ انہوں نے اپنے کیر جڑ کا  
آواز اور مسلم کیا۔ سمجھائی انہیں اپنی زندگی کا طرز قرار  
دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے "پاکستان کا گھر" اور  
اسروہ کی عادت کے ذریعے اس شے کو ایک نئی  
حالت دکھائی۔ لڑنے کی عادت ان پر فخر کرتے ہیں کہ  
انہوں نے اس وقت پر ہم پڑنا کیا جب کوئی اس میں جان  
خاندان میں تھم تھم سکے کی عزت میں اس کا فخر فقیں کا  
انہیں اپنی دنیا کا باخود قرار دیتے ہیں کیونکہ انہوں  
نے انجلی نہیں پڑا لیکن۔

فقیں سے جب ان کے خواب کے بارے  
میں پوچھا گیا تو ان کا جواب تھا کہ "میرا خواب وہی

خوش منزل لوگ

ہر چہ گھنٹہ کو دو بجے کمال کے ایلی ٹارٹل راتر ہے  
اس لئے صاحب کمال ہے تو شمسے لکھن کے کڑے ہیں  
کچھوں کا کہنا کہ ان جیسے لکھن سے بہتر میٹروپول  
ہو اس ایلی ٹارٹل راتر اب بھی تارے وہاں  
ہو جو ہیں لکھن میں ان کو لکھن جو سالانہ لکھن دیتے نہ  
ہو اس کے سختی ہے۔

ہاں یہ کہہ کر اٹھیں چونکہ ایک اٹھنا ہی ہے اور  
فرجوں اور کھجوں کے نام سے اس لئے ایک  
بہت بڑے نام سے اور لوگ اس جہ سے اپنے  
عزت کرتے تھے کہ وہ عمر و سوں کے ترقیان اور بے  
نواں کی خواہ توبہ بات بھی نہیں ہے۔ ان سے  
بہت بڑے سائنسے اور ان سے بہت ترانہ نامی  
کرمی اٹھنا ہی اس حدیث میں ان کے اور گناہ سے  
گناہ سے لکھنا ہی ہے۔ (کتاب النسخہ)

آپ فتنہ کی شاعری کا بڑا فتنہ کی شخصیت کا جتنا  
 اثر تھا یہ کہیں گے، اور اپنی دانش کے نور پر اس کے  
 لیے کی جتنی بھی چیزات تھیں وہاں کریں گے وہ فتنہ کے  
 فتنہ ہونے کی وجہ تھیں ہوں گی کیونکہ فتنہ کوئی عام  
 انسان یا معمولی چیز نہیں ہے اور خاص کو بلکہ خاص  
 خاص کو عام پر توں سے اور چاروں علیوں سے پانچا  
 کر کے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ جب کسی خاص  
حادثے میں کسی خاص وقت کے اندر کچھ خاص  
انسانوں کے وقت طبعی کسی قدر غلبہ شخصیت اور فطرت

نہیں ہو گا جس پر ایک بار ہے مبادل سے اسی طرح سے چل آیا ہے اور روز حساب تک اسی طرح چل جائے گا۔

پیش کے بارے میں صرف یہ کہنا کہ وہ ایک عظیم شاعر تھا اور اس کی شاعری نے لوگوں کے دل صودے سے لگے تو اس نے غزل کی ریتوں کو پودے کی شکل دیا۔ جسے جسے اس نے غزل کی ریتوں کو پودے کی شکل دیا۔ جسے جسے اس نے غزل کی ریتوں کو پودے کی شکل دیا۔

پھر تھیں کہ ایک بہت ہی بڑا مصلحتی پس منہ تھا۔  
وہی وہ مصلحتی اور صاحبِ بدعادت تھیں کہ ان کے  
اس کی سوجھ کرنا اور اس کی عظمت کو کھنسنے کی  
بدعت کے ساتھ وابستہ کرنا بھی کوئی بدعتی دلیل  
نہیں۔ مصلحتی کے اپنے شرک اس کے اپنے گناہوں میں  
بے شمار لوگ اس کے حوالے کر اس کی عظمت اور اس  
کے بڑے بدعت کے تھے۔ اس وقت بھی تھے اور اب  
بھی اس کے بدعتی مصلحتی نہ ہو سکے نہ کبھی ہو سکیں گے۔

یعنی صاحب کی بات کرتے ہوئے یا ان کا کر سنے وقت یا ان کی اپنی باتیں چاہتے وقت اس حقیقت کا اعتراف ضرور کرنا پڑتا ہے کہ فیض کا انعام اخذ تو لوگوں کی صف میں شامل ہو سکے۔ حالانکہ اگر ان کی بات یہ ہے کہ فیض تو ہوا میں ہوتا ہے اور صاحب کتاب کے لئے تو درجہ اکابر کا ضرور ہے اور اس کے لئے تو ابھی بڑی طویل مدت چلی ہے لیکن انہوں کی دنیا میں جو طویل عرصہ ایسے ہی ہوتے ہیں جن کی حاجت کے بارے میں اب تک پہلے ہی سے خط لکھا کر دیا ہے کہ اپنے مالک کی فکر یہ نہیں قبول ہوا اور اس کی حاجت بھر قرار دی گئی اور یہ حصول میں سے غور اس میں ایک وعدہ لکری کی بنا پر ہے۔

ان کی طاقت کے بارے میں لوگوں نے ابھی سے فیصلہ نہ کیا تھا۔ ان میں بھارت میں مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں ایک نیا ناکہ تھا۔ ان کی تعداد کے بارے میں ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا تھا۔ دوسری قسم میں لوگوں کی تعداد کے بارے میں ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا تھا۔ دوسری قسم میں لوگوں کی تعداد کے بارے میں ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا تھا۔

جیسا مشیر انسان مر جائے اور لوگ اس کو ایک خون  
(Phenomenon) کہتے تھیں تو ہمارے تعلق کا تجزیہ  
پہلو کرنا تعلق کا معیار کرنا چاہیے ہر جگہ سے جگہ  
اور کیا ہے کیا اور کس کو کون ہونا چاہیے ہمارا کون کا  
پتھر کی صف یا فاضل کے لوگوں کے لوگوں پر عمر کا  
دنا ہے۔ اور لوگوں کے سگھان پر بیٹھے ہمارے کو خوب  
معا کرتا ہے ہمارے پتھر صواب ہونا کرتا ہے۔ اور ہمارا جس کو  
"حزب" مفاہد ہونا چاہیے تو اس کے خلاف ہتھیاروں  
ایلی ہڈی ہڈی۔ جو اس میں پتھر ہڈی تو نہیں۔ اور قہار و قہر۔  
ہے ٹھوکر توڑی۔ ہمارے بڑے بھارت۔ چائے۔  
ہمارے انکسار اور بیٹھے ہتھیار اس کی عزت کے خلاف

میں سے ایک مادی کے واسطے کے بارے کی نہیں کر  
سکتیں۔  
جس کی حالت چاہیے سے اچھی کردی گی اور جس  
کی اچھی حالت کے لئے لوگوں کی صحبت اور عقیدت کی  
فکری فراہم کر دی گی تو ہم ایسے کم ہمارے لوگ اس کی  
فصلیت پر کیا رہائی دال سکتے ہیں۔ ہم تو زیادہ سے  
زیادہ اسے ایک فکارتو کرنا اس کے لئے کے اس طرف  
جان کر سکتے ہیں یا اس کو ایک اچھا انسان ایک اچھا  
دوست ایک اچھا پاپ یا ایک اچھا مرد کہہ کر اپنی زور  
داری کا بوجھ "اچھا" کے کلمے پر دال کر یکدش  
ہو سکتے ہیں۔ بچے بچے محسوس کر سکتے ہیں۔

فکری کوئی معمولی چیز تو نہیں یہ تو مطالعے مادی کا ایک  
ہونا چاہیے مگر یہ۔ ایسے محسوس کے سامنے خاموشی اور  
ایسے محسوس کے ساتھ خواب ہونا چاہیے۔ بچہ اس کی  
اپنی جگہ سے نہیں ہلکا اس مطالعے خاص کی وجہ سے ہر  
اس کے لئے مخصوص ہو چکی ہے۔ اس وقت فکری کی  
شامری اس کی شخصیت اس کی انسان دوستی کا تجربہ  
کرتے کی کہ کام مہر کی کوئی خواہش نہیں۔ میری آرزو  
تو اب اچھی حالت و دال کی احوال میں بیٹھتی ہے اور  
میں سمجھتا ہوں کہ فکری بھی اس جہد کی اچھی حالت  
پائے دالوں میں سے ایک ہیں۔  
☆☆☆



پیشوا سرکار علی گڑھ میں ۱۹۴۷ء

## فیض کی شعری جہات، تعین قدر کا مسئلہ

فیض کی شعری جہات پر کتنی ہی سادہ کیوں نہ ہو اس کے بعد آئی اس پر یہاں سے اور آئی جتنی پسندیدہ ہیں کہ ان کے فیضی قدر کا مسئلہ آج آسان نہیں بتاؤ۔ ظاہر میں ظہور آتا ہے لیکن جب ہے کہ فیض کا کام ایسے قاری کے اہل میں کی سوال چھڑاتا ہے جو اپنی ذہنی تفہیم کے لیے صحت و آہنگ کے علاوہ بھی کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اسے مہم کی تھیں کہ کام رو یہ ہے کہ فیض کی شعری جہات میں دو باتیں یاد رکھنا پڑیں۔ ایک اس کی فوٹو گرافی اور دوسری اس کی صحت اور خصوصیات کے بغیر ظہور یا ظہور ہائی جس صحت اور اس بات کو سمجھتے ہیں کہ فیض کی شعری جہات کے اندر اس کی شعری جہات کی فوٹو گرافی کا جو یہ کیا ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس سے اس کے یہ طریقے قدر ہیں۔ مطالعے کے ان پہلوؤں کی اپنی ایک علامت ہے اور ان کے ذریعے شعری شخصیت اور کام کے بعض دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں لیکن ان سے مجموعی قدر اہم کر سامنے نہیں آتی۔ اس کے علاوہ اس طرح کے جو یہ وسط اور بے شعور کو گھٹنے کے لیے تو کافی ہو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی مہم سادہ شخصیت ہے تو یہ مطالعے عقلی میں اور اضافہ کرتے ہیں۔ فیض کی اس طرح کی ایک مہم سادہ شخصیت ہیں جن کے کام کی قدریں کاغذی آسان نہیں۔ ان کی اہم داری کی وجہ سے ہر ہا کی احساس ہوتا ہے کہ اسی کہنے کو کہہ دانی نہ گیا

اس دور میں کسی کے یہاں اگر شعری سادہ بات کی ذہنی شکل چاہی تو اس کے نتیجے میں تخلیق صرف ذہنی شعریں کر دہ گئی۔ لیکن کسی نے تہذیب و رسم مائل بدل جانے کے بعد صرف الفاظ بدل کر شاعرانہ سے وہی کام لے لیا۔ شاعر فیض کے وقت پیدا ہوئے انہیں ان کی سادہ باتیں آتے ہیں کہ انہیں شاعرانہ کی سادہ باتیں لے گئے ہیں۔ عقل و سمیت کی خصوصیت زبان میں محبوب کے اندر مال کی طرح اور دوسروں کے لیے سمیت سے لوگوں کے علم کے ہیں اور یہ باتیں اس مہم کے ذہنی شعری سادہ باتیں میں داخل ہیں۔ اس لیے کہ انہیں ان کے اثرات اس وقت کے بیشتر شعراء کے یہاں مل جاتے ہیں۔ لیکن فیض ان میں شامل نہ تھے۔ ان سے الگ کہیں نظر آتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ فیض کی جادوئی اور خوبی اس میں ہے کہ انہوں نے دو باتیں اور کلاسیک کو ایک کر دیا ہے۔ اس بات کو شاید نگاہ دارانہ ہی سمجھتے رہی گئی ہے اس لیے اس پہلو پر توجہ کی ضرورت ہے۔ لیکن کیا اصطلاحی معنوں میں فیض کا شعری شاعر ہیں ان کے یہاں کلاسیک ہے کہ کیا روایت اور روایت میں ہے۔ کلاسیک کا استعمال کسی شعری کلاسیک کیا جاتا ہے۔ کلاسیک ایک حراج اور اس سے زیادہ ایک نئی ضابطہ ہے۔ یہ حراج اور نئی ضابطہ کی مہم یاد رکھنا کرتا ہے۔ کسی شخص کا سادہ

کونیک حلیت اختیار کر لینا اصطلاح کا استعمال  
استعمال ہے۔ اس پر اصطلاحی معانی کا اطلاق نہیں  
ہوتا۔ اس روشنی میں اگر کام کی تفہیم کو ہمیں قرآن کے  
یہاں کا سیکھ تو نہیں لائی تہذیب کے اثرات  
تفہیمات کی شکل میں ضرور نظر آئیں گے لیکن ان کا  
استعمال کونیک میں اور مقام کے بجائے بلکہ وہی  
مقامی رہا ہے۔ یہاں پر یہ سوال یہ ہوتا ہے کہ  
فقیہ کے یہاں اگر کاسیکھ نہیں ہے تو ان کے کام  
میں کوئی دیکھائی کے سرخسے کیا ہیں اور ان کی وجہ  
انتیڈ کیا ہے؟

یہ سوالات فقیہ کے مطالعے اور تفہیم قدر کے  
موضوع پر بھی کئی سوالات پیدا کرتے ہیں مثلاً یہ ہے  
شاعری خوبیاں کی بنیاد کیا ہے؟ کیا جذباتی قدریں  
نفسانی مسائل بنی اور شعور اور فہم کی جیسے کیا؟  
روایت یا روایت بد روایت بد یا نہایت انصاری قوت زندگی  
کے بارے میں ایک تفہیم دینے یا  
commitment اسے بڑا شاعر بنانے یا اس  
طرح بلکہ اور بھی چیزیں یہ سب کچھ ہیں۔ شاعری جذباتی کا  
تصور اس میں سے ایک بڑی چیزوں سے ثابت ہو سکتا  
ہے۔ دراصل کئی بڑے شاعر کے یہاں جتنی جہالت  
ہوں گی مطالعے میں آئے ہی گویا کون پہلو سامنے  
آئیں گے۔ غائب تہذیب اور آواز کی تعمیر اور تعمیر سے آواز  
نکد کوئی تھا اور نہ ہی کیا کہ نہایت کا احساس اور اس  
لئے کہ ہر زبان کے کلام کے ایک ہاں تکشف کیا ہی  
طرح فقیہ کو بھی جتنی بار چاہا ہے ان کی شاعری کا  
کوئی نہ کوئی پہلو سامنے آتا ہے۔

فقیہ کی سب سے بڑی خصوصیت ان کے کلام  
میں الفاظ کا عقلی استعمال ہے الفاظ کا علم کو بڑا خیالی  
محمومات، تجربات اور مشاہدات کو خوبصورت  
بنانے یا مزخرفانہ اور اس قدر فنی کر دینا کہ بات ہے۔  
ہر جہد میں شعراء اپنے جذبات اور محسوسات کو فنی

کرتے رہے ہیں۔ ایک عام شاعر لفظ کو اس کے معنی  
اور لغت کی حدود میں قائم کرتا ہے۔ اسے یہ خیال رکھنا  
پڑتا ہے کہ بات زبان اور مدورے کے خلاف نہ ہو  
لیکن ایک عہد ساز شاعر کے یہاں الفاظ کے  
مدورے سے نکل کر ایک وسیع دنیا بن جاتا ہے۔ اس  
کے یہاں الفاظ اور اشارات کے معنی اس کے عقلی  
استعمال سے جھینے جاتے ہیں مراد پہنچانے کے لیے۔  
زبان دو دلی آسان کی قوس غیب  
فلک اندر جہد رنگ شیشہ باری

دو کی زبان کو آسان نہ سمجھتا۔ ہرے غشے کے  
نوت بنانے سے اس میں سیکڑاں رنگ پیدا ہو گئے  
ہیں۔ اور اس میں تہذیب اور غائب کے احساس اپنے خیال کی  
دست اور اصرار و معنویت کی بھر پور مثالیں ہیں۔  
اسی طرح فقیہ کے یہاں الفاظ کے عقلی استعمال نے  
شعر میں تبدیلی کے لفظ غشے کی طرح بھرتی رنگ بھر  
دینے میں اور نہ جانے کتنی جھینیں پیدا کر دی ہیں کہ  
عام الفاظ سے تفریق پیدا اور شعرائے معنوی تہذیبی  
کی وجہ سے لفظ کا عالم بن جاتا ہے۔

تم جہاں ہو رہا بار ہو کہ وجہ حد  
سلوک جس سے کیا تم نے عاشقانہ کیا  
ہر صفا پر گئے ہیں کان یہاں  
دل سنبھالے دو زبان کی طرح

جسے ہم بزم ہیں ہر بار طرح دار سے ہم  
دست ملتے رہے اپنے دو ادوار سے ہم  
سرخوشی میں بے غمی دل شد و دلزل خواں گدوے  
کونے کال سے بھی کوہ دلدو سے ہم  
جہاں سے نہیں آج کو ہر جہد روا ہے  
سر پر ہیں دلدو، سر خوش خدا ہے

لفظ مختلف معنوی تہذیب کے ساتھ لفظی اور  
جذباتی تہذیب بھی رکھتا ہے اس کے علاوہ الفاظ کا  
ذہان پس اس کے عمل استعمال سے اس کی اثر آفرینی کا  
تہذیب کرتا ہے لیکن الفاظ کے عقلی استعمال کی خصوصیت  
یہ ہے کہ وہ مختلف لفظی اور جذباتی کیفیتوں میں ایک  
نئی رنگ کے ساتھ ڈالنے، تاریخ اور تہذیبی معنی  
سے نکل کر ان کی اپنی relevance دیتی رکھتا ہے اور  
بہی غرضی شاعر کا کائنات عطا کرتی ہے۔ لیکن نے جو  
فنی بھی رقم کچھ دکان کے لیے جن الفاظ کا استعمال کیا  
ان کی معنوی دست اور تہذیبی سے کوئی انکار نہیں کر  
سکتا اور اس طرح کے مدور شعری کون نہ ہوں۔

چرخ جو ہم نے رقم کئے یہ ہیں سب ہر تہذیبی ہوا کے  
کوئی کو کج وصال کا کئی شام بھر کی دھجی

اب کے ہر دست و قدم میں کیا کہا بہاں اب نہ ہونے  
جو تاحی تھے متحول ہوئے جو صبر تھے اب مباد ہوئے

وہ قوس ڈالے ہیں صبر سے کواں سے طوبہ کیا  
وہ چلی ہیں راز قہمیں کہ خیال رازہ رازہ کیا  
جو غم تھا غم کو جا جو اٹھے تو ہاتھ لو ہوئے  
وہ خیال آہ سر کی وہ دھار وجہ دعا کیا

جس دلی کو گھٹوں میں لیے بھرتے ہیں عقلاں  
یہ ہمارا گریباں ہے کہ ہجر کا طم ہے  
لیکن فی ترتیب تجھیں بات گزرتے کے جانے  
باہم عام رواجی اور سرحد ترتیب و تہذیب اور  
علاقوں کو استعمال کرتے ہیں۔ ان میں بیشتر وہ  
ترتیب و تجھیں بات ہیں جو استعمال کی یکسانیت کی وجہ  
سے اپنا کیم پہنچا اور اس بات کو بھی نہیں اور جھینیں

چند کثرت است پند کی کہ اس میں ہوتا تھا لکھن جتنی نے  
ان تمام الفاظ و تراکیب اور تکیہات کا مظہر ماری  
ہل دیا یعنی الفاظ و تکیہ و سہجہ لکھن کے یہاں وہ  
ایک نئے طبع اور نئی صنعت کی نگاہ کی کرتے ہیں مثلاً  
حق کی وہ قزاقوں کے یہ چند اشعار چلی کر نے کی  
اجازت چاہتا ہوں ۔

یہ جیسے ظم کا چارہ وہ نجات دل کا عالم  
ترا حسیں وہ بیٹھی تری یاد دے سرگرم  
دل وہاں ضارے رہے کبھی آئے دیکھ وہم  
سرگرمے دل نگاہیں صپ آندہ کا عالم  
ہر گھپ تھی تھی تری وہ گدہ میں گدوایں  
نہ ہوا کہ مر مٹیں ہم نہ ہوا کہ مٹی اٹھیں ہم  
اور دوسری قول کے چند اشعار یہ ہیں ۔

منت جانے گی خلق تو انصاف کرد کے  
منصف ہو تو اب مضر اٹھا کیوں نہیں دیتے  
ہاں تھو وہ فدا اب و دل کی گواہی  
ہاں تھو کہ ساز صدا کیوں نہیں دیتے  
جہاں جنوں ہاتھوں کو طرے گے کب تک  
دل دلو گریباں کا پتہ کیوں نہیں دیتے  
بربادی دل بھر نہیں لکھن کسی کا  
وہ دھمپاں ہے تو ہلا کیوں نہیں دیتے  
یہ جملوں لڑکیوں کا ہر عام عشقہ لڑکیوں ہیں

جس کا سدا عشق ہی تمام ہونے کی راجی عشقہ شاعری  
سے مستعار ہے اس میں تقریباً ساری تراکیب وہی  
ہیں جو وہ شاعری میں ہمیشہ استعمال ہوتی رہی ہیں۔  
چار ظم تھو دلی دستہ میں تھی جست وہ گدہ مرنو ضا  
صپ آندہ مضر کو دے دنگواں تھو گریباں دنگواں  
گریباں بر باد کی دل دنگواں جاں دلیرہ دلیرہ ۔ یہ  
اشعار اپنے محاورہ عشقہ طبع میں بھی بڑا تاثیر ہیں اور  
ایک اشعار میں ہمارے کہہ جائیں گے لیکن صرف یہ طبعی  
ان اشعار کی بدائی یا کجی کا سبب نہیں ہے یہ اشعار

لکھن نے وہ ہر نثر میں لکھے تھے اس حقیقت کے  
اشعار کے بعد اب ایک ہدیہ مران اشعار کو چھاپ  
دی وہ مولوی ترکیبیں اور وہی تمام راجی الفاظ ایک  
نئی صنعت کا انکشاف کرتے ہوئے محسوس ہوں گے  
یہ ہمت آسان نہیں یہ صرف الفاظ کا نثر نہیں اور  
تراکیب کا حراج اور ہی کر سکتا ہے۔ لکھن کی شعری  
چوٹی کے مقابلے اور افتاد کے نہیں کی یہ ایک نام  
کڑی ہے۔

لکھن کے کام کی ایک بڑی خصوصیت ان کا  
استعارے کا استعمال ہے۔ لکھن نے عام طور پر تصویر  
سے کم اور استعارے سے زیادہ کام لیا ہے جو ان کی  
ذہانت اور صنعت اس کی نگاہ سے کہہ سکتے ہیں۔  
خود بھی ہی خصوصیت کیوں نہ ہو وہ اپنے طبعی یا فطری  
میں مثال سے آگے نہیں جاتے لیکن استعارے میں  
معنی چہ داری اور اشاراتی پہلو پڑا ہوتے ہیں۔  
لکھن کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے راجی الفاظ سے  
استعارے تخلیق کرتے ہیں اور ان استعارات سے  
دہرا تاثر پیدا کرتے ہیں یعنی ایک طرف وہ اشارات  
وہ ان کو اس قدر قائم کھلت کی طرف لے جاتے ہیں جو  
تقریباً فراموش ہو جاتی تھی اور جو دنگواں دنگو  
ہونے کی تھی دوسری طرف وہ بے ماحول سے  
مطابقت اور زندگی کی نئی کشاکش سے اسے دوبارہ کر  
دیتے ہیں۔

یہ کہیں تھے جن کے لباس پر سرور سیاہی بھیگی  
بھی دانت تھے جو کاکے سر پر ہم یاد چلے گئے  
بہت طے نہ طے زندگی سے ظم کیا ہے  
محتاج وہ ہم سے تو جی دم کیا ہے  
جو جہاں میں کوئی نہ تھکے سے چھا  
دار دلی جہاں کی غار وہا  
اگر جہاں کمال سے نکلتا ہے

تو دل پیاست چاہہ گریں کی غار وہا  
دیہہ تر پہ وہاں کون نظر کرتا ہے  
کاسر جہم میں غول تاب بھر لے کے چلا  
اب اگر جہاں ہے عرض و طلب ان کے حضور  
دست و کشتول نہیں کا سر سر لے کے چلا

ذوق میں غول لرام نہ ایک آنکھوں میں  
تو شوق تو دایب ہے بے وضو ہی سہی

زبان پر سرگی ہے تو کیا کہ نہ دلی ہے  
ہر ایک معلقہ دلچر میں زباں میں لے

محراب گئے پھرے اور قلم پڑے ہی پر  
اب شہر بد ہو کر دیوانہ کھر ہائے  
خاک وہ جہاں پر کچھ خوں کا گرد اپنا  
اس فصل میں محسوس ہے یہ قزاقی اڑ ہائے

بھوری ہر کیے جاتے ہیں بازار غلی  
ام کے پچھلے الماس و گھر جائیں گے  
مطالعہ لکھن کے طبع میں ایک ام بات یہ بھی  
ہے کہ لکھن کو اپنی راجت میں یہ قول بیانی میں  
ایک طرف دندہ دار آواز اور آواز تھے اور دوسری طرف  
غالب سدا ہر تھو خود لکھن کے بدلتی مہدی میں جس  
طرح کی فزونی بھی پادری میں اس کی مثال دینے کی  
ضرورت نہیں ہے جس میں بھی کہیں تھو لکھن کے  
آواز تو بھر آنے لگے تھے لیکن بدلتی کی زبان کے  
ظہار سے اور حوالہ بدلتی کی روشنی عام تھی۔ انجان نے  
اسے ہل آکھا ضرور کیا لیکن بھی سسکیاں لیتی ہوئی  
خول رفتی پند کی کایف کا مستحق جس کی تھسلی کا  
یہ سونچ نہیں ہے۔ رفتی بدلتی ہمارا ہر جہاں کے نام  
خرد لے جاسکتے ہیں جنہوں نے قول میں غلبہ

لکھے اور ان کی روشنی کی توقع کی۔ اس حلقے میں فقیح کا سب سے بڑا contribution یہ ہے کہ انہوں نے غزل کی مرہبہ شعریات کو قرآن اور اپنی قرآن سے باوجود اسے روایت کی تحفے سے نکال کر زندگی کی تازگی اور طراوت بخانی سے آتش کیا لیکن انہی ان کے اس contribution کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس لیے کہ جو فکرا اپنے عہد کے مرہبہ اصولوں کو توڑتا ہے اس سے بدعت کرتا ہے اس کی تکیا قدر کا قصہ نہیں خود اس کے عہد میں مشکل پیدا ہے۔ اس پورے کی کوششیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بخود آتی ہیں اور سنے کے گشتے روشنی آجیہاں سے جانتے ہیں۔

”قلمی کو کیا کرنا ہے“ ”سہم کا سراغ“ ”خیر لیکن اس حلقے میں ان کی ”کاملی لڑا سوشل علم“ حلقے میں ہے کہ انہی ”جس میں وہ کہتے ہیں مست وہ ہے وہ کہانی تیری اپنی کی آنکھ کی ہے۔ مست وہ ہے کہانی پہلے تیرے جاتے اپنے قلم سے وضاحت کی ہے۔ اور اس طرح قلم کا ختم کیا ہے

کی غزلوں کی خصوصیت ہے۔ یہ بات بعض شعریات کو شاید پسند نہ آئے یا وہ اس میں غزل کی کسی طرح کی برتری سمجھیں کریں اس لیے کہ بعض لوگوں کے خیال میں قلم پر غزل کے آج تک کا کوئی قصہ نہیں ہے۔ میں بھی قلم اور غزل میں ایک حد فاصل کو ضروری سمجھتا ہوں اور یہ حد فاصل فقیح کی انہوں میں موجود ہے لیکن فقیح نے اسے دوسری طرح بتا ہے جس کی وضاحت میں دوسری طرح سے کرنا چاہتا ہوں۔

اول یہ کہ فقیح نے غزل کی تفصیلات اور رد و باوجود کا قرآنی اور فرائی میں فرق کرنے کا وسیلہ بنایا ہے۔ ان کے یہاں رد و باقرانی الفاظ و ترکیب کے استعمال کا مقصد یہی مقصد ہے کہ صرف ایک چارہ ہے کہ شعری ایک دوسری میں اختلاف کرتا ہے۔ دوسرے شعرا کی طرح وہ اپنے شعر و الفاظ کی استعمال کر سکتے تھے لیکن فقیح نے چڑکی جاتے اور یہ بات بڑھ کر کرنا چاہتے تھے اور کسی قصہ دانتے ”سائے کا“ ”چربے کو جھٹکے اور مقام کی حد سے بلند کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے شاعرستان کے جیسے جیسے گل سے نکال دیا اور یہ فقیح کا بہت بڑا کام ہے۔

دوسرے فقیح کے یہاں ایک خصوصیت شعری تہذیب ہے یہ شعری تہذیب ہر عہد سارا شاعر کے یہاں ملتی ہے۔ تہذیب اور تہذیب اور تہذیب میں ان کے شعری لہجہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ فقیح کی بھی اپنی شعری تہذیب ہے جو ان کے کام میں ہر جگہ نمایاں ہے انہیں بلکہ ان کی طرح سوز و گم ہے کہ ان کے کام میں کہیں کوئی کھر دین ”کسی طرح کی راغ“ ”لوائی یا پھٹا ہوا“ ”تھر تھر آتی اور یہی وہ ہے کہ فاصل سمجھیں یہ ان کی قلم کی زبان اور غزل کی زبان میں فرق پاتی نہیں، یہاں یہ شاعر نے غزل کا حفظ کیا۔

”ختم تم جانی شہیدہ کانی نہیں تہمت صلیق پاشیدہ کانی نہیں

مست وہ ہے ایسا بانی ہوئی چاندلوں میں دہنے کا تو دور بھی فکرا دینا نہیں کے آسماں کا شادہ مارے اک نہ بھی بدل کر تھو سے کھینچے لوٹ آئیں گے۔ فقیح کی سیاسی یا ماسوائی قصص چارہ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی جگہ شعری زبان کی قدر کو دیکھ کر نہیں جانتے دیا ہے۔ وہ نظریاتی قصص اور شعرا کی آبی تری اور نکلاوت سے کھینچے ہیں کہ ان سے کھینچا، ان کا اندازہ، کھینچے والے کی ان کی قریب کے بغیر نہیں دیتے۔

فقیح کی شعری چھانٹ کا ذکر اس بات کے بغیر نہیں ہے کہ انہوں نے قلم اور غزل کو کیفیت و اثر آفرینی اور زبان و استعداد کی حد تک قریب آئے کی کوشش کی یا قلم میں غزل کی روحانی اور فکری پیدا کی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے یہاں قلم اور غزل کا فرق نہیں ہے لیکن اس فرق کے باوجود ان کی بیشتر قصوں میں وہی خیال اور اظہار آج تک ہے جو ان

فقیح کی شاعری کی ایک خصوصیت ہے زندگی کو زیادہ خوبصورت اور دلکش دینا کہ انہوں نے ”سرت“ کی تاریخ انسان کا طوفان جنگ اور قلم سے بے پناہ دیکھنے کی خواہش ہے۔ یہ خواہش فقیح کے یہاں اس قدر شدید ہے کہ شاید ان کے قلم میں ان کے مدلی ہے۔ یہی ان کی محبت ہے ”یہی ان کا عشق ہے“ ”یہی ان کی زندگی اور یہی ان کا درد ہے۔ فقیح کی قلم اور اپنا کوئی قول انسانی جذبہ اور انسانیہ کا ایک وسیع تصور ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کا فکری یا commitment ان کے انداز بیان اور ان کے جہان بینی یا انسانی نظام میں عیاں نہیں ہوتا۔ سب کچھ خوبصورت کھینچا، ان کا قلم ہی بدعنوانی کا قلم ہی بلکہ اس لیے کہ انہوں نے ہر انسانی طرح کو ہم اور ان کی کھینچنے انہوں میں قلم کو دیتے ہیں جو ہر ان میں اثر جاتا ہے۔ ان کے یہاں ہر جگہ زندگی کی ایک ہی انگ سے جذبہ اور اس کی قی کر نظر آتی ہے۔ یہاں پر ان کی بہت سی قصوں کے حوالے دیے جاسکتے ہیں۔ خاص طور پر ””کچھ نور کر دے““ ”جوت کے لیے“ ””مرہادی جی““ ””سوچنے والا““ ””دل میں مسافر““۔





غالب اور فیض

بظاہر غائب اور فقیل میں ہوا اٹھسوں ہے۔  
اس بات کا وہ کئی احساسِ دلوں کے ٹھٹھک کے فرق  
سے ہے۔ شعروں کا انتخاب اگر شخصیت کے روحانی  
کا موجب ہے تو ٹھٹھک کا چناؤ بھی شخصیت کی تصویر ہی کا  
باعث ہے۔ مثلاً غائب کا قاضی غائب کی اتالی کم ہے کم  
شخصیت کے اثبات کی کاغذی ہوا ہے چنانچہ غائب  
کی زندگی کے حدود و اختصا (خصوصاً ملازمت کے  
سطح پر) ایسا ہے۔ ہانے کا واقعہ اس کی ایک زندگی  
ہی کو سامنے لاتے ہیں۔ دوسری طرف فقیل کی زندگی  
ایک ایسے ٹھٹھک کی داستان ہے جو دوسروں سے جھڑپ  
ہونے یا ٹھٹھک کی اہمیت کا مظاہرہ کرنے کی بجائے  
بیشخصیت اور غیر شخصی کے مسلک پر کاربند رہا ہوں  
گنا ہے جسے فقیل کا چناؤ فقیل کی شخصیت کا ایک مستقل  
مجان تھا۔ ہائی معاملات میں تو یہ وہی کچھ اور چیز  
تھا۔ نہ تو انگریزوں کی میدان میں اس نے کام کو  
اتصال اور علم کے بلبلوں سے نکالتے اپنے کی جو رو  
بجائی میں اسے فقیل کے سہلپ ہی میں شمار کرتا  
ہوں۔ اس نکتے کے ساتھ اگر یہ کچھ بھی شک کہ وہ  
جائے کہ غائب کا چھوڑی نظام سے ہم آہنگ اور  
شعور کی روایت کے تابع قاضی کے فقیل اشراقی  
نظام سے ہم آہنگ اور اپنی ہر گز سے فقیل کے  
دلوں کا فرق فقیل کے سامنے ہے۔ اگرچہ وہ ہے۔ مگر  
غائب اور فقیل میں فرق کا معاملہ اس میں تک ہے۔  
اس سے آگے دلوں کی مشترک صفات ہونا کے

کلاسوں کی طرح بہت دور تک ہم سفر دکھائی دیتی تھی۔

حافظ غالب کی زندگی میں تھکن بھائی اور شاعری میں آزاد خیالی کافی انھیں احساس ہوتا ہے اور ان کی اس شخصیت کی حلیت اور کام کے معاملہ سے ہوتا ہے۔ غالب کا قصہ یہ ہے کہ اس کی آزاد خیالی خود اس کی طبیعت کی بے قراری کا شکار تھی اور طبیعت کی بے قراری میں اس کے آہنی خون کی گرمی اور دھماکے کا بھی ہاتھ تھا۔ دراصل غالب کی طبیعت کسی پائے میں سمجھیں سکتی تھی اور چمک چمک جاتی تھی۔ چمک جاتے کی یہ صورت ان کردہ گناہوں (یعنی سڑنوں) سے بھی ظاہر ہے، غالب نے لکھنا شروع کیا اور پورے جیل کے سلسلے میں کئے اور ان ناکردہ گناہوں سے بھی جن کی حسرت اس کے دل میں ہم آفرین رہی۔ جیل کے سلسلے میں بھی وہ غالب کے حصول سے زیادہ سڑن سے لطف کشید کرنے کی طرف مائل تھا

غالب کہ اس طرح میں مجھے ساتھ لے لیں  
 جا جا کہ قواب خور کوں کا حضور کی  
 حقیقت ہے کہ غالب بنوایا طور پر ایک  
 بیان تھا وہ بد وقت حالت طریش و ہنس سے مراد  
 تھا کہ اس دن رونق سفر کی وہ سوئیں تھیں پھر جس نے آج  
 کلی حاصل ہیں اور یہ غالب اپنی اعتبار سے اس قابل  
 تھا کہ اپنے ذوقی نشاط اور حسرت و تادیب کی تسکین کا  
 حیران کر سکے لہذا اس نے ایک خوب آواز طرانی ہے

محرّم ہونے کی حوالی نقل۔ مکافی سے کی اور سے پہلی  
 پہلی میں نقل آفری کی وہ سے طرح نقل۔ مکافی  
 کی صورت سے نقل کی غائب کی ایک جگہ کہ کہ وہ۔  
 شہن یک کی حوالی کے پہاں کی حوالی، حکیم  
 میں خان کی حوالی۔ غائب ایک تانہ بدش کی طرح  
 طرح اپنا ہوا۔ مسخر دھانے ایک مکان سے دوسرے  
 مکان میں نقل ہوا۔ پہاں میں لئے کہ بدش حالی وہ  
 ایک کہہ جے ہونے اس سے آتا ہوا تھا۔ آخری  
 مکان گئی کام پہاں سے کوڑا تھا۔ غائب وہاں ہی  
 ہوا سے کی آگ میں جگہ کہ وہاں کہ۔

قائب مکان جن میں گھر کی ٹھک ڈالنی ہے اس  
 ۱۹۱۱ میں تھا۔ اس کے لئے گھر ایک بڑی خانے سے  
 دیکھا اور اسے ترک کر دیا۔ وہ اس خانہ میں سرائے کا  
 کمرہ کہہ لیجئے۔ یہی کوڑی دار خانہ کے پانچوں کو  
 چھوڑ دیا کہ گھر پر قائب کی اس خاص روشنی کا  
 نواز ہے۔ طر کرنے والا چاہے وہ جسمانی طور پر  
 حالت طری میں ہو یا عقلی طور پر ترقی کا پیشوا ہو جاتا  
 ہے کیونکہ اسی پالے میں وہ اپنی طرح متحرک ہو سکتا  
 ہے۔ قائب طبری طور پر متحرک تھا جس لئے خود وہ  
 غلبہ سے اپنے دامن کی دلا کر وہ صدمہ جے دیکھتا تو  
 احتجاج کرتا۔ گھر بنیادی طور پر ایک آشیانے کی طرح  
 ہے اور آشیانے میں چمکتا ہوتا وہ دھواؤں کیلئے گا  
 مگر قائب گھر کی چمک کو اپنے اصحاب پر ایک بوجھ  
 گہرا تھا۔ خود قوت نے اس سے طبیعت کے اس

مجان کا اہتمام اس کا کردہ ہے اور وہی اس درخت سے  
رہنمائی ہو گیا۔

یہی آثار و خدائی آثار وہی کے ایک مسلک  
کی صورت اس کے کام سے بھی متحرک ہے۔ غالب  
کے کام کا مطالعہ کریں تو ایک بے قرار روح اپنے  
زمانہ کی مسافروں سے سر بھڑکتی ہوئی ساف و کھائی  
رہتی ہے تاکہ آزاد ہو سکے۔ چنانچہ غالب کے کام میں  
تفصیلات اور استعاروں کی گہرائی کے لطیف دیوانوں کی  
موجوں کی اس کی آواز خدائی غی کی توفیق ہے۔ غالب  
کسی شے یا کیفیت کو اپنے پیش کرنے کی بجائے یہ  
اسے کھلنے سے پہنچ کر دیتی اور اس کو ایک شے سے  
بیرک کر کسی دوسری شے پر مبرا کرنے کے بعد وہاں  
اپنی اصل جگہ پر آجاتی ہے۔ اس میں وہ کناروں لیکن  
محبہ اور محبت یہ (انہیں) چھوٹے چھوٹے  
metaphier اور metaphied کہا ہے) کے

لپ کا صحرا بھرتا ہے جس بات پر مال ہے کہ وہی  
یا فکر کسی ایک کنارے سے بندھا ہوا نہیں ہے بلکہ  
وہاں کناروں کی درمیانی قطع کو بچھنا تک گیا ہے۔ مراد  
یہ کہ چھبھ میں مطلب ایک ایک کڑی کن جاتا ہے جس  
میں ہمارے اشیاء مختلف ہوتے گئے ہیں اور محبت یا محبت  
کا جڑ بدن ہی کہ ارتقا کے بند کیا جانے سے نہایت  
پائے میں کامیاب ہوتا ہے۔ غالب کے اس چھب  
اور استعاروں کی فراوانی سے جس کا مطلب یہ ہے  
کہ غالب ارتقا کے بند کیا جانے سے آزاد ہونے پر  
قادر ہے نہ کہ جسے بھی شاعری میں چھبہ اور استعارے کا  
استعمال ایک متحرک اتحاد جان کا قرار ہے جسے وہ  
طوائف زیادہ مزاج ہوتی ہیں جو آزاد وہی کو پختہ کرتی  
ہیں۔ غالب کے اپنے زمانے میں وقتی فقر اور  
دوسرے بلکہ پاپے شعراء بھی شعر کہہ رہے تھے۔ ان کے  
کلام کی سادگی سادگی اور سادگی کی بات کو سامنے کی  
زبان میں بیان کرنے کی دہائی اور وہاں پر ان کی

جرح تھیں قدرت کی قدرت ہے جس میں اس میں چھبہ اور  
استعارے کی فراوانی نہیں ہے غالب کے ہاں سادہ  
ہے۔ جسے یہ کہ قیدی طور پر اس سب شعروں کے مقابلے  
میں غالب نہیں زیادہ متحرک اور بے قرار غصہ کا  
ناکبار۔

غالب کے اشعار کی دقت میں چھبہ اور  
استعارے کے علاوہ لکھنوی دیوانوں نے بھی ایک اہم  
کردار ادا کیا ہے۔ بعض اوقات تو غالب آپ لکھی  
دینا سے پہلے اپنے ایک ایسا خیالی جہان تعمیر کر لیتا ہے  
جو شاید تو میں کی لکھی سے بھی چاہی تھیں تو وہ  
تھے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں signifier اپنا رشتہ  
signified سے توڑ لیتا ہے یعنی لفظ اپنے کو بے کی  
قد سے آزاد ہو جاتا ہے اور نظم کے کیر کے کی طرح  
رہنے کے عمل کو بچ کر لائے کا اہم بند لگتا ہے اور  
لکھنوی کا کائنات سے ہم نشین ہو جاتا ہے۔

بھر ایک یہ وہ متحرک اور مقدس مقام ہے جہاں  
شاعر اور شاعری اس فضا میں سانس لے رہا ہوتا ہے جو  
معمولی سے شعر کو بھی برداشت نہیں کرتی اس سے یہ  
بات بھی لکھی کہ غالب کمال کے کمال کے پہلے  
ہوئے خود غلب سے کہیں جہاں تھا کیونکہ ہر بار  
جب کوئی خاصا ہوتا تھا اسے جہاں تھا اس کے خواہوں  
کے آگے چھبہ چرچہ ہو جاتے تھے۔ ویسے ہر اندازہ  
ہے کہ غالب کی آواز و خدائی یا آزاد وہی دہائی کسی  
میزوں کے لئے نہیں تھی۔ منزل تو اس کے ایمانی میں  
پیشہ تھی اسے ایک دیوانہ یا عظیم فرقہ کا عالم کہ لکھتے  
جس کا حصول ان اہم نہیں تھا جتنا کہ اس تک رسائی  
پانے کی وہ کوشش جسے سلسلہ عشق کا نام دیا جاتا ہے۔

آواز و خدائی کا جذبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ  
اس کے راستے میں کوئی بند نہ باندھا جائے کیونکہ  
بہار غالب جب مطلع لکھی ہے تو وہ بھی وہی ہوتی  
ہے۔ وہاں سے تو انہیں لکھی امر واقعہ ہے کہ

غالب کا رستہ کے عمل کا مطالعہ سچ سمجھو، یاد رہے ہر  
روشنے یا مصلحانہ طور پر دیکھیں وہاں میں نے اس کی تھیں  
بڑائی عالم کی پاک سے کم جس پر اسے بندش یا بھیر  
چال کا گمان ہوا۔ غالب کے نزدیک وہاں، مطلع یا  
آواز و خدائی کناروں میں بند ہو کر رہنے کا نام نہیں تھا  
بلکہ کناروں سے چھٹ جانے کا عمل تھا چنانچہ وہاں  
کتابوں یعنی social grooves سے بھری نظر  
اور لکھی کتابوں میں لکھی cliches سے بھری دہائی پر  
یہ بات اس کے اشعار کے مخصوص مزاج سے لے کر  
اس کی زندگی کے پورے پورے واقعہ تک پہنچی  
ہوتی ہے مثلاً اس نے بیوی کو چاہے وہ انگریزی بیوی  
کیوں نہ ہو لائوئی فرانسس دیا۔

لازم نہیں کہ شعر کی ہم بیوی کریں  
ہاں کہ راک جڑ کر ہمیں ہم سڑے  
وہاں عام لوگوں کے ساتھ مرنے لگی اسے پند  
نہیں تھا۔ جب وہی میں داخل ہوا تو غالب کو  
دوسروں کے مقابلے میں لکھی کا کہیں نہ وہاں  
ہوا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دیوانی معاملات کے علاوہ  
اس نے دیوانی معاملات کے سلسلے میں بھی آزاد وہی  
کا مسلک اختیار کئے دیکھا مثلاً پاشاہ

ہم کو معلوم ہے جسے کی حقیقت لکھی  
دل کے ٹوٹاں لکھنے کو غالب نے چیل چھبہ

کیا کھٹ ہم ستم زدگان کا جہاں ہے  
جس میں کہ ایک بندہ سحر آہاں ہے

ہے کہاں تھا کا دوسرا قدم یا رب  
ہم نے دشت ادھان کو ایک گھٹن یا چاہا  
ان اشعار سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ  
غالب کے ہاں آزاد وہی کا تصور کسی قدر سکھ و قہر کا  
کھلہ، کہ بڑی آزادی بھی اسے قہر دینے کے درج

فرما سنا اس سے کہ وہ اپنی روٹھیں نکلتی تھی۔ آسمان کو بوند  
سود صرف وہی گھٹیں کہہ سکتا ہے جو ایک بلکہ تمام سے  
وہ خداوند موجود کی عقل کو کہہ گا۔ دوسرا شعر غالب  
کے ہاں کا کافی شعر کا بھی لازم ہے۔ بنیادی طور پر  
کا کافی شعور جسوی مدنی میں ابھرے والے ان کا  
دوسرا نام ہے۔ حیرت ہے کہ انیسویں صدی کا یہی  
ہونے کے باوجود غالب کے ہاں ایک ایسا ذہن پر نگاہ  
ابھرا آیا تھا جسے اس زمان کا فاضل و مقرر ایسا دیکھتا ہے  
چنانچہ جب غالب تنہا کے دوسرے قدم کا ذکر کرتا ہے  
تو گامی یہ سوچتے ہیں مگر وہ جانتا ہے کہ وہ جانتے تو  
الفاظی قدموں میں پوری کا نکات کا اسلوب کا تھا مگر  
غالب کی گامی، دوسرا ہے کہ اس نے ایک قدم قدم  
اسکاں پر رکھا ہے اور دوسرے قدم کے لئے اسے کوئی  
جگہ ہی نہیں ملی رہی۔

غالب کے نتیجے میں تو انہیں اہل بیت غالب کی ہے  
قرار طبیعت کا مالک ہونے کے باعث عقل بھی ایک  
مستقل نوعیت کی آواز فراہمی کر دیتی رہے۔ ان کی  
ماہان حیات کے اس پہلو کا بطور خاص ذکر کرنے کی  
ضرورت اس لئے نہیں کہ یہ ایک داخل سامنے کی بات  
ہے کہ کچھ ایسے ان کا ایک قدم لندن میں دوسرا انگوٹھی  
غیر انہیں وہ دور جو تھا ہندوستان میں ہوتا تھا۔ وہاں  
میں وہ اپنے ملک میں بھی ایک سطر بھگنے کی طرح  
گھوم جاتے تھے۔ اڑھیس تو زیادہ عرصہ یاد نہیں  
رہتے تھے۔ چنانچہ چینیگیس فرما سوچیں کہ انہیں  
ملک بدر کر دیا گیا ہے لیکن جب انہوں نے دوبارہ  
پاکستان کو اس سلسلے شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا  
ہیں اس پہلو کی کسی مجبوری کے سوا انہیں کچھ نہ ملے  
یہ قرار کی کا نتیجہ تھا۔ یوں دیکھیں تو غالب اور عقل  
کے ہاں ایک گہری ممانعت کا کافی اندازہ اس میں  
ہے۔ ہر گھر کا مطالعہ کے کام عقل کے سوانح نگار کا ہے  
کہ وہ مگر کے دور اور نیز مگر کی چیز ہیں اور انھیں

کے بارے میں عقل کے درمیں یہ روشنی ڈالے مگر میرا  
انداز ہے کہ عقل صاحب کی اپنی اور اس کی زبان  
تحریر شخصیت مگر کے معاملات میں پوری طرح  
شاید "تجربہ" نہیں رہی تھی لہذا ان کے مگر کی سفاقتی مگر  
نظر آتی رہی ہے تو اس میں یقیناً ان کی نصف بھڑک  
ایسا دم بخود ہوا گا۔

آزاد و مری اور آزاد و مدنی کی یہ روش عقل  
کے کام میں آزادی کے حصول کی یہ پلان آزادی  
میں ہوئی تو "صحیح آزادی" کوئی ہم عقل ہوئی جس میں  
ان کا یہ موقف تھا کہ آزادی کی ہر بھی صورت انہیں ہوئی  
اسلاف عقل کے لئے آزادی کی یہ سحر ایک ہے جو وہی  
تھا جو ان کے اندر انہیں موجود تھا۔ ہم عقل کے سیاسی  
اور انسانی مسلک کی روشنی میں اسے لے کر عقل کو مگر  
تکھے ہیں اور کرتے ہیں مگر عقل اس کی حیثیت نہیں  
ہائے۔ غالب کی آزادی کی طرح عقل کی آزادی بھی  
ایک تجربہ یا موعظا ہے جس کا حصول انعام نہیں جتنا  
کے حصول کے لئے شاعری تک دورا عقل جب لکھتے  
ہیں کہ

اس طرح ہے کہ میں پرہ کوئی ساحر ہے  
جس نے آفاق پہ پہنچایا ہے یوں سحر کا نام  
دائن وقت سے بچت ہے یوں ماضی کا نام  
اب بھی ٹام لکھے گی نہ اندھرا ہو گا  
اب بھی دانت اٹھنے کی نہ سوچا ہو گا  
آسمان آسمان لئے ہے کہ یہ جہاد نولے  
چپ کی ذخیرہ کے وقت کا دامن بھولے  
وہ کوئی سکھ وہانی کوئی چاکل بولے  
کوئی بدت ہے کہ کوئی سوانی کو کھٹ کھٹے  
تو وہاں اندھیرے اچالے کے اس پر اسرار  
عالمی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے ان کے  
پس آزادی کا کوئی سرب ہوا سحر جس کے کوئی ماضی  
خدا مال نہیں تھے گویا عقل کا اندھیرے جاسے کا ہوا

"غالب" کے "عقل" کا آخری "میں" سے مطاب ہے۔  
غالب اور عقل کے ہاں ایک اور قدر مشترک  
ان کا سیاسی شعور ہے۔ غالب کے زمانے میں انہیں  
جمہوریت نے یہ پڑے نہیں گائے تھے اور اہل بیت  
کی بھی عقل بدلتی تھی اس سب کے باوجود غالب اپنے  
ساحر میں کی بہ نسبت ماضی کی گردنوں کے بھر ماضی  
تھے۔ ان کے خطوط میں دلی کے آج کے کی جہاں  
وہاں کوئی ہے جہاں ایک ہے جہاں کے ان کے ان کے کہانی  
ہے۔ دلی اپنے زمانے کی طوائف اسلام کی نکلت و  
ریختہ انہیں اور فیروز کے جبر و استبداد انہوں  
اور ملک سالوں کے لئے ایک علامت کی صورت  
اتھار کر گئی تھی اور غالب کی حیثیت اس سکھ آگہ کی  
تھی جو اس کے گھر پہنچا لے اور ان کے ہونے کے  
ساحر کا ایک سحر بدلتی ہوئی پوری تھی۔ دلی میں لکھنے  
کے بارے میں اے کے دوران جو پابندی قائم ہو گئی  
نہیں انہیں دلی کے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہوا  
زبان بدلتی ہوئی بلکہ گت کے بغیر شریعت لکھا شریعت  
داخل ہوا ماضی ہوا وہ ہے کہ وہاں کو جس سے دلی  
سے گورنر اور کانوں نے عقل کی یہاں اس میں طرح  
پرانی عقلیں اور دور سے اور مکان نولے کا کوئی اور  
کھلا سحر نہیں بن سکتی۔ یہ سب بلکہ غالب کے لئے  
ہو جان دوسرے تم زندہ غالب اس سب کا ایک ہے  
اسی باغ تھا کہ اس کے دل میں اس سب کے خلاف  
ایک طوفان برپا تھا مگر وہ ایک طرف بھی زبان پر نہ  
سکتا تھا بلکہ بھی اپنے خطوط میں اس اپنے کام کے  
اور ہے اس نے اشتیاق کتابوں میں اس صورت  
مال کے خلاف اپنے دامن کا اظہار کیا۔ آج کے  
سیاسی شعور کے عموماً ہے تو ہم اس دامن کو سیاسی  
ہرگز نہیں کہہ سکتے مگر اس طور پر سیاسی شعور ہے جسے  
اسی دلیت کی "ڈیٹ لینڈ" جو کھٹت و کھٹت اس  
لکھ کی نکاس ہے جس کے سحر کات میں سیاسی دلی

لے بھی ایک ام حصہ لیا تھا۔ جو حال غالب کا مرض اس کے کام میں اُبھرے والے اس اٹھارہ ورزہ ایک سے بطور خاص مترشح ہے جو بعد ازاں ہر قسم کے سیاسی حدود و کمرت میں لینے کے لئے بعد سے کاروائی کیں۔ اس واقعہ سے وہ کہیں تو بعض باتوں میں لگتا ہے جیسے ساری بد فہمیاں غالب کے لئے بہت دور حوا سے جڑے ہو، اس میں دیر و زین 'سلطان' ہوں 'نظم' 'نظم' اور غوں و دیگر اصطلاح کے سے حلقہ مطالعہ پر اور اسے غالب سے آنے میں خطا نہیں کا وہ کام لے لکھتے جو کہ بے سیاسی شعور کے لئے بہت مشہور ہے یہ ایک کج تربیت ہوئی ہے کہ فقیں غالب سے کہہ دیا تھا تو اس بات سے قطع نظر کہ ان کے وہ جلوں کو 'مکمل فردا دی' اور 'مست و سنگ' کے ہمہ تن غالب سے مستعد ہیں اپنے مستعد افسار میں بھی فقیں نے غالب سے استفادہ کیا ہے خطا فقیں صاحب کا ایک مصرع ہے

اور بھی دیکھیں زمانے میں بہت کے سوا  
اور غالب کا مصرع ہے

جرے سوا بھی نہ پ بہت سے علم ہوئے  
اسی طرح فقیں کہتے ہیں۔

حاجہ لوح و رقم چمن گی تو کیا ثم ہے  
کہوں دل میں باؤی ہیں انگلیاں میں نے

اور غالب کا شعر ہے

اور دل کھوں کب تک چلاں اس کو دکھاؤں  
انکھیں دکھ اپنی عاص فرماؤں اپنا

حقیقت یہ ہے کہ غالب کے کام میں ایک ایسا  
ادبی کارفرما نظر آتا ہے جو بیسویں صدی کے متحرک

ذہن کا فیتیہ وہ ہے۔ غالب سیاسی و دوجہری کے  
باہر نہیں تھے بلکہ ہستی معاملات کے سطح میں بھی

خاصے بطور تھے اور فکری اعتبار سے تو وہ بیسویں  
صدی سے ایک نئی دنیا تک ہم آہنگ بھی تھے۔ گویا

جس فکری اور سیاسی موسم میں فقیں نے ساری عمر بسر کی  
اس سے ملنے چلتے فکری اور سیاسی موسم سے غالب بھی  
اپنے زمانے میں متاثر ہوئے تھے۔

بلکہ بھی صورت حال ان دونوں کے شعری  
اسلوب کے سطح میں بھی نظر آتی ہے۔ دونوں کے

ابتدائی کام میں قاری الفاظ اور ترکیب کی فراوانی  
ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ غالب کے ہاں قاری

قاریاں اعتماد نے ہادی طرح قلب حاصل کر لیا جس سے  
بعض باتوں شعری لطافت 'تکلف' اسلوب کے

بارگراں کے سب کی سب کہ فقیں نے قاری الفاظ کا  
بہت زیادہ غصہ سے اس طرح پر استعمال کیا کہ وہ

دل کی آواز میں لگے۔ بعد کے کام میں دونوں نے  
قاری آمیزہ کو اپنا کر ایک نئی دھندلک رک کر کے

کلی صبح کو اپنا۔ اس فرق کے ساتھ کہ غالب کے  
ہاں سادہ گوئی میں سادگی کے لئے اقل اور بہت چلے

آئے اور ان کا کام شعریت اور لطافت کی آخری  
حدوں کو چھوئے میں کامیاب ہوا جب کہ فقیں کے

ہاں جھجکی کب کے سہہ جانے کے باعث سادہ گوئی  
کے کل کے شعر کو نثر کی سطح پر بھی کر دی اور فقیں

صاحب شعری الفاظ سے غور ہو کر کمرہ بازی کی سطح پر  
اترتے چلے آئے۔ تمام دونوں کے ہاں اسلوب شعر

کے سطح میں جس طرح کی تبدیلی آئی وہ ان کے  
شعری حوا سے کامیابی کو ظاہر کرتی ہے۔ ان

دونوں کے مقابلے میں شمر کی سادہ گوئی شروع سے  
آپٹیک قائم رہی اور آخر کے ہاں قاری سے فطرت

کا جو اعتدال ابتدا میں انفرادہ معمولی تبدیلیوں کے  
ساتھ وہ ان تک محدود رہا۔

عاقہ کام سے پہلے میں ایک اور دلچسپ  
مماکت کی طرف بھی اشارہ کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ

کہ غالب اور فقیں دونوں قہر وند کے گروہ سے  
گندے ہوئے دونوں کو قہر وندی کے اہرام میں سزا

فی اس فرق کے ساتھ کہ غالب قہر وندی عام ہی جہادی  
کا اہرام تھا جب کہ فقیں سیاسی نوعیت کا قہر وندی کے

مترشح ہوئے۔ جہادی کی نوعیت کے فرق کے  
باعث ان دونوں کے ہاں نثر کی کافر بھی مرتب

ہوا۔ وہ ہیں کہ غالب کو چہائی اور بے عزتی کے  
اور اس نے کل اٹھ اور اس میں زمانے کا سامنا

کرنے کی سکھ نہ دی مگر فقیں کو قہر وند کے واقعے نے  
پر ہذا دعا کر کے اور وہ بد اختر بنی کی ایک گرم

گدا خدا میں شریعت کے ساتھ اٹھاک کو پار کر کے  
مگر میر اس کے دیکھ کر اڑتے بھی مرتب ہوئے

باقی فقیں کو قہر وندی کے سطح میں غالب جس کے  
دل میں پہلے ہی بہت سی فرائض اور دوسری چنگی

تھیں اس سب سے ان کی جانب سے ایک نئی مثال دیا اپنے  
کی طرح کرتا کرتا کہیں ہر گز شہدہ کا کوا آئینہ سار

میں مزید تر ہو گیا اور اس نئی اہمیت سے آخری ہمہ تن  
فعلیادہا جب کہ فقیں کا آئینہ دل جو نئی سزا کے

واقعہ اور معاملات سے جڑ ہو چکا تھا قہر وند کے  
واقعہ سے بلکہ حرج جڑ ہو گیا مگر میر اس کے بعد

زمانے کی طرف سے ملے جاتی بہت اور غصہ نے  
ان کے آئینہ دل کی کڑیوں کو اس خوبصورتی سے جڑ

دیا کہ فقیں اس داخلی کشت اور پختہ ہی سے غمروں ہو  
گئے جو فقیں فقیں کے لئے بہت ضروری ہے۔ قہر وند

کے حال کے بعد غالب اور سے نوٹ بہت کیا تھا  
اور اس کی روح کا وہ نام نہاد ہی کیا تھا نثر فقیں قہر وند

کے واقعہ کے بعد اور سے جڑے ہوئے ان کا وہم عقل  
ہو گیا لہذا زندگی کے آخری میں سال میں ان کے ہاں

فقیں کو قہر وندی کا گراف بتدوینا میں ہاں ہوا تھا کیا  
جب کہ غالب فقیں اعتبار سے ہم دیکھیں تک پہلی

طرح زندہ رہا۔

## دیکھے ہیں ہم نے حوصلے

حقائق شعر ہے۔

اک فرصت گزار لی وہ بھی چار دن  
دیکھے ہیں ہم نے جو کچھ پردہ دار کے  
بھروسہ کرتا ہے۔

ترہائی پہ شیخ عالمی نہ ہائی  
دامن پھڑ دی تو طرے وضو کریں  
حقائق شعر ہے۔

جتنی کی بحث عداوت میں رہی دجی نہ کر  
جتنی تو قیل نہ دیں جہاں ہے ساقی  
غائب کرتا ہے۔

ہر گاہے کہ کی در شب آئندہ کن  
ان کہ تو صد نچھان جہنم ہاشی

بات ہے کہ شاعر جب خواب سے بیدار ہو کر  
سوچتا ہے اس کی ذاتی نشوونما اور اس کے احساس کی  
دھماکی اس کی نگاہ پر نظر کرتی ہے۔ اس کی نگاہوں  
طبیعت و خورشید کو حال نہیں کرتی۔ وہ اس کا مطلب کی  
فہم گیری کا قائل نہیں۔

فرانس کے مشہور ادیب میٹر لونی کی طرح فحش  
کام جتنے شعر کہ ایک درجہ دشمنی جتنے شاعر کہ  
تکھے ہیں جو اپنے منکھات کے حاملے سے ایک سنگم  
ن کی طرح غمگین رہا رہا رہا اس نے انسانیت کی ان  
اقدار کے لیے نہایت اعلیٰ بصیرت پائی تھی اور اس  
بصیرت کو عام کرنے کے لیے اس نے ہر الفاظ اور  
تراکیب استعمال کیں وہ ساری کی ساری لڑائی کی

اس سر زمین امریکہ (جس میں ہم رہے  
ہو) کے رہنے والوں کی نگاہ میں یہ بات نہیں آ سکتی  
کہ غزل کا ایک شعر اپنے اندر کتنی تاثیر رکھتا ہے اور یہ  
یہ کہ ہم ایک شعر سے کتنی مسو کی پاتے ہیں۔ شہر قہار  
کتنی سے چاہتا ہے۔ شعر ہمارا ہر گاہ ساقی چاہتا  
ہے جس سے ہمیں کوئی لگ نہ سکے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو شعر کا وہی رکھتے  
ہیں اور اس ساقی کی محبت میں وہ کہتے اور حوصلے  
پاتے ہیں۔ نگے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک عہد  
شعر سے طبیعت کی کدورت کو دور ہٹاتی ہے۔

شعر ہماری Frustration  
catharsis کی ننگ کردیتا ہے۔

دنک بیروں قی شاعر کا گھر ہوتا ہے  
جب نظر آتی ہے اک مسودہ تر کی مسودت  
تکلیف کرنا خداوندی مسرت ہے۔ یہ غلامانہ  
صلحت و سبب شاعر کو ادیب کا انداز میں ہوتی ہے جو اسے  
کلی مستعار طاقتور کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور میں  
وجہ دہان کے دو پہاڑ انسان کو گھٹتی کرتے ہی غم کی  
فہم۔ اسی طرح گھٹتی اگل کے وہاں شاعر بھی غافل  
طاقتور سے دوسرا رہتا رہتا رہتا رہتا رہتا رہتا رہتا  
پیدا رہتی ہے۔ جب ہم یہ کہ شاعر میں درجہ  
جس میں جو عہد میں نہ جہالت کا کرتا ہے وہاں بھی کم  
جتنی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ گھٹتی اگل کے بھی  
نکالتے ہیں۔



قصید۔ اپنی بات کہی تو شعر کے سچے سے عہد شعری  
کہ ترانہ میں طار ہوا۔ الفاظ دیکھتے سوئی۔ تراکیب  
پہلے سوا۔ جرات ہے مثال۔ سادگی میں ایک بات  
کہہ جاتے اور اس کا صنف سے کہ غزل حاصل مضامرو  
نہ ہائی

”مقام فحش کوئی راہ میں جا ہی نہیں  
ہو کوئے یار سے نگے تو سولے مار چلے“  
کوئے یار ہو یا شرمسار۔ جہاں کا دستور  
صرف چاہتا ہو چاہتا ہے چاہتا ہے چاہتا ہے۔ کوئے  
یار سے لگا کھاتا ہوا اور مستحکم کوئی ہو سکتا ہے۔ اپنا  
مقام جو اسے دہائی ہو چاہتا ہے اور شاعر کی نگاہ میں چلنا  
چاہتا ہے کہ یہ سادہ سادہ سادہ سادہ سادہ سادہ سادہ  
آپ نے جرات دیکھی یا نہ دیکھی ان کی بات دیکھنے کی



خدا جہاں رہا وہاں یہ دلی پہ درگاہ کے کیا  
جنہیں ہر مصلح پہ ہزاروں گناہ گار چلے گئے  
نفل کا کمال پہ تھا کدہ غزل کے پردے میں  
سیاہی بات کہ ہاتھ مگر غزل کے الفاظ اسرار کی  
معاذ بخدا اور سدا سے کہ سدا سے چور نہیں لگی نہیں  
بہنے لگے۔

کہا جاتا ہے ملک میں جمہوریت نہ تو حرکت  
مٹل ہو جاتا ہے۔ بیگانہ ہے جمہوریت کی سرحد کی  
میں الوداع و رقت بات کہ لگتا ہے کسا سے دزدانوں سے  
بہت سدا سے فتنے حاصل ہیں جس طور کی بھی علت  
گیروں اور دہشت گردوں کے ٹھکانوں کی گلیوں کے پردے  
میں دامن و گلاب کہ جاتا ہوا مشکل ماہوں سے گزار  
جاتا ہے مگر ان ماہوں میں سے مارا نہیں لگتا پاتا۔

گھنٹی میں رنگ بھرے ہاروں ہار چلے  
چلے بھی آؤ کہ گھنٹی کا کاروبار چلے  
ان کا مکمل شعر ہے۔ مگر گھنٹی سے مراد اپنا ملک  
ہے جس کا کاروبار شام کے سواں کی طرفوں کے  
سب نہیں دیا۔ کیونکہ وہاں کہتا ہے۔ اب چلے  
بھی آؤ کہ ہمارا کاروبار چلے۔ ہاروں ہار سے مراد ہار  
مثال ہے۔

تک کہ یہ غزل لکھی کی مگر کسی نے میں مصلحت  
بھانپا۔ ہر کیف شاعر اپنا حق چاہتا تو کہ سدا شعر  
میں بات میرا آئے ہاتھ لگی چاکلی ہے۔ دوائے  
ہاتھ پیٹنے والے ڈارگن بہت سکھ۔

اگر اہل گانے والوں کے اچھوتوں نہیں پارا ہوا  
اگر اہل گانے کا کہ وہاں ہست نہیں آتے وہاں سے  
میت نہیں۔ اس نے 1985ء کی جنگ میں بکھڑوں  
کہا۔ INSPIRE میں ہوا دلی بکھڑوں کوئی  
پاندی تو نہیں۔ یہ کہتے ہوئے پراگ بھال چلتے ہیں  
کہ شاعر پاندی میں نہیں بکھڑے جاسکتے۔ مگر  
یہ کہ بقیں کے دشمن افسانہ کہ وہاں سے ٹھکرا رہی۔

دیار دار تری جو مثل ہیں پہ سلام  
مرے وطن تو ہے وطنی چار دیواری کی خبر  
ہم دل قفس تھا بھی نہیں، ہر روز نیم سجا دیں  
یادوں سے مٹاؤاتی ہے انکھوں سے سحر بھائی ہے

شرح فراق، مدح لب مٹھنے کریں  
غیرت کہے میں کسی سے تری ٹھٹھو کریں

ہر منزل غریب پہ گناں ہوتا ہے مگر کا  
بھایا ہے ہر گام بہت دلدلی نے

چاہا ہے اسی ملک سے لیجائے وطن کو  
توڑا ہے اسی طور سے دل اس کی گلیں میں

اور کاشے میں سسکتے کے دھڑکھانے دھڑلے  
وہاں سسکتی کہیں سسکتی سیرا کہ وہاں سے پہلے

کیا خیال ہے اب کہ کیا ان افسانوں میں لکھیں کا  
لہذا تو بھٹکے دل دیا۔

مرے دل مرے سفر  
ہوا ہر سے غم حصار  
کہ وہاں بد ہیں ہم تم  
وہی گلی گلی صدائیں  
کرنی زنگ زنگ مگر کا  
کہ شراں کوئی پانچ  
کسی بار ہر کا

یہ شعر میں کی مثال اب دینا چاہتا ہوں بیٹھا  
اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب ملک میں جمہوریت  
نہیں ہو گئی ہو۔

دار میں تری گلیوں کے آئے وطن کہ جہاں  
چلی ہے دم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے  
دار کا شعر ہے۔

ہم گئے ہوئے زمانے کے  
کام مینا نکلا دیا ٹوٹے  
دار کا کون دینے والا تھا

اے خدا جو دیا دیا ٹوٹے  
ایں مضمون میں لکھنے نے ہر گھر کا اس میں  
غائب کی ہیں۔ حاکم وقت بھی خدا بھی دہاں بھی اور  
محبوب لگی۔

کبھی کبھ ہے حیرا دیا ہوا  
کبھی راجھی کبھی کھٹیں

کبھی سجتیں کبھی رقتیں  
کبھی فدا ہیں کبھی فراقیں

آپ نے دیکھا۔ دنیا میں کی جھٹکیں اور کی  
صدائیں ہیں خاموشی کو دہشت کرنے کی آزادی  
چاہتا ہے وہاں اس خاموشی میں لگیں اور ڈپ کا افسانہ  
حسرت کے ساتھ کہتا ہے جو سدا سے نیاں کو چاکلی اور  
تھر کو مٹاے صحت سے مرشد کرتی ہے۔ ان کے  
کلام میں جو اسلامیاتی تصویریں ابھرتی ہیں وہ اپنا  
دھڑکھانے کے صحنی افسانہ سے دہاتی ہیں۔ ان کی  
شاعری ان کی زندگی کی آئینہ دار ہے۔

وہ سوچے دلا دلا اس شاعر میں کا ہم لکھیں  
تھا۔ ذرا سے بہت نکلا اور بہت سرفرازی جاتا ہے  
اور ذرا سے ہی کے نیلے ہاتھ اور بھٹکی ہی دھاتی  
پیداوار دہاں میں لکھا جاتا ہے۔ اس کی غزل کی  
شیریں اور لطافت اور کتب میں ہیں گرفتار کے  
ہوئے ہے کہ جسے یہ اس کا حق تھا اور ہادی دہاتی تھا۔  
شعر کے کلام میں گرفتار ہو چلنے سے لگی تو میں ایک  
لفظ الہی کی حاصل ہوتا ہے انہوں نے جو غمیں کیا

یہ داروغہ داروغہ تھا۔ یہ شب گزرا۔ صبح  
 وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ صبح تو نہیں  
 اس فلم کو بہت اچھا لگا۔ بہت خوب گھر اس  
 کے ہونے پر وہ فی ایک قسم عام۔ مگر وہ لوگ جسے جن  
 کو اپنے شعروں میں فیشن میں لکھ کر لے  
 ہوئی ہے۔ صحت نام سے لکھ کر جس شب  
 وہ شب خود مر گئے۔ بار گزری ہے  
 کبھی کبھی شاعر یہ ایسی بھڑکانہ کیفیت بھی تو  
 طاری ہوتی ہے کہ وہ اپنے چہرے کے ایمان کو بھیج کے  
 تمام ضم خانے صدمہ کر دیتے ہیں۔ یہاں ہے۔ اس  
 کیفیت میں شاعر کی سنگ کا ہونہ دانی ہو دانی  
 جس طرح جی ہو دانی۔ ایک ایسا جگر تپ شعلے  
 کرنا ہے کہ اس کی تپانی دل وہاں کو کرنا ہے  
 لگی ہے۔ شب کا شعر ہے۔  
 دل بھر خوف کوئے طاعت کو جانے ہے  
 چہرہ کا صدمہ کھو وہاں کیے ہوئے  
 کوئے ایک نئی اور طاعت کا مضمون شیخ  
 سحرانی نے ہی یاد رکھا۔  
 وہ کوئے ایک نئی بار گزری۔ وہ  
 کر تو فی پندی لکھ کر لکھا  
 فیشن ہمارے جہد کا نواز لکھ کر لکھا  
 کی طرف کساندہ ہے ہمارا ہے۔ مگر کوئے طاعت کا  
 تو فیشن اپنی شان کے شہانہ ہی نہیں کہتا۔ اس کی  
 پوشش جوں تو ہمار طاعت کی فیشن ہے۔ اس کا

وہ لکھتا ہے۔ سب شعر جانی چلا  
 حاکم شعر بھی۔ شیخ عام بھی  
 میں فیشن کے اس قدر دانی اور اس قدر آگاہی  
 شعر ہے جس میں ایک حاکم حقیقت چنان ہے حاکم کا  
 حدود شعروں میں قربان کرنا چاہوں گا۔

جوں میں۔ یعنی بھی گزری بھر گزری ہے  
 اگرچہ دل پہ غریبی ہزار گزری ہے  
 اس قسم پر یہ بات کہی کی ضروری معلوم  
 ہوتی ہے کہ پاکستان کی صورت کی فیشن کی بڑی مداح  
 رہی۔ کہہ لوگ اس جہ سے کہ وہ بھی  
 INTELLECTUAL کہہ لیں۔ طوں لگا کر  
 فیشنوں میں۔ خاص۔ گویا ایک طرح سے  
 INDIRECT خاموشی و بلند کر اس تو کڑی نے  
 ہمیں حاکم کر دیا۔ وہ ہم کی آوی تھے کام کے۔ ہمار  
 پر طاس کے سہراؤں کو فیشن کے ستاروں کے کہنے  
 جانا کی بھر کر میں کے لیے ہیں۔ دامت سرت۔ ہمار  
 بعض اس طرح کے بھی ہوئے جو دوسرے شعر  
 کے لیے اس کی ناگہانی داخل رپورٹ میں یہی تک کہ  
 دیتے کہ اس طرح کا فیشن سے ملنا جتنا کہ ہے ہمار  
 طرہ دامت اس کی رپورٹ خوب ہو جاتی۔ گویا اپنے  
 افکار حاکم کی جہ سے فیشن و ہند میں خود نہ مسئلہ  
 ہے۔ ہمار ہیں جاتے جیسے ہمار سے کہانی  
 جانا ہمار فیشن سے ہی ملنا ہے۔ ایک ساتھ لے  
 دے ہوں۔ دل کا پہلا وہ چار تو فی سفر نے  
 طالع کے لیے ہمار بھیجا۔ اپنی فیشن کی تمام کہانوں کے

وہی زبان میں کرتے ہوئے۔ کی اپنی فیشن ہے۔ ہمار  
 اپنی فیشن پر اپنی فیشن۔

اکابر ادب کے سوس کو یہ لکھنا چاہے گا کہ  
 فیشن نے کئی اور نظریاتی اقدار سے ہوا کہ نہ زیادتی  
 کھولنے کی۔ ہم کی قول کی ہوتی اس کو دانا چلا۔  
 جاتی فیشن آبادی ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ہمار رسائل  
 اب سامنے آچکا ہے۔ ہماری فیشن کے ہمار ہیں۔ ہمار  
 دے ہیں۔ ہمیں ادب ہمارے سے فیشن ہے کہ دانا چلا  
 ہوں کہ میں فیشنوں سے ہمار گاہر فیشن اس حاکم کہ  
 ادب ادب کے ایک حاکم گویا ہے جیسے ہمارے ہمار  
 ہوں اور اس طرح کام ہے فیشن۔  
 جاتی صاحب! اپنی قوم کی سزا کی یہ آپ  
 بہت بڑا کرتے تھے۔ فیشن کے لیے فیشن کے سرنے  
 کے ادب پاکستان میں لوگ کہہ رہے ہیں۔ فیشن کو  
 دین سے بہت بہت تھی۔ فیشن تو دین کا پیر دی ہوں  
 نہ خوں کا ہمار کھانے والا مسلمانوں اور فیشن کا ہمار  
 قند و قہر ہے ہمار انسان تھا۔

حسن طرح کی کئی کئی سے ہمار ہمارے ہمار  
 ہمارے تمام سے ہیں۔ ہمار ہمارے ہمار  
 شیخ فیشن ہے تو اس میں سے وہاں آگاہ ہے  
 شعر فیشن ہمار ہیں ہمار ہمارے ہمار  
 (یہ مضمون اس ادبی تقریب میں پڑھا گیا ہے  
 "ہم علم دلی"۔ نند پارک نے فیشن کی ہمار کولہا  
 ہندو فیشن پارک میں لکھی تھی۔)

☆ ☆ ☆

ہم فیشنوں سے محسوس کیا کہ ہمار ہیں ہمار  
 ہمار سے ہم نے ہمار اب سامنے لائے دیتے ہیں  
 ہمار میں سے ہمار ہمار ہیں ہمار سرت سے  
 ہمار نہ ہمار ہمار دانا ہمار لائے دیتے ہیں

ہمار "توسر ہمار" قسم "ہمار" ہے۔ ہمار  
 ہمار فم۔ ہمار شہرہ کانی فیشن  
 ہمار فیشن ہمار فیشن۔ کانی فیشن  
 آج ہمار میں ہمار ہمار  
 ہمار فیشن ہمار ہمار دانا ہمار  
 ہمار ہمار ہمار ہمار ہمار ہمار



## ذکر فیض احمد فیض

جہاں ہر ماہر کاغذی ذکر ہے کہ مصریوں کے عالم کردہ ہاشمی سے (سلطنت عثمانیہ) آسٹریائی لکھنؤ) جہاں عالمی محکمہ کے میں سیاست دہنا ہوئی وہیں انہوں نے کے انہوں خواب سے آباد ہوئے اور وہ خواب کے مسافر بن گئے۔ لیکن بھی خواب ہی کا ایک مسافر تھا۔ اور یہ بات اہم ہے کہ اسے قلم طور پر زیر بحث لاتے ہوئے بھی اسے کہتے "پروگرام" بھی لکھ لکھ اس کا لیول فرد کیا گیا ہے۔ اور اس کی سے لکھی کو لکھاں کیا گیا ہے کہ کون کون کی بات اس زمانے میں دہنا ہوئی تھی اسے نقل از یہی بہت کم دیکھا گیا تھا۔ بہت کم ادیب خواب کے مسافر بنے ہیں۔ عموماً واقعات کے واقعہ نگاری میں کری ادیب بننا پسند کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے لیکن اپنے مسافر سے اسے الگ اور مختلف ہے۔

اس عالمی دنیا کے سرخوشی کے زیر اثر موضوعاتی نظم نے انتہائی صورت اختیار کر لی۔ آسٹریائی کا وہ زمانہ اعتبار سے افرونی ہوا۔ اقتصاد میں خفقان، اور مظلومت، عداوت کی دہائی اختیار کر گئی۔ راتوں نے غریبوں کے کو بیچ فروش میں بدلا۔ جام موضوعاتی نظم کتابوں سے کی دہائی صورت ہی میں گذر کر گئی دی۔ اور دہائیوں نے واقعے کے تسلسل ہی کا نظریہ رکھا اور نظم قلم کرتے رہے جس کو ہم سب جانتے ہیں۔ اچھے نظم نگاری کی نظم ہر گز کری، عداوت کا شہوت کرتی دی اور اسے طرز اسرار کے تحت اس کے جوانی اور دہائی دہائے

ہاشمی عروج پر تھے، انہی میں مسوہی نے جام کے ہرے میں قدیم روکی بدلا، جمال کو ایک مصری صورت دے چکا تھا۔ شہر تھا "صرف دہائی واحد ملک تھا جہاں انسان آزاد تھا اور مصلحت کے دھبے دہائی کی صورت گری کا شکار تھا۔

اس زمانے میں مشرقی یورپ کا ایک نیا اقتصاد بھی معرض وجود میں آیا تھا۔ آسٹریائی گریں لکھنؤ اور سلطنت عثمانیہ کے لکھنے سے لے کر ملک باہر ہونے کو تھے۔ آسٹریائی کو لکھنؤ لکھنؤ پر مصلحت کھیر کے اور بچے آسٹریائی رولنگ اور بچل آسٹریائی میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ فریڈرک ہائی اور جوانی خوابوں کا ایک حلقہ تھا جو دہائی کی سرخوشی کا سبب بن رہا تھا۔ اقبال کا خطاب ان آباد بھی اس سرخوشی کا ایک اسلامی تہذیبی مظهر تھا۔ جس کی چاپ برصغیر میں عالمی دی تھی۔ ہر زمانہ فیض احمد فیض کے لکھنؤ اور جوانی کا زمانہ بھی تھا اور ایم اے اور لکھنؤ کے دہائے لکھنؤ اور لکھنؤ میں سے لیکن لکھنؤ طور پر چاروںوں سے تھے ایک بات جو قابل ذکر ہے کہ جو ادیب اس عالمی محکمہ میں گذر کر تھے اس کی خصوصیت بدل چلی تھی۔ وہ دانشور کا رول اختیار کر چکا تھا اور ادیب و شاعری اس کے نزدیک کا زمانہ آئے کے طور پر بدلتے جا رہے تھے۔ خواب کی ولایت چھوڑ کر لکھنؤ اور شاعری (ادب) کی اہمیت ثانوی ہوئی تھی۔ شاعر ہی نے لکھنے سے اپنی کسی تجربہ میں لیکن کاشور کے کہا ہے دانشور کہا ہے۔

فیض احمد فیض کا زمانہ اور وہ شاعری کے موضوعاتی اور کا زمانہ تھا۔ اور اس میں نظم کا اسلوب براہ راست طرز کام کا تھا۔ موضوع کے اعتبار سے نظم کے قافیہ پر کوئی تھیر دہنا ہوا تھا۔ جام 1930 کے بعد نظم اسلوبی طور پر تجرباتی طرز اختیار سے متاثر ہوئی۔ موضوع کا شاعر معاشرہ طرز حکومت کو آیا دہائی نظام کو اسان کا جو دہائی صورت حال تھی۔ جام اسلوب کے طور پر نظم نے ایک ایک چکر اختیار کر کے جس کی تصدیق میں خاندان دانشور تھی اور لکھنؤ شاعری لکھنوں میں لکھنا جانتا ہے۔

یہ ایک ادیب زمانہ تھا جس کی بچان اور ادب کے اہل فکر کے لئے ضروری ہو چکی ہے کہ ایک جب تک عالمی سیاست ہر بار کے ہوا کہ وہ ضرور ہر چار دہائی حالات کا جائزہ لیا اور تہذیبی اور مضمون اور ادب و شاعری کو سیاست کے حوالے سے دیکھنے کی دہائی زمانہ لکھنوں دی۔ 1930 کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے عید ملک نے فرما دیا کہ لکھنوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور قلم ہے کہ اس مضمون کے دور میں طرزی یورپ کے ہر یوں نے آواز دے دی کہ صدارت میں یورپ میں مشفقہ ایک دہائی کا سفر میں ان دہائیوں کے خلاف جلاز دہائی کے لئے دہائے جار کو دہائی دی تھی جہاں نظامیت کا رول تھا اور دہائی تھا انہوں میں جہاں لکھنوں کے خلاف سول وادشت سے چار تھی "لازمی میں انہوں رنگ کے بعد طرز اور

کی گھبراہٹ کا شعری۔ یہ صورتِ عقل اور دل کا کسی کو الگ الگ دنیاؤں میں مقیم کرتی ہے۔ میں نے اپنی طویل قلم "بانگ ویاں" میں اسی لئے فطرتِ کاملِ علم کے جردگوں کی عقل میں شامل کیا ہے کیونکہ اس کا شعری خواب کے مسافروں میں قہار اور وہ عقلی دانے میں انسانی دلی کی سماجی کا خواہشمند تھا۔ دل اور صورت کی سماجی فطرت کا عالمی انسانی استعداد ہے۔ وہ صحت کی فطرت نہیں کرتا بصیرت کی حاکمیت کرتا ہے۔

مشرقی خواب کے درجوں پر کیلئے رفاقتی تجربہ کا عجیب و غریب اثر ہوا تھا اس تجربے نے آئندہ سے بڑے ذہل اور فکر کو کسلا اس تجربے کی تعمیر خواب میں سرخوش دے حال کر دیا تھا اس کلیتہ کو اس زمانے میں صرف فطرتی نے قبول کرتے ہوئے (ایک شاعر کے طور پر) اپنا اثر ڈالا۔ دہائی کے دیگر ادیبوں نے دانے کی آب و ہوا کے مطابق اپنی آراء میں اس طرح فطرتی نے خواب کا پتہ چھوئی اور سنے کے طور پر اپنا سنا دکھا۔ یہ سونے فطرتی کھینچے میں مدد دیتا ہے۔

اور پھر فطرتی کی روحانی ہی میں باطن کی ایک قدیم دیا نے اپنا پتہ ڈالا۔ دہائی کے سماجی شعور میں آئے۔ طریقہ "مشرقی" دینی اور بدھ مت اور جوتی لاشیاء کے سماج کھینچے کا نشان بنے۔ فطرتی نے اس دیا کے لئے خواب کو سلامت رکھا اور خواب کے مسافر کے طور پر ان میں گزرا کیا ان کے آغوش کو قلم کیا اور ان کے دلوں کے لئے خواب کی پاکیزگی کو قائم رکھے کی اسی کی اس مہرہ پاک سیدھے سوال بھی ہے

آپ پوچھیں گے کہ جو دہائی میں کہہ رہا ہوں کیا فطرتی نے ان کا کھینچ دیا کیا ہے؟

میرا جواب یہ ہے کہ آپ دیکھیں کیا یہ باتیں اس کے مقام اور کلام کی وضاحت کرتی ہیں۔ اگر کیا ہے ان باتوں کو فطرتی کے حوالے سے جان کیا جا سکتا ہے۔ فطرتی اپنے عہد کی لچل سا بچا لونی کا استاد

ہے۔ فطرتی نے اپنے بارے میں ایٹھ یہ کہا کہ وہ شاعر ہے۔ اور شاعر کو ان ہے اس کا سونے بہت کم جواب دیا ہے۔ شاید اس لئے کہ شاعر اور شاعرانہ عقلوں کے خواب کو فراموش ہونے نہیں دیتا خواہوں کا سلامت رکھنا شاعر کا فرض ہے۔ ان کی تعمیر کے ساتھ میں جاگن و جاوید ہیں کہ وہ کرنا دلِ سیاست کا کام ہے۔ طارے اہلِ لب سے کی فطرتی مرزا دہائی ہے کہ وہ خواب دیکھے پھر اہلِ سیاست کا دل اختیار کرتے رہے ہیں۔ اس لئے فطرتی اس سب سے الگ رہا اور ان کی نگاہ میں دنیا کا ہر شخص کا ہر لہر۔ فطرتی کی شاعری کا ایک لڑکپن استعداد "درجہ" کا ہے۔ 1945ء میں اہلِ کراچی نے اس کے خطاب میں بات پر فطرتی کے فطرتی نے درجہ کا ایک نیا مضامین دیا ہے۔ اور وہ اس استعداد کے مطلق شاعری سے منسوب کرتے تھے۔ بعد ازاں اس کی سیاسی درجہ کا مضامین دیا گیا۔ یہاں فطرتی کا آثار بھی سے ادا تھا۔ فطرتی کو اگر اس کی نسل کے حوالے سے دیکھا جائے تو مضامین کا وہ نسل آزادی کی بھرپور کی دنیا کے شعور کی مطلق رفاقتی۔ اس نسل کا ایک ہی جگہ تھا۔ نام آزادی کے بعد کراہے ہوئے دہائی انجیا میں جوتی لاشیاء کے تصور ہوئے اور درجہ کھانے اور فطرتی نے ان کی یاد دہائی کے لئے کہا۔

"ہم چھوڑ کر ہیں اسمانِ غم اچھے کے" دیکھ کر دہائی اس لئے بھی ضروری تھی کہ وہ نسل جس سے ان کا فطرتی تھا خواب ہی کی مسافر تھی۔ اور خواب کی تعمیر کا بھی تھی۔ نام فطرتی کا یہ استعداد جوتی لاشیاء کے لئے مخصوص تھا۔ فطرتی نے فطرتی کے بارے میں دیا میں اس استعداد کے لڑکپن میں کیا۔

کہا جا تا ہے کہ فطرتی کی شاعری میں گہرائی میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ فطرتی نے گہرائی سے کہا

گر نہ پائی کی ہے مہر یہاں کچھ شکل تھا۔ خواب کے مسافروں کی دھاریوں سے شاعری میں فطرتی کی گہرائی حاصل کرتی ہے جس پر فطرتی کی کیا خواب کو سلامت رکھنے والے دھاریوں سے دہائی اور شعری گہرائی حاصل نہیں کرتے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ خوابوں سے بے جا کئی کرتے ہیں۔ شاید اسی لئے فطرتی نے بدھ مت کی سیاست کو بدھ مت میں جلا اس نے خواب کی سماجی ہی کو قائم رکھتے ہوئے دل کو ذہن دیکھے کی سچی کی کرے اور دھرتی سے کہیں دہائی نہ رہے۔

یہ وہ شاعر خواب کا مسافر ہے فطرتی دہائی کے استعداد کو قبول کرتا ہے اور دہائی دہائی نسل کے دانے میں بہت کم تعمیر میں دہائی ہے۔ اس ضمن میں ایک دھرتی میں نے فطرتی سے پوچھا کہ انھیں کب آتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ انھیں کب آتے ہیں؟ ان کی آزادی کی جتنی ہے اور خواب کے بغیر کوئی گہرائی آزاد انھوں میں دہائی۔ اس مقام پر میں اپنی ایک کئی ہوئی بات اور ضروری لکھا ہوں۔ وہ میں نے ان سے پوچھا کہ 1789ء کے بعد دنیا کا سب سے بڑا انقلاب کیا ہے؟ ان کا جواب تھا "انقلابِ ایران"۔ فطرتی کی دہائی تھی کہ جب خواب کی قوم کی سرخ کا جوتا جوتا ہے ان سے انھیں کے اترانے دیکھیں ہیں انھوں نے ہیں۔ اور دہائی دہائی کا یہ سیدھا ہوتی ہے۔ انھیں "تدہی" ہوتے ہیں یہاں بھی ہوتے۔ اس لئے انھیں فرانس کے بعد ایک ہی دھرتی ہے جو امام فطرتی کے انھیں ایران کا ہے۔ کیونکہ اس کے چھپے خواب ہے انھوں کی سونے ہے۔ تاریخ کے بعد ایک مستقبل ہے جسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ فطرتی کی یہ دہائی اس لئے خیال انگیز ہے کہ انھیں فرانس کے بعد ہے جسے دہائی دہائی کا ترکانہ دہائی ہے۔ اور جو خواب کام فطرتی انھوں کے



## نئے شاعر..... فیض احمد فیض

یہاں نظم لکھتی ہوئی تھیں اور لکھتے اور لکھتے لکھتے تھیں۔ یہاں چاہتی تھیں اور وہ خوب لکھتے تھے۔ موت کا اندر جذبہ ایک دم کم ہو جاتا ہے اور خاک میں اترنے سے ہونے اور خون میں نہانے سے ہونے ہوسوں کے خیال سے وہ لکھتے جاتا ہے اور خود ہی دم کے لئے وہ حسن کی کشتی اگل بھول جاتا ہے اور زمانے کے دکھ اور کوہِ موت پر ترجیح دے لگتا ہے اور زمانے کی راحت کو دل کی راحت سے زیادہ پسند کرنے لگتا ہے۔ باب کے پھلے سے اور علم کے پھلے میں 'دیا کے فم' ناقصوں کے دلوں پر بھیجتے ہوئے خطاب کر رہے تھے۔ تو لے ہوئے جانوں طرف مڑتا رہے ہیں اس کی نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔ ظاہروں پر غریبوں کا بیجا سوالیوں کے لئے ناقص رفاقت ہو جاتا ہے۔ جسم کی پائوں کا زوال کی سہوہ خوب سوسہ دور کی چھٹی ہوئی دورانی 'سنگ سہا اور دوق جہانی' دیکھ کر خوب لکھتا ہے اور ہر چاہوں پائی کا کھڑا کر کے ہوئے مقوم لڑکیوں کو سرنگی اور بھارت پر آباد کرنے کی کاوش کرتا ہے۔

بے گھرے زمین دولت والے  
 یہ آخر کیوں خوش رہتے ہیں  
 ان کا سکہ آہیں میں پائیں  
 یہ بھی آخر ہم جیسے ہیں  
 اور اس واقعہ اور خود کی سہوہ کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ سوت فم سے کیا کات کاٹ دیا ہے۔

وہ زندگی سے گرجاں لکھ رہا ہے۔ وہ دیا کے ہر ذرے اور ہر چیز کو محبت کے نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہے اور دنیا کی ہر چیز پر محبت کے سینے میں لٹاؤں کو ترجیح دیتا ہے۔ اس دور میں اس کی محبوبہ محبت فیضی ہے جس کا قصور اس کے لئے جاں نثاری اور دوزخ خواہ ہے۔ اس دور میں اس کی شاعری زیادہ تر رواج شاعری ہے۔ لیکن اس رواج شاعری میں بھی اس کی انفرادیت الگ جگہ لگتی ہے۔ وہ محبت سے گزشتہ شعراء کا جڑ توڑ کر کے ہوئے مقوم ہوتا ہے۔ لیکن اس تمام جڑ توڑ دھم دھم سے اس کا بیانیہ لڑائی جڑ توڑ غالب مقوم ہوتا ہے۔ اور ان شعری طور پر ایک جدا اختراع رات خود بخود اگل آتا ہے۔ اس دور میں وہ کونکر میں نئی روح آباد کرتا ہے۔ اور اس نئی روح کو عشقہ روایت میں لکھتا کرتا ہے۔ پہلے اس دور میں آخری خط 'عشقہ خیال سے' عمری جان باب بھی۔ سرور خیال اچھائے کار آج کی رات' اور ایک رنگد پر ابھی لکھیں ہیں۔

فیض کی شاعری کا دور اور دور دور ہے۔ اس میں وہ زندگی کا کافی مطالعہ وہ تجربہ کے ہوئے مقوم ہوتا ہے۔ اور وہ رفاقت جو پہلے اس دور میں نمایاں طور پر سراغ دیتی ہے۔ دوسرے دور میں غریب اور داغی میں ہلکی ہوئی مقوم ہوتی ہے۔ عشق اس دور میں بھی اس کی روح اور جان ہے۔ لیکن محبوب کے گمراہ ہونے پر سر رکتے ہوئے اس کی نظروں کھتہ صدیوں کے

دیسے فیض کی شاعری سراب بہت تھوڑا ہے لیکن جتنا کچھ ہے وہ اپنی جگہ اس قدر روشن اور زلفی ہے کہ بہت سے ہم عصر شعراء کا ختم شعری سراب اس کے سامنے سبک اور کم تر مقوم ہونے لگتا ہے۔ فیض کی اس چھوٹی سی دنیا کا دیا میں وہ سب کچھ ہے جو دوسروں کے یہاں تھا ہے اور وہ سب کچھ بھی ہے جو دوسروں کے یہاں نہیں تھا۔

فیض کی شاعری کو کم اور اس میں عقیم کر سکتے ہیں۔ یہاں وہ ہے جس میں اس نے دنیائی نہیں اور عشقی شعراء کہے۔ اس دور کو ہم 'دنیائی دور' کہہ سکتے ہیں۔ اس دور میں فیض نے زیادہ تر کھلی دیا میں دن گزارا ہے۔ عشق کی سچائی انھوں کی ذرا دکھائی ہے۔ لہجہ انہوں کی یہ پائی اور نہ کام لکھوں سے وہ چار ہو اور عشق کے پہلے ہونے مسعود اور چھٹی اور مسکین آنکھوں کے سہارے زندگی کے دن گزارا ہے۔ اس دور کی شاعری میں اور وہ لکھی اس واقعیت زیادہ جھلکی ہے۔ وہ اب فم اگلنے کی تپ نہیں لکھتا۔ وہ اسے صبر و غریب لکھتا ہے۔ وہ ہے خاطر ہے باب کا قلم و قند سے باہر ہو جاتا ہے 'خدا خوب سے لہجہ احمدی' انھیں 'سندھ ریلوے پر پٹاں پٹریوں' لکھی اور لکھتا ہے چلیا گدا و جسم سرخ پٹوؤں پر جسم کی قضا کی' صحن محبوب میں پنڈاں پھریں اور شباب بھائی داغ پر عمر کی سی مہارت اور لکھیں پائیں اس کے لئے ہادی زلیا سے زیادہ قابل انگشت اور دل پہاچیں۔ اس دور میں



انہی خیالات کی تردید "مضمون غلطی" میں صاف طور سے کوئی ہے نہ وہ جانتا ہے کہ سربراہیہ صدر میں کے سلیب سے آدم و حوا کی عواد پر کیا کیا گزری ہے۔ جہاں ہر سمت یہ سرور گزری دغا برائی ہیں اور جہاں بڑا دس کی جوانی کے چہرہ گل چمکے ہیں اور جہاں ہر کام پر آگ کھیں سو جڑیں لیگیں۔

یہ بھی ہیں ایسے کی اور بھی مضمون ہوں کے لیکن اس شعر کے آدھ سے نکلنے ہوئے ہونٹ ہائے اس جسم کے کم ہفت و دائرہ خطوط آپ ہی کہنے کہیں ایسے بھی مضمون ہوں کے؟ اور اسی لئے۔

اپنا مضمون غلطی ان کے سا اور نہیں طبع شاعر کا دھن ان کے سا اور نہیں طبعی اپنی ساری شاعری میں ایک بھر اس دور تالش کی شہیت رکھتا ہے اور یہ فیروز مادی عقلی اور فکری کی شہید تحلیل کا نتیجہ ہے۔ ایک بات کہ کر کر ہذا فنی کا خاص حصہ۔

فنی کی شاعری میں قصور پرستی اور حقیقت نگاری کا یہ احساس ہے کہ کبھی کبھی سوجن میں آپ کی تنگدستی کی شاعری ایک ایسی دلچسپ و بھرپور شاعر کی طرح ہے کہ جس میں ہارن کے بعد ساتوں رنگ ایسے گھمرا آتے ہیں کہ ہر گھٹن اس کی طرف دیکھنے اور اگلی ناکہ دکھانے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کی شاعری ہمارے احساسات کے لطیف پردوں سے نکرتی ہے۔ اس کی شاعری میں ایک خاموش چھپ چھپت "ایک غلی بیادری" نام نہام جذبات کی شہید فریادیں اور انقلاب کی طوفان ایک دھواں دھواں آتی ہے۔ "فکری" دنیا احساسات کی نزاکت اور سوچا احساسات اس کی شاعری کی چند خصوصیات ہیں۔

فنی خیالات کا شاعر ہے "لطیف اور فنی کی شاعری وہ ہمارے ہی نہیں ہیں بلکہ شاعری کا جدید

اور علم کے ہائے ہائے سب ہی سے بڑے گئے ہیں۔ اگرچہ جی ادب کے شعرائے لطیفات ہو مگر "لطیف" لفظ اور چہرہ و خیرو کا تاثر اس کے دل اور دماغ میں اس قدر رچ گیا ہے کہ جس کی وجہ سے اس ادب میں اس کے لئے تو ایک الگ راستہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی شاعری ہمارے مادی تاثرات کو فکری کر دیتی ہے۔ لیکن فکری اور فنی سے نہیں لکھتی اور بالویت سے۔ "انوسیت" فنی کی شاعری کی اہم خصوصیت ہے۔ عمر سے ہم عمر سے دوست اس کی انوسیت کی بھڑکی مثال ہے۔

ہم بار بار کہتے چلے آئے ہیں کہ فنی لطیف ہوں کا شاعر ہے۔ ایک انسان کی شہیت سے سب کچھ محسوس کرتا ہے۔ بہت کچھ اپنے مضمون اور مسائل کے لئے فراہم کرتا ہے۔ "انوسیت" شاعریت" احساس اور احساس "فنی سب سے جڑ ہوتا ہے لیکن وہاں سب چیزوں کا شعر کے لطیف پردوں میں یہ مضمون گہرا ہے کہ اس کی نظم یا شعر "ساعت" عقید کے احساس" سب سے پہلے شعر دیتا ہے۔ فنی شاعری طور پر ان سے گریز نہیں کرتا چاہتا کہ کچھ احساس اور فکری ذہن مادی عقلی میں مانگی اور کہ "تنگ" ایک آدمیوں کی قوتی کے راست میں رخسار بنا کرتے ہیں۔ جو سکتا ہے کہ شاعر کی شہیت سے وہ ان تمام احساسات اور کردار فنی کے ذہن و مادی سے فراہم چاہتا ہو "لیکن شاعر ہونے سے پہلے وہ انسان ہے۔ اس لئے اگر شعری احساسات گریز کرنے کی جگہیں کرتے ہیں تو انسانی تازہ آہٹ سے آہٹ ہے اور اس طرح سیاسی عقلی اور فنی کیفیات اس کی شاعری میں اور وہ اثر انداز ہو کر خطا خطا ہو جاتی ہیں۔ یہاں پر ایک بات دہرائی کہ کبھی نہایت خودی ہے۔

شاعر کیلئے نگاہ ہے کہ وہ سیاسی عقلی اور فنی حالات کو ایک انسان کی شہیت سے کہے۔ لیکن شعری جادو

پہناتے وقت اسے چاہیے کہ وہ اپنا خود و انہی گھٹن کے کہ جہاں وہ انسان ہے وہاں وہ شاعر بھی ہے۔ اس لئے اپنے جذبات میں سیاسی عقلی اور فنی تاثرات کو شاعرانہ لہجہ میں لایا ہے۔ تاکہ ایک وقت شعر و سیاست کا ہمراہی احساس اور کمال اعتقاد کا رابطہ متاثر نہ ہو۔ یہ خصوصیت فنی کی شاعری میں نمایاں طور پر جلوہ گر ہے۔ اپنے وقت کا تاثر فنی میں سے ہر ایک نے اپنے مادی سے جڑ ہو کر شعر کہے لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہیں کہ جن کی سیاسی تحریکات کے شعرو شعریات کا خون کرنے کے حریف ہو گا۔ حسرت سوبانی "جوئی" تھلا جوڑا فنی سردار نام ماضی اور "نیم" ساتر اور "نیم" سے بھی اپنی شاعری میں سیاسی احساس کو نکھایا اور اس میں کامیاب اشارہ کیے۔ فنی اسی دینان کو ایک فرد ہے۔ فنی کے سیاسی احساسات میں شہیت "شاعرانہ لہجہ" لطیف و خوشگوار احساسات "مادی" انسانی تازہ نام جذبات کی دہائی اور عقلی لہجہ "کامیاب" احساسات کے ساتھ ایک دوسرے میں ملے جلتے ہیں۔ "تھم سے نکلی بہت بھری محبوب نہ باگ" میں شہیت و سیاست کا فنی احساس قابل غور ہے۔

ان محنت صدیوں کے جاریہ بھانہ ظلم و رنج و افسوس و گناہ میں حنائے ہوئے جہانہا کہتے ہوئے کوچہ و بازار میں غم خاک میں گھڑے ہوئے لہجہ میں ہلائے ہوئے جسم لگے ہوئے امراض کے نمودوں سے بچ بچتی ہوئی گئے ہوئے دوسروں سے موضوع رہی ہے جس پر قصود شعراء نے فنی آزادی کی اور اپنی انہوں کا مرکزی خیال بنایا مگر وہ جہاں جان فنی نے اختیار کیا "دوسروں کے جہاں مشکل سے ملتا ہے واقعات کی شدت کو اس طریق سے شہیت کے لطیف پردوں میں جا بھٹا ہے کہ

شعریات اور سیاست دونوں ایک دوسرے میں اہل  
 شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ اس سلسلے میں ”سوج“ و ”قیب  
 سے۔“ ”چند روز اور مری چلی“ ”کھٹے۔“ ”ہم  
 لوگ۔“ ”سیاسی لہزہ کے نام۔“ ”سے دلی سیدنا ب  
 ظہر۔“ ”بھر سے بھڑام سے دوست۔“ قابل قدر  
 تھیں ہیں۔ ”مفتی سے لگی ایک سیاسی سٹیجیکٹ  
 ہے اور اپنے نام گزشتہ سہائی بول رہا ہے۔ ہم  
 نے مفتی شہنشاہ کا کھڑا کیا ہے؟

ماڈرٹی نیگی۔ غریبوں کی حمایت نیگی  
 پاس و حراہی کے، دیکھ دو کے، سٹیجکٹ  
 زب و حواہی کے مصائب کو کھینچ سکتا  
 مرد آہوں کے، رنج درد کے سٹیجکٹ  
 دو ماڈرٹی اس سٹیجکٹ ”علم و حکم اور ہذا  
 دہاڈ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ شعری بیٹے اس کے حد  
 سے نکلے گئے ہیں اور وہ چاروں طرف سے دھیس ہو  
 کر پکار رہا ہے۔

زندگی کیا کسی مجلس کی قہا ہے جس میں  
 ہر گزری درد کے پوند گئے جاتے ہیں؟

اس دیکھتے ہوئے شہروں کی فراہی ملتی

کیاں دکھانے کی صورت میں دیا کرتی ہے

قد و بندہ پر ہر گزری دیا ہوا ”بندہ شہنشاہ“  
 پانچواں پانچواں اور بندہ شہنشاہ سے وہ بہت گھرا  
 چلا اور سب کو ڈانڈ کر چلا گیا ہے کہ اپنے ہوا کھو  
 آنے جالی شہنشاہ کے لئے راست صاف کر دے۔  
 ”عصر و ہر کی مجلسی ہوئی دہائی“ ”اٹھنی باتوں کا ہے  
 نام کہ اس بادشاہم جس سے پہلی ہوئی کام کی کردار کی  
 ہے سو ہر پ ”ہم کی دلی پکار“ ”یہ سب کچھ کیاں اور  
 اٹھنی اس کے لئے قابل برداشت ہو چلی ہیں اور  
 وہ ان سب سے نہایت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے  
 اور کہتا ہے کہ وہ ضرور اس مسئلہ کے حل میں کامیاب



ہو گئے گا۔ جی جی ہے کہ ایسے موقعوں پر اس کا جی  
 رہائی ہوتا ہے۔

لیکن صاب علم کی جیند کے دن تھوڑے ہیں  
 ایک اور صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں  
 ہم کو رہتا ہے پ ”جی تو نہیں رہتا  
 اٹھنی باتوں کا ہے نام گزشتہ ہذا  
 آج سنا ہے بہت تو نہیں سنا ہے  
 چند روز اور مری چلی فٹ چند ہی روز  
 فٹ کی یہ پیشین گوئی ایک دیکھ پوری ہوئی ہا  
 رہی ہے ”بند و حواہی غدا کی کے جنگوں سے نہایت ہا  
 چکا ہے اور چیتا بکھڑا اور ہذا ہوا چکا کہ اس کی

حالی فٹ ہوا اس کے دھکے لگا رہا ہے ”مل جاسے  
 گی۔

فی زمانہ اشتراکی شہر ایک حاکم ہوا گیا ہے۔  
 اشتراکی شہر ہم اس شہر کا کہتے ہیں کہ جو فریاد کی  
 حمایت کرتا ہے ”مردوں کو سنا رہا ہے“ ”سنا رہا ہوا  
 کی طاقت کرتا ہے“ ”شہنشاہ سے اور اشتراکیت کے  
 خلاف آواز بکھرتا ہے“ ”لیکن اس سٹیجکٹ میں یہ  
 باتیں اس قدر ضروری ہو گئی ہیں کہ کوئی خاموش رہ  
 راست یا باطلہ دہا کے شہریات سے حاکم ہو جائے  
 ہو“ ”یہ طاقت جرم ظالمی دھاک ہے“ ”کے کچھ یہ دھاک کی  
 سب سے بڑی ضرورت طاقت کی سب سے بڑی پکار

اور چارنگی خاصہ ہے۔ اس طرح فطرت بھی اشتراکی شاعر ہے۔ ہر مکان ترقی پسند شاعری میں بالخصوص بہت عام ہے۔ جلی جوت نہی کی شاعری کا مجموعہ درود مدرسی اور لیون کی شاعری ہے۔

ایسا بھی زندہ آتا ہے ایسا بھی زندہ آئے گا  
مطوروں کا جائیں گے وہ علم و رسم کے لوگ ہیں  
انہیں چاہئے کہ ان کو جو زندہوں کے پاس ہیں  
حزروں سے کی ہے صدیاں سے دنیا جرم میں چاری  
ہوت جاسے گی یہ مضبوط، شاعری، سرمایہ داری  
ایسا بھی زندہ آتا ہے ایسا بھی زندہ آئے گا  
اور فطرت حزروں کی حمایت میں کرتا ہے۔

ناتوانوں کے دلوں پر بیٹھتے ہیں احباب  
بادلوں سے ہونے مٹا دے تو آئے ہیں  
جب بھی کہتا ہے ہزار میں حوروں کو کشت  
شاعر اہل پہن میں ناکو رہتا ہے  
یا کوئی تو نکاح کا سہرا سب لے  
تاکستان کوڑا ہونے کے لئے لکھا ہے۔

آگ سی جیوش درود کے فطرتی ہے نہ چہ  
اسپتہ دلی پر لکھتے قادی جی نہیں رہتا ہے  
دلوں شاعر سرمایہ داری کی طاقت اور  
حزروں کی موافقت کے لئے آباد بلکہ کرتے ہیں  
مگر دلوں کا کچھ دلوں کا اسلوب دلوں کا طریق  
انکار کسی قدر مختلف ہے۔ آج کل انتحاب کے اصل  
مسئلہ یہی ہیں کہ حزروں کی موافقت کی جائے اس  
کے لئے اپنی تمام شاعری کو وقف کر دیا جائے۔  
ضروری نہیں کہ وہ خیالات ملے ہمارے بھی نہیں۔ محرم  
گی اللہ کی شاعری میں بھی بہت سے غلوں حم کی  
جھلکیاں موجود ہیں۔ جس سے اس کی شاعری میں  
ذرا اور اثر و رسوخ پیدا ہو گئی ہے۔ وہ بہت مفید محرم  
کا اشتراکی شاعر ہے اور اس نے انتحاب بھی۔ جلی  
سردار پٹھری کی شاعری تو فطرت اشتراکیت ہے۔ وہ تو

اشتراکیت کے علاوہ کسی دوسرے موضوع پر سوچا سمجھا  
اور مصلحت وقت کے مطابق صورت ہی نہیں کرتا۔ اب  
کہ اس کی شاعری کا شعرا حلق اور دلوں کی طرف  
باز رہا ہے۔ دیکھئے اس کے بعد وہ کدھر اور جہاں  
ہے۔ اس کی نظم "حزروں کو نہیں" کا عقائد ہم فطرت کی  
نظم "کشت" سے کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ حکومت نے آباد  
ہونے کے بعد انسان اپنا چہرہ سوچنے پر بال نہیں ہوتا  
اس لئے انتحاب پسندی اور نقول و شعریت کی کی کا  
اساس ہمیں علی سردار پٹھری کی شاعری میں اکثر  
ہم نے لکھا ہے۔

حکومت ہمارا مذہب ہے، حکومت دینا میرا  
حکومت میرا ذخیرہ، حکومت ہے خدا میرا  
ہر حال وہ اشتراکی شاعری میں ایک کامیاب  
شاعر ہے۔ اس کی شاعری اکثر بلای اور دلی ہے۔  
فطرت حزروں کی ضرورت حمایت کرتا ہے یہ موضوع  
وقت کی تبدیلی سے ضرورت ہل جاسے گا۔ مگر فطرت کی  
شاعری میں وہ درمیانی جھلکیاں ہیں جو اس کی  
شاعری کو بہت برقرار رکھیں گی۔ وہ اشتراکی شاعری کو  
بھی ایسے حاشیہ پر قرار دیکھیں گے کہ اس کی  
شاعری اشتراکی انتحاب سے ہے۔ وہ بھی بڑی صورت  
ماہر رہتی ہے۔ ساتھ ساتھ دلی بھی کامیاب انتحابی  
اشتراکی شاعر ہے لیکن اس کے جوان میں بھی بعض  
انہی کشمکش موجود ہیں جو اس کی شاعری میں اپنی اہل  
کراس کو چکا رہتی ہیں۔ وہ "ہمیں کھن" کو ہم شاعری  
قصود کر کے اپنی محبوب کو اس سے گرد کرنے کی کھین  
کرتا ہے۔ اس کے "ہمیں کھن" کو ہم اصل میں "مظہر  
الفت" خیال کیا جاتا ہے اور جہاں بہت کی توجہ دے  
سکتے ہیں وہ فطرت کو فراموش کر کے اس مظہر سے کام  
جاتا ہے اور اپنی محبوب سے کہیں اور شے کی انتحاب کرتا ہے۔  
میری محبوب! میں پہاڑ، ٹھہر دقا  
تو نے سطح کے نکالوں کو تو دیکھا ہوتا

مرد شاعروں کے مطالعہ سے جھلکے دلی  
اسپتہ چارنگی نکالوں کو تو دیکھا ہوتا  
انہی کشت کوکوں نے دلیا میں بہت کی ہے  
کون کہتا ہے کہ صادق نہ لے ڈبے ان کے  
لیکن ان کے لئے قصہ کا سامان نہیں  
کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح غلطی تھے  
یہ غلامت و غلامی یہ فضیلت یہ عدا  
مطلق انہم شہتہوں کی حکمت کے حلقوں  
جہاں دہر کے نامور ہیں "کد نامور  
جذب ہے ان شاعر سے دوسرے ابد کا غول  
میری محبوب! انہیں بھی تو محبت ہو گی  
جن کی مٹائی تے کھلی ہے انہیں کھل نہیں  
یہ ہمیں دلا، یہ جتنا کا کارا، یہ کھل  
یہ حلقوں وہ دلیا یہ عدا، یہ حلق  
ایک شہتہ لے دولت کا سہرا لے کر  
ہم غریبوں کی محبت کا اڈا ہے حلق  
میری محبوب! کہیں اور ڈاکر کھتے  
اس نظم میں ساتھ فطرت سے بہت زیادہ ہو گیا  
ہے اور اس فطرتی موضوع میں اس نے وہ دلی  
جھلکیاں دیکھیں شاعری سونے ہے کہ فطرتی شاعری  
پر ایک زندہ چاہیے فطرت ہی گئی ہے۔ فطرت کی مجموعی  
شاعری کو ہم ان لوگوں کے سامنے سونے کے طور پر  
فطرت کر سکتے ہیں کہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ  
شاعری مصدقہ رہے کہ بعد شاعری نہیں اور نہ  
اصل میں شاعر ہی طاقت ہے جو فطرتی اثر کو دلی  
انتخاب دے۔ جو تمام فطرتی کی شاعری کا ایک حصہ  
اشتراکی اور انتحابی کے ذیل میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اور  
نیم فطرتی کی شاعری کی طاقت کارزار اس کا نقول اور  
شعریت ہے۔ نقول اور شعریت ہی ہے کہ جو فطرتی  
بلکوں میں ہوا، مگر کہ انہیں دلی چاہتی ہے۔ جو  
ساز میں اصلا کے لئے انتحاب کا ساز و سامان اور



مفسرین افسانہ نگار بھی ہو چکے اور ہمارے کاغذ پر حتمی ہے مگر اس نثر کی شد و صلابت میں دورہ و غمیرہ ہے کہ اس کی شاعری جانے والے پر اثر کرنے کے واسطے باغ و بستان کرتی ہے۔ ہمارے افسانہ نگار شاعری میں جوتی کے قریب ہونے کو اپنے گلے قریب نہیں۔ اس کی شاعری میں ہند کات کو دیکھو اور ہر مصرعے میں دامن ٹھکرا رہے۔ ہمارے اپنے اور کی شاعری کا گنگا کی لہر ہے۔ آخر افسانہ نگار ایک حد تک فطرت ہی کے سکول کا شاعر ہے۔ اور ہر راست اور دامن فطرت کی شاعری سے جڑا ہے لیکن اس کا تیسرا اس کی اپنی صلاحیت و افراطیت ہوتی ہے جو جاننے کے واسطے ہی شاعری میں اس کے لئے ایک واضح جگہ پیدا ہو گئی ہے۔ جوتی نے طوطی ہوتی اور افسانہ نگار نے کی خوشنویسی۔ مگر اس کی افسانہ نگار شاعری تخلیق اپنا ہندی ہے جس میں غلوں کا فقدان ان کو محسوس ہونے لگتا ہے۔ وہ ہر روز ہندو کے وہ بھونکے اور کھڑے ہندو کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ سب سے ضروری وہ سمجھتا ہے کہ لوگوں کو ہر روز ہندو سے غلط کر کے افسانہ نگار ہندی ملک کی طرف رجوع کرے۔ افسانہ نگار شاعر نہیں۔ وہ افسانہ نگار ہے۔ اس کے خیالات بھی افسانہ نگاری ہیں مگر یہی جگہ جگہ حق میں افسانہ نگار شاعری کا مضمون ہے۔ وہ جوتی سے پیدا کرے۔ جوتی اس حق میں ہے جوتی خدا ہے کہ اس نے اپنی مٹی افسانہ نگار شاعری سے ایک بہت بڑا کردہ افسانہ نگار بنو جو ہر شاعر کا پیدا کر لیا۔ مگر بدلتے خود کوئی دوسرا افسانہ نگار بنو نہ پوانے پوانے کرے۔ اور یہ اس کی شاعری میں واضح قسم کا زوال آچا ہے جو ہر روز ہندو کی شاعری میں اس کے شباب کے بعد آگیا تھا۔ افسانہ نگار شاعری پیدا کرنے سے قبل افسانہ نگار کے مٹی سمجھنا ضروری ہیں۔ اور وہ افسانہ نگار ہے جس کا جوتا ہے۔ مگر یہ بھی جوتا ہے کہ اس کی جوتی سے بہت زیادہ جوتا تھا۔ اور ہم اس کی آبی برسوں پہلی شاعری کو

نہیں کہا سکتے۔ وہ اور ادب اور شاعری کا ایک ناقابل فراموش نمونہ ہے۔

پہلا فرق اگر ہم اس بات پر ڈرا جائے تو غور کریں کہ کسی بڑے شاعر کی کامیابی کاسب سے جڑا ہوا کیا ہے؟ تو ہم اس تجویز پہنچیں گے کہ قلم اور شاعر کے لئے جس اخلاقی صلاحیتیں اور فطری قوتیں رکھنا چاہیں، وہی تنقیدی یا تخلیقی بھی لازمی ہے تاکہ وہ اپنے اندر اس حد تک اپنی ”تخلیقی“ اور اجتماعی کو باپ قلم کی برقرار رکھ سکے۔ فعلی جیسے اخلاقی صلاحیتوں کا حامل ہے، وہاں خود کو تخلیقی فکر سے قلم کے کاغذی عالمی ہے، وہ تخلیق کو تخلیق کی بجائے کاسنی ہے کہ خود کو دیکھتا ہے اور اس میں اس کی شاعری کی زبردست کامیابی کا راز خفیہ ہے۔

یہی شاعری کا ”ادب“ اور ”ادبی اور اجتماعی زندگی سے مل جل کر کا گیا ہے۔ ایک طرف تو یہ شاعر خود سے گفتگو کرتا ہے اور دوسری طرف یہ دوسری کی سہاگہ کی سہاگہ کی تخلیقی کیفیت“ شاعری کی خزانہ اساتذہ کی تخلیقیوں کی ایک داستان ہے جتنا جتنا ہے

یہ اس طرف سے اساتذہ کے باہم رابطہ و ربط سے ہے کہ ان کی تعلیمی اور روحانی، تاریخی اور ادبی، جہلوں کا جیسے جامع و مانع ہو جاتی ہیں۔ فعلی کی شاعری ایسے ہی روحانی و ادبی احوال کے اجتماع سے بنی ہے۔ فعلی پہلا ہوتی ہے نہ شعراء کے دیکھنے شاعری کو کالہ ہے چھوٹا ہے۔ اس کے کام میں وہ کمال کا احساس لگاتے ہیں۔

فعلی کی اکثر تخلیقات خود کلامی کی مثالیں ہیں۔ اس حلقہ میں شاعر خود سے باتیں کرتا ہے۔ طرح طرح کے قصص و کہانیات اس کے ذہن میں آتے اور ہاتھ دے رہے ہیں۔ تخلیق کوئی سہرا انھیں دے اعلیٰ گئی کرتا۔ اس کا مادہ حاضر یا ماضی حاضر کوئی نہ کوئی ادب ضرور ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہاں

[illegible]

اور ملائی گاؤں کی کئی جائے کی۔  
اور۔۔۔ اس باتوں سے کہ ہوں گے پڑ سے  
ہوئے بات۔

آج پھر میں دل آزاد کی وہی رنج ہو کی  
وہی طوابع، وہی آنکھیں، وہی کاجل کی کھیر  
رنگ و رخسار پہ ہلکا سا وہ خدائے کا غبار  
صلیٰ چھو پہ وصلیٰ ہی دتا کی تصویر  
اپنے انکار کی، 'انکار' کی دیا ہے بھی

جانی مصلوں ہے بھی غلام مقلی ہے بھی  
جنگی بھی، رانگی کی طرح وصل کے لڑا کھڑا بھی  
باتوں اور دھڑکنے کے شوقے، لگاؤں میں شائع نہیں  
کرنا چاہتا، بلکہ گلوپ کر اس قسم کا ذکر کیجنا ہی ہے تو وہ  
کہتا ہے۔

آج کی رات ساڑ ۱۱ بج رہا  
کیونکہ "آج کی رات" ساڑ ۱۱ بج کے لئے نہیں  
ہے۔

فیض کی ہنسی شامی شامی لگی ہے اور قہری  
لگی۔ مگر فیض کی ہنسی شامی سے نہ اندازہ لڑاؤں ہی  
بھرائی ہو، رانگی شامی کا فرزند ہے۔

فیض نے غم و انداس کی ایک نئی تکنیک اس  
میں دی جس میں وہ کی ترجمانی کے لئے سموزاں ہے۔  
اس کے سموزاں کی سہ میں جو تکنیک یا اجزہ  
(Tilt) ہے، اور ان کی خضرہ سازی (Phrasing)  
میں جو آہنگی اور سموزاں ہے، وہ ان کے اسلوب میں  
ایک نئے طرز اور ہی خصوصیت ہے اگرچہ یہ تکنیک  
نے ایک تپلہ و شامی قائم کر دیا، انہوں نے میں  
اسیرت طرز اور احساس شخص اور فکراںہ کا پیکارتی  
سے مشفقہ وادارت کا دھڑکنے اور سہائی مساکن سے  
مشتعل کر کے اپنی کہانی اور کی مشفقہ شامی شامی  
پاکلی کی پیر قہمی، نئی اور دل تندر، مشفقہ شامی میں

ہنسی، رانگی اور ایک طریقہ سے نا، فیض کا  
خاص حصہ ہے، قصہ اور شامی کی نام و فہمیں بھلاکتی۔  
فیض میں کے پردوں سے انکھاپ کو کھینچنے کا  
مدد ہے۔ اور دل میں، جس کو ہم نے رومانی اور

کے ہم سے سوہم کہا ہے، 'نظم' گھیس مشفقہ و رومانی  
چھو، دلا کی ہر شے سے بے نیاز اور محبوب کے چہرے  
میرے کہ اس کی کہانی کی ناموشی، شہرے و محروکی کے  
خٹکے کا جھکی نظر آتا ہے۔ یہ جذبہ اس کے اس دور کی  
گھیس کے ہر ہر صومہ سے خراج ہے۔ دوسرے اور

میں انکھاپ اور حسن و عشق ایک دوسرے میں انکھاپاتی  
طریقہ ہے، ایک خیر و شر ہو گئے ہیں کہ دونوں ایک  
دوسرے سے ہوا کرنا دشوار اور نامکن نظر آتا ہے۔  
فیض نے میں انکھاپ اور ایک دوسرے میں ایسا سو  
دیا ہے کہ انکھاپ میں حسن اور میں میں انکھاپ کا یہ  
نظر آئے گا ہے۔ اور یہ تحلیل و تفسیر شامی میں باطل  
نہی ہے۔

عشق کی اندازہ گھیس فضا سے لگ آکر وہ  
"آخری خط" لکھتا ہے، جس میں وہ صحت کی انکار کا  
ہے۔ اس میں اس اندازہ علم سے لگتا کہ وہ عشق کا  
آخری خط لکھ کر رہا ہے۔ خروانی نہیں کہ وہ "آخری  
خط" لکھیں عشق کی اس طرح شہرے شامی خط و خطا ہو  
ہے جس میں شامی اور انکی محبوب سے لگ آکر صحت کی  
خواہش ظاہر کرتا ہے، اور فیض کا "آخری خط" شاید کہ  
ایسا آخری خط معلوم ہے۔

وہ وقت مری جان بہت دور نہیں ہے  
بہت دور ہے، ایک جاگتی کی سب سے بہت کی جاگتی  
اور حد سے گذر جانے کا اندازہ نہائی  
تھک جانے کی ترسی ہوئی، دھکم دھڑکاؤ  
جانے جانے کے مجھ سے مرے، اور مری آج  
جانے جانے کی مجھ سے مری ہے کار جوئی  
(آخری خط)

فیض کی رومانی گھیس میں اس کی رومانی  
لکھتا ہے، جس سے شامی و شامی اور شامی شامی کا  
خاصہ ہو جاتا ہے۔ "سوز و غم" رومانی رومانی کے  
لگاؤ سے ایک قابل قدر رسم ہے۔ اس رسم کو کھینچ کر  
پڑھنے میں زیادہ لکھتا ہے۔

نظم شب، پارہ و پارہ رومانی  
مصلحت سے دھڑکاؤں میں ہے  
کچھ کچھ ہے نہ شامی  
بڑا نظم و رومانی ہے

آج رات سکوت جاری ہے  
چار سو بے شادی ی شادی ہے  
زندگی جزو خواب ہے گویا  
ساری دنیا نرخاب ہے گویا  
سو رہی ہے گئے راتوں،  
چاندنی کی جھلکی ہوئی آواز  
آنکھوں میں وہ گھیسوں سے  
کہ رہی ہے صدف شوقی نیاز  
ساز دل کے عشق آبادوں سے  
پہنچ رہا ہے مار کھل آگئیں  
آزاد، خواب، سما دوسے صبح  
اس قسم کی مشرقیہ طرز و رسم مقررہ گھیسوں  
کے ساتھ بھر جاتا ہے، یہی اس کی رومانی شامی کی  
جان ہے۔ اس کی رومانی شامی کا ایک ایک صومہ  
ماؤں نظر معلوم ہے، جو دل میں اس طرح چاہ جاتا  
ہے۔ اس کی شامی کے یہ ہم جذبہ کی سگ کے نیچے  
حتاط مری، وہاں وہاں نظر آتی ہیں۔ اس کی رومانی  
شامی کے گھیسوں، گھٹاؤں ہے کہ قاری اور شامی  
کے دلوں کی دھڑکیں ایک ہی جاتی ہیں۔ عشق دانی  
قدر ہے، اور جو گھیس کا عشق کے کی نہ کی پیلوہر کی نہ  
کسی حوالے سے خضرہ وادارہ ہے۔ اس کے فیض  
کی مشفقہ گھیسوں دل کے ہم چاہ میں شامی و شامی

یہاں آ رہی تھی۔

یہ صحنہ جس نے لم کی نگاہ میں جاری  
ابھی تک مری تجاہل میں لپکتی رہی  
طویل راتیں ابھی تک طویل ہیں جاری  
اوس آنکھیں ابھی انتظار کرتی ہیں  
گدو رہے ہیں شب و روز تم نہیں آئیں

(انتظار)

"ایک گداز پر" اور "دو لہجہ" اس کی شقیہ  
تکسوں میں غیر معمولی توجہ کے قابل ہیں۔ ان تکسوں

میں جتنے نے اپنی محبوب کی صفات اور کے سرمے سے  
اپنی دھل قصور میں، جانی ہیں کہ قہری کے دل میں  
ایک ہو کر ہی اٹھتی ہے اور ایک جھنجھکی محبوب اس کی  
تکسوں کے سامنے آجاتی ہے اور وہ کہہ رہا ہے کاش  
مجھے بھی ایسی ہی محبوب نصیب ہوتی کہ جو "دو لہجہ"  
کہیں چاندنی کے گاہن میں ایک ایسے گل کی طرح ہو  
واقف بہا نہیں ہے مصروف انتظار ہوتی۔

فیض کی شعری محبوبہ کی چند باتیں اور صحنہ  
فیض کا نگاہ ملاحظہ ہوں۔

جزر تھے تیرے پاسے تازہ خاک فطیں  
ہر اک نگاہ غار حجاب سے تجھیں  
شباب، جس سے گلے پہ بلیاں برسیں  
وہار جس کی رفاقت میں خوشیاں برسیں  
اواسے لغزش پا پہ فحاشیاں قرباں  
جاننا زنا پہ عمر کی صحتیاں قرباں  
وہ آگہ جس کے بڑے پہ فانی آزارے  
زبانِ شعر کو قرص کرتے شرم آئے  
وہ ہونٹ فیش سے جس کے بہا، لافرواں  
بجھت، د کوز و قسیم و طبلوں بڑاں  
گداز جمہ قبا جس پہ جگ کے دلا کرے  
وہ دلا تو تجھے سرو سخی لار کرے  
غرض وہ صحنہ، حجابِ وحف و جام نہیں

"صحنہ" جس کا قصور اثر کا کام نہیں

یہ رنگ جھلک آہوی کے لئے فطیں سا ہو گیا  
یہ اور اسی رنگ میں جھلک نے حصار کا سیاب نہیں  
اور اشعار کے لکھی جتنی چونکہ (شاید) آشوری طور  
پر جھلکے ہیں حصار ہے اس کے اس رنگ کا اس کے  
کلام میں آ جانا آ کر ہے۔ حضور پر کر فطیل کی شقیہ  
قاری کا سیاب شاعری ہے۔ اور اس کا سیابی کا راز  
نقدیاتی طریق پر شعر کے لطیف ہند میں پر طوطی  
جذبات کی فطیل کی جانک ہے۔

"سہمے سے عجب" اردنی، اور کی قاری نظم میں  
فیض کے تجرید سے جا رہے ہیں اور اس کے خوات  
سے مانگوں میں دھلتے اور سے اعجاز بیان میں  
دلتے معلوم ہوتے ہیں جو دوسرے دور کی قاری  
میں نمایاں ہو گئے ہیں۔

فیض کی شقیہ شاعری کے حلقہ آخر میں ایک  
بات اور لکھی ہے کہ وہ کلامی اور مستحکم سے غیر  
صرف حال کا دلورہ خیرا ہے۔ "وہ بچہ کو کافی بکھتا  
ہے اس لئے ہارو پیش میں گداز پاسے اچھا ہے۔" وہ  
مادہ خوبی کو مایا مانا چاہتا ہے "وہ گداز شوق سوس کے  
دار و دل سے ہونے اور غرق رفاقت آ کر ہونے کے  
لئے دینے ہونٹ مسوڑ پڑھتی اور صحنہ آنکھوں کا  
حلقہ نظر آتا ہے کہ

سہمے سے عجب و مستحکم سراسر کو ہو جانیں  
تا کہ نیا صحن سے وہ طرقات دیا میں بھر نہ  
آئے اور دانی طرہ پاس نام میں محظوظ ہو سکے اور ان  
نہام نپاکی ملاحظہ سے جن میں ظاہر و مصائب  
کے علاوہ بہت کچھ ہے۔ نگارہ اپنی اعتبار کر کے  
کہیں ایک بہرہ نگاہیں میں شریں ہو چکی  
وہ چاہتا ہے کہ کچھ لاکھوں کی نگاہ ہو۔ جے۔  
یہاں حجاب صرف دگر بازی ہے اس لئے ضروری ہے۔

آ کہ کچھ دل کی سن جا لیں ہم  
آ بہت کے گیت کا لیں ہم  
نہ معلوم ہر گئی، دل کی صدا سننا نہیں ہمارا  
ابھی بہت کے گیت کا لکھیں۔ اس لئے تجاہل کی  
قائم کوہر کرے اور صدا سے حیات کو کھنکھنے کے  
لئے ضروری ہے کہ

آ کہ تھوڑا سا چار کر لیں ہم  
زندگی زور لگا کر لیں ہم  
اور قیاس کے کہ لکھیں دیا کا زور اور عظمت  
کچھ لکھ ایک مرتبہ اس ایک مرتبہ

مری جاں جاں بھی اپنا صحن دیکھیں پھر اسے لکھو  
اور ہر اپنے پہنچے

اب نہ آہوا طمانہ ہائے اہم  
اپنی قسمت پہ سو گوار نہ ہو  
فر فرما اور دے دل سے  
عمر دلت پہ بھگوار نہ ہو  
مہو غم کی حکایتیں مت پوچھ  
ہو جیگیں سب فطانتیں مت پوچھ  
آج کی رات ساز و دوز نہ چلیز  
وہ رات وقت کو چھٹکڑی سروس اور دوز  
آزادوں کے بعد میر کیا ہے شہر و طرقات میں طرائف  
کہا نہیں چاہتا بلکہ اس کو دوسرے کاموں کے لئے  
دھت کرنا چاہتا ہے اس سطرہ فیض اور اختر ایک  
واحد لڑکی کے ساتھ ایک دوسرے کے بہت قریب ہو  
جاتے ہیں۔

وہ قاری کا ایک بیان یہ لکھا ہے کہ وہ  
مندانہ ویدائن، دیگر مغانی خوبوں کا کم لگاؤ رکھتی ہے۔  
وہ شہر کو مسجد داخل کا ترخان کھنکھنے سے اس لئے اس  
کی زبان ساوا اور لاطالی وہاں سے سزا آتی ہے۔  
اکثر اشعار اس مطلع کی روش کے ہوتے ہیں۔

فیض کی شاعری کی یہ اہم خصوصیت ہے جو

اسے دوسرے ترقی پزیر شعراء سے مجاز کرتی ہے۔  
اس پر اشد برا تکلف داری و رملی کے خلاف گہرا دلالت  
چاہتا ہے۔ جس کی وجہ سے بھی عربی و فارسی کے الفاظ کا  
استعمال کرتے ہیں۔ لیکن بعض جہات کہتے ہیں کہ یہ  
سادہ سے الفاظ میں لکھا ہے اور اس میں اس زبان کا  
دور کا تاثیر "تازہ" اور ان محضرت اور عجیب و غریب سو  
دیتا ہے کہ وہ شان و شوکت جو فارسی الفاظ کا حصہ ہے  
اس کی شاعری میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی بعض کے  
جو برزاق اور نفاذاتوں کو واضح طور پر ظاہر کرتی  
ہے۔ کوئی نظم کوئی شعر لکھے سب میں یہ سادگی و  
پہ کاری ملے گی۔ اس کی زبان جمہور کی زبان ہے لیکن  
اس میں شعری جھلک اور دلالت چاہتا ہوں سمجھو۔  
فیض کی تجلیات، نفاذ کی طرح لہر و لعل میں  
ہوئی کہ جن پر ہم چمک پڑتے ہیں، جگہ جگہ سوانح پر  
ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان شعری تجلیات اور  
قلم سے نکل گئی ہے جس کا احساس شاعر کو خود ہوش  
ہو۔ اس کی تمام تجلیات، "نفاذ کی تجلیات" سے اثر پذیر  
ہوتی ہیں۔ اس کی تجلیات کو ہم "زمیر" سمجھیں۔ "کلام  
دست" سمجھیں۔

نفل سکوت چاندنی رات، نیم دانگ کھنکھار  
یام اہم کی فرود سلائی کو کچھ کہہ دینا کسی قدر  
باز ہے کہ ۔

زندگی جزو غلاب ہے گویا  
ساری دنیا سراپ ہے گویا  
رات کے جوت کھولی ہوئی یاد کے آجائے کہ  
یوں کہنا کہ ۔

رات یوں دل میں قری کھولی ہوئی یاد آئی  
جیسے دہانے میں چمکے ہے جہاز آجائے  
جیسے حیراؤں میں ہوئے سے پلے باز نیم  
جیسے یاد کو ہے جو قرار آجائے  
کسی قدر جھٹکا اور ڈالا ہے معلوم ہوتا ہے کہ

اشعار و تجلیات، "دلوں ایک دوسرے کے منوں  
اسانی ہیں۔"

ایک عجیب ہے ۔  
زندگی کا کیا فلسفہ کی قہر میں  
ہر گزری دور کے چہرے لگے جاتے ہیں  
فیض نے زندگی کو فلسفہ کی قہر سے سمجھ دیا  
ہے۔ فلسفہ کی قہر کا نام سنتے ہی کلف چہرہ ہمارے  
ذہن میں بکھرنے لگتے ہیں اور دوسرے مصرعوں میں  
چندوں کا ذکر کر کے درد کے ساتھ محسوس کر دیتے  
ہے غم محسوس میں گرائی اور جڑ پیر معمولی بدلتا  
ہے۔ لیکن کی شاعری میں تجلیات، "داخلی و خارجی"  
نفاذاتی ماحول کے پھر چمکے ہیں جو افسوس کی طور  
ہاں کے غم سے نکل جاتی ہیں۔

"سم لوگ" کی تصویر، داخلی کیفیت کی شکل  
دھان ہے ۔

دل کے ان میں لے گل شدہ محسوس کی قدر  
نور خورشید سے چھوئے آسمان سے ہوئے  
حسن محبوب کے خیال تصور کی طرح  
اپنی تاریکی کو کھینچے ہوئے، لپٹائے ہوئے  
تاریکی کو دل کے ایوان کی گل شدہ محسوس کی  
قدر میں حسن محبوب کے "خیال تصور" کی طرح کھینچے  
ہوئے چمکائے ہوئے کہنا کسی قدر دور اور دکھا ہے  
اصل واقعہ اس سے خوبیاں افسانہ ہو سکتے ہیں۔

"سیاہی لیزہ کے جام" نظم میں "ہندوستانی  
سیاہی لیزہوں کی کم، گنجی و چاندنی کا اعتماد ملوث"  
عجیب کے باعث کسی قدر دھڑک گیا ہے ۔

جس طرح کچھ سمندر سے ہو سرگرم شیز  
جس طرح بھڑکی کھار پہ بھار کرے  
عجیب سے ہندوستان کے سیاہی لیزہ کا تصور  
ہمارے ذہن میں قری کرنے لگا ہے اور کھار ہوا سا  
سال سے ہے آسرا چہرہ لیزہ اپنی کم، گنجی اور ہے

بیاضی کے ساتھ ہمارے دھان کے منوں قری جاس پر نفل  
اسانی ہے۔

فیض کی ایک نظم ہے "شاہدات"  
ایک افسانہ شاعر ہے دور  
اور آج پر نظر دینے ہوئے  
سراپٹی پہ اپنے سینے کے  
جس میں کو بچانے ہوئے  
جس طرح کوئی طوفان صدمہ  
لپٹا وہاں کہے میں کو خیال  
اصل محبوب کے تصور میں  
میر ہو چور، حضور، حضور، غافل

ایک افسانہ شاعر کو ایک لکھی غزلیہ صدمہ  
سے عجیب دھان، جو اصل محبوب کے تصور میں کو خیال  
ہے اور جس کے حضور غافل کو تمام جسم چمک چمک رہے  
کسی قدر دور ہے۔ اس کی قریب جھلک رہے ہمارے  
ہے۔ یہ "عجیب مرکب" کی پھر چمک رہے ہیں  
تجلیات کہ ان کی ایسی ہو کر اثرات ڈالنے کے پہلے  
اور ہر سے لپٹائے لپٹائے اور کوئی گلی مر رہے ہاتھ  
چاہتا ہے۔ یہ فیض کا شعر اسلوب ہے۔

ایک اور خصوصیت فیض کی شاعری میں زبانیں  
طور پر پائی جاتی ہے۔ جو دیگر ہم عصر ترقی پزیر شعراء  
میں کم ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض کے بہت سے  
مصرعے اور اشعار اپنے اندر ضرب افعل بنے کی  
صلاحیت دیکھتے ہیں۔ بہت سے فو ضرب افعل بنی  
چمک چمک رہے ہیں۔ بہت سے اشعار زبان سے جب وقت  
اپنی جگہ رہتی سے متکون شعروں کی صورت کے سرگزر  
شاداب و دلکش کانت ڈالے گا ان کی زبانوں پر  
چمک کر اور صوب میں سے انہوں اور ذہن کا سبب  
ہوا کے اور شاعری میں تیر تیر آہنی کاغذ ہوا  
آہنی کو یہ شرف حاصل ہے۔ آہنی کے ہوا کر کسی  
شاعر کے اشعار اور مصرعوں میں ضرب افعل ہونے کی

ملا سیتا اور پھیلا دیتا وہ جو عقل اور فطرت کے چند مصرعے اور اشارے تھے۔

صحت کہہ لیا پہ تاج نگاہ سے

بہول اور انھوں نے نہ لکھیں، رچے

آہنی کی دست ساز و نہ بجز

تجری انھوں کے سوا کیا کس کا کیا ہے؟

یوں تو قلم میں لکھتا ہوا پتھر کیوں ہو جانے

اور مٹی دیکھ کر نہ آنے میں صحت کے سوا

لوٹ جاتی ہے اور کوئی لکھ کر کیجئے

سپہ بہاں کوئی لکھ، کوئی لکھ آئے گا

ایلی صحت ہے کہ ہم بھر بھی جتے جاتے ہیں

مکلف ہے جس سے ہوئی جاتی ہے کلین و گھٹیں

زندگی کی کسی عقل کی قبا ہے جس میں

ہرگز زندگی اور کچھ نہ لگے جاتے ہیں

چلے جاؤ کہ داخل کلین نہیں آتی

بکی جا کر آتے ہو کارہ و شاعر

اور ادب میں غالب "موسیقی اور اتمائی کی

تراکیب" وہ ستارہات خاص طور سے لکھے اور سے

ہوئے کے باعث "قابل ذکر ہیں جو باہل کی وضع

ہوئے کی وجہ سے ادب میں گراں ہوا انسانے کی

منشیت لکھتے ہیں۔ جس میں جذبات کی گروائی شعری

دہلے رہی "شاعرانہ تصویر" فیضی کی تحلیل شکل نظر میں

وفا صحت "عقلی ملاصحت" تصویریں (images) اور

اسانی لکھنا صاف طور سے ایسے جاتے ہیں۔ جس

کے یہاں بھی بہت ہی تراکیب و استعداد اور

تصویریں لکھی ہی پائی جاتی ہیں کہ جو باہل کی اور

جدا ہیں۔ اس قسم کی تراکیب اور تصویریں میں

شعریت اپنے سادہ نگار کے ساتھ طور و ظرف رکھتی

ہے۔ چند سونے کا خطوں

"خوش دین و خوش گل و حقیت۔ ہے

رنگ سامت۔ آجڑا سکت۔ گاہ وینا سرشار۔

لفظ سے غور و عمل ہر ایک بھارت مسلم۔ ضرور ہر ایک

اشقی خاک۔ ہے طوط کو اور جھلکی ہوئی اورانی۔

چہ ہم گراں ہر دم۔ چٹم چٹم آسار۔ جھلکی ہوئی ظلم۔

ہر سرور کا یہ یاد رہی۔ آواز غلی ہر گرج پڑے۔

فطرت کی وہ جھبیں ہیں "تھکائی" اور "تھکے۔"

فطرت کی "ظلم" "تھکائی" میں خمد و شاعرانہ لفظ اور صبر

اسلوب ہے۔ یہ ظلم ہی خمد و صبر اور ہے مٹی ہے۔ یہ

دھان مٹی گرج کر لی سے اسد میں آیا۔ بکھڑا کر سے

انگرجی کی شاعری میں یہ رجحان بہت عام ہے۔ اس

میں اس قسم کی تصویریں بھی جادوی ہیں کہ جن کو نہ کریم

یہ ضرور محسوس کر سکتے ہیں کہ کوئی شعر مٹی اور پانی کی

سی بات بیان کی جادوی ہے لکھی وہاں "ضرورت کی کس

لئے ہے اور کیوں ہے؟ یہ شاعر لکھتا ہے اور نہ

پڑھتے دلا۔ اس نے اس قسم کی تصویریں کی ہم اپنی

عصب کشا خیر و مائل کر سکتے ہیں۔ اس میں ایک

صبر کا فطرت "دوسرے صبر سے بہت کم جاتا ہے۔

ایک قسم کے بعد دوسری تصویر بہت تجزی سے آتی

ملتی جاتی ہے اور ہر ایک دم ظلم اور جادوی ہے۔ فطرت

کی "ظلم" "تھکائی" مٹی اسی نوسا کی شکل ہے۔ پڑھتے

جذبات ضرور دی۔ اس ضرور محسوس کرتے ہیں اور

راستہ کے خطا میں غور و تامل کی کسی جو تک محسوس

کرتے ہیں۔ جس شاعر کا ہے "پیش" "فانی گویا"

(میں سے راستہ صاحب کا مطلب شاید زندگی کا

مسئلہ ضرورتی سے گزرا ہے سے ہے) کا ہر نہیں

اتنا۔ اگر میں ہے کہ وہاں تو فطرت ہو گا کہ یہ راستہ

صاحب کی شکل مائل مٹی ہے "جو گرج کر جی شاعری

کے اس۔" ظاہر کارہ شعری میں عام کرنے میں کوئی

مقتدا تو نہیں لیکن اگر شکل ضرورتی یا اس جادوی کرنے

کے لئے اس سادہ سے مصرعے لکھے گئے تو "کو کوئی

دیکھ کر آوازوں" کے حروف اور گار تیرہ کی فکر ضروری

آئی اس یا اس سے لپکا ہوا ضرورتی کا شہ ہے احساس و

نکلا ہے۔ اگر اس ظلم کا مفہوم مجھے کی کوشش کی جائے تو

چار چھٹی اور حاصل ہوگی۔ نہ تو یہ ظلم بیابان میں

لکھ ہوئے لکھی کی یاد اور ہے اور نہ قذیب و مذہب

کے شیرازہ و گھر سے کوئی اور لفظ لکھی ہے اور ظاہری

طور پر اس ظلم کے مصرعوں میں بھی کوئی دیکھ اور "اشقی

تھکے" ہے۔ مٹی یا اس کے اور سے ہے ہر ایک صبر

دوسرے سے ملکہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے شاعر

کے ذہن "اشعر" سے ایک "جذبات" میں حدود و مقدار

خیالات اور گھر سے میں کو اس نے جانا اختیار تسلیم دیا

شعر کا لطیف ہمار پڑا دیا جو اس کا خاص حصہ ہے۔

شاعرانہ لفظ "مواظبت اور روانی" (ظریف بہت کم

ہے اور پھر اس بھی "مگر مٹی"۔؟ یہ سوال بار اہوت

طلب ہے۔ جذباتی ترتیب نے اس ظلم کو کم جادویا

ہے۔ ہر دور اور شاعری کا یہ بھی ایک گڑبہ ہے۔ گڑبہ

کا سبب بھی ہوتا ہے یا گھبراہٹ یا شاید آنے والی نسلیں

فیلر کر لیں گی۔

ایک بات ظلم اور کچھ بہا صبر ہے۔

بھر کوئی آبی دل اور نہیں کوئی نہیں

لفظ "بھڑ" قابل غور ہے۔ لفظ "بھڑ" سے یہ

محسوس جاتا ہے کہ شاعر کسی کے بار بار آنے سے اس

سامنے ہے اور اب جانے چکا اور سے کہ وہ ایک قسم

کی جزاوری میں محسوس کر رہا ہے۔ عجائی میں قدم کی آواز

سے چکا اور کو شعر لفظ "بھڑ" استعمال نہیں کریں اس

سے ظلم کی گڑبہ اور گڑبہ اور ہی ہے ظلم ہے۔

بھڑ کوئی آپا دل اور نہیں کوئی نہیں

دیکھ دیکھ لکھیں اور چا جانے کا

داخل لکھی بات "بھڑنے" لکھا اور اس کا ہمار

فرکانہ لکھے انھوں میں خواہد وید اور

سوگی رات تک تک کے ہر ایک دھند

بھٹی ناک نے خدا اور قدموں کے سران

گل کر "محسوس" کے سادہ سے جادویا

اپنے بے خواب کلاں کو خشک کرو

اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا

[ تعلق کی نظم "تخت" اور ادب میں ایک نیا

اضافہ ہے۔ اور میں بہت کم نظمیں لکھی ہیں، جو اس

نوعیت اور صنف میں ملتی ہیں اور جو یہ وہ اتنی خوش

اسلوبی سے لکھی گئیں کہ "تخت" نظم سیاسی نقطہ کی

مثال ہے۔ جس میں مضمون، معانی کے خزانے

کھڑے پڑے ہیں۔ سو رب کی حمد دینی زندگی کے

اطلاقی و کردار "تہذیب و تمدن" کا بانی رجحان "لحمی و

ذاتی" اور سیاسی سکڑی کو اس نظم میں اسے جھڑوا دیا

قد و باج کا شاعر اس سوز سے کہ نظم ایک مجرورہ مضمون

ہونے لگی ہے۔ شدت تاخیر، سماجی، نفسانیت و معنائی

اس نظم کے پہلے مصرعہ سے آخری مصرعہ تک ملتے

ہیں۔ اس نظم کو کچھ کہیں تعلق کی ذخیرہ کی کہ اور دینی

پڑتی ہے اور اسے تنگ مضمون میں سمجھ کر شاعر کہہ پڑتا

ہے۔ سمجھ کر شاعری کے لئے ضروری ہے کہ اس میں

اتفاق، مادہ اور اس کا انتخاب، لہجہ کا مادہ ہو۔ خیالات

میں اہم اور وسیع کی ذہن۔ جو کہہ کہا جائے اس میں

تاخیر و تاثر ہو اور جس وقت وہ پڑھی جائے تو قاری کا

ذہن دل و دماغ اس کی طرف متوجہ ہو کر خاموش ہو

جائے۔ اس قسم کی شاعری جدید کا اثر رکھتی ہے۔

اس قسم کی وہ چار نظمیں اگر ترقی پسند ادب میں

اور کبھی جائیں تو اور ادب میں سمجھ کر شاعری مکمل

کئی جا سکتی ہے۔ یہ نظم ایک نئی منزل کی طرف دھرنی

کرتی ہے۔ اس نظم میں ذاتی، دماغی اور لہجہ کی

مخصوصیت خاص طور سے ذکر کے قابل ہے۔ تعلق کی

باتیں نہیں دہراتا بلکہ مضامین اور لہجہ پڑتی شاعری میں

سوتا ہے۔ کیا وہ ہے کہ انطباع اور تاخیر اس کی

شاعری میں ہر یکہ صریح اور بیکار ہوتی ہے۔ (۱۰)

تعلق کے کہ ان کی اڑاں خصوصیت اس کا طغی

ہے اور یہی چیز اس کا اکثر ترقی پسند شعروں میں ایک ممتاز

دھڑکائے میں مدعا اور معانی کا بہت ہوتی ہے۔

جو کہ کچھ کہتے ہیں کہ ان کی شاعری میں مضمون کے

اور سوز کا کہنا ہے۔ اگر شاعری میں غلط اور کثرت

ہو تو وہ محض پروپیگنڈا اور کردار ہوتی ہے۔ شعور، فانی

طبی، لہجہ کا کہنا کہ "جو چھوٹا ہو کہ پروپیگنڈا

سے ممتاز کرتی ہے" اور مصنف کا آہٹ اور اس کا طغی

ہے۔ "تعلق کی شاعری پر مطلقیت ہوتا ہے۔" "تعلق

فروری" میں اکثر نظمیں اس نوعیت کی ہیں جس سے

طغی شیریں چشم کی طرح اڑتا مضمون ہوتا ہے اور

کیا چچ اسے ترقی پسند شاعری کے آسمان پر ایک بلند

ستارہ کی طرح فروغ و شعور دینا چاہتی ہے۔

تعلق کا اسلوب بیان بلند ہے۔ اس کا طرز

لکھنا اور طریقہ بیان بالکل منفرد ہے اس کا طرز و قلم

و دھڑک، رنگ کے تضاد سے پیدا ہے۔ "و ایک باقی

شاعر ہے لیکن باقی شاعروں مضمون میں نہیں کہہ

انتخاب و عدم ہمارے سفر سے کہتا ہے۔ باقی اس مضمون

میں نہیں کہ اس نے اشتراکیوں کی فطرت میں اپنا نام

دے دیا ہے۔ باقی اس مضمون میں نہیں کہ اس نے ہوا کا

ترقی پسند قریب کہہ رہا ہے بلکہ باقی اس مضمون میں ہے

کہ اس نے چند کہ وہاں کا توں بہتر کر کے کہہ دیا

موت میں جھکتی ہے۔ اس کی شاعری جھکتے رہتی ہے

چلتی میں متوجہ نظر آتی ہے لیکن اس شاعر نے اس

قد و صحت اور پھیلاؤ کے کوئی بڑی چیز نہیں اس

کے مقابل پر نہیں آئیں۔ وہ کہیں کہیں جھکتے میں کہی

تبدیلی کرتا ہے لیکن مضمون تھوڑا کہانی لکھتا ہے جلد کہیں

مضمون میں خود اہمیت دہ دہاں چلا جھکتا ہے۔ جو

چلتا اور صحت ہے۔ زیادہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔

نہن اور جذبہ کافی ہے نہ زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔

گو کہ اس اختلافات اور مختلف قسم کی لکھنات و

تعلقات معرخی شعروں میں آ رہی ہیں۔ اب سے پہلے

شاعروں کے لئے سوز کی کئی قسمیں ہیں جس سے تخلیق

فرسوں کی اور دھڑکی پیدا ہو گئی لیکن دھڑکی کی اب

نے سے خیالات و مضمون سے بدلتی جا رہی ہے۔ ہر

دیکھنے شاعری کے لئے سوز ہی ہوتا ہے۔ شعور کے

لئے سوز کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے کہ انتخاب و مضمون

کا تبدیلہ کرنے سے اکثر صاف رہے ہیں اور اس طرح

دایہ و قابی سے گزرنے اور دھڑکے سے لکھنے ہر

انتخاب و مضمون پر کچھ ذاتی سکون اور شعور کا قلم دکھا جائے

تو سوز نہ رہے۔ واقعہ کے ساتھ شعور میں اسے لکھ

ہے۔ تعلق کی شاعری اس ذاتی سکون اور شعور کا نتیجہ

ہے اور یہی وہ ہے کہ دایہ و قابی کی پڑتی اور

اختراہ اس کے یہاں شعور سے آخر تک قائم ہے۔

دایہ و قابی کا اہمیت سے واقف ہے۔ اس کے کاثر

بلند سے آگاہ ہے۔ کیا وہ ہے کہ اس کے کام میں

مواظقت باقی ہوتی ہے اور اس مواظقت کے سبب

اس کی شاعری سماجی کے شرائط ہوتی ہے۔ اس

کے شعور و مضمون میں اس نے اپنے انداز اور حزم قریب

سے عبارت ہوتے ہیں۔

ترقی پسند شعرا کا ایک دھڑکاں ہے کہ وہ انداز

کے مضمون دل کر ان کو دوسرے مضمون میں یا مختلف

استعمال کرتے ہیں اور اس طرح ان کو مصرعے سمجھ

ہے مضمون ہو جاتے ہیں۔ قواعد کی پابندی زبان کے

انتظامی اور میں مشکل ہو گئی ہے۔ لیکن جب وہ کسی

پرس و پس و پیش کے صاف شعری ہو جاتی ہے تو صریح

انتظام کا کوئی قصور اور بری مضمون ہوتی ہیں اور انہوں

ہے اور لکھتی ہیں۔ ترقی پسند شعروں کو قصور کا پابند ہیں کا

اختراہ کے بغیر انداز مختلف مضمون میں استعمال کرتے

ہیں اور اس طرح ایک بار پھر زبان کے انتظامی اور

میں جدا دھڑکے ہوتے ہیں۔ سمجھ کر اسے نہیں ہے اختراہ

فائدہ کسی صورت سے ہوا نہیں۔ اگر انداز اپنے مضمون

دہ دہنے دے تو اس نجات کی دہ سے یہ نکالیں اور

طریقہ بہت صاف بہت اور گاہوں چاہ اور صحت "جو

اس وقت عدلیہ زبان میں موجود ہے۔ وقت رفتہ زائل ہو جائیگی۔ نہ اس عمل کو سیکھتے اور نہ زبان کا یہ لہجہ کبھی کبھی کے کی۔ ترقی پسند لوگ کا یہ دھوکا کہ زبان اور عقیدت دونوں کے لئے خطرہ ایک ہے۔

بے شعور اور نادانہ قافیہ کا احترام کریں یا نہ کریں لیکن ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ الفاظ کے معنی کے بارے میں کچھ کچھ استعمال کریں تاکہ لغت میں درست کام نہ رہے۔ اس بات میں ترقی ہوا زبان مکمل اور صرفہ وافر پائے بغیر کچھ کچھ کڑا قافیہ اصول جتنی

کر سکیں اور یہ کبھی عقل کام بھی نہیں کر سکیں گے۔ کچھ دقت و دکار ہو لکھنا و سامانہ کافی ہو سکتا ہے۔ فنی کی شاعری بھی ان الفاظ سے پاک نہیں ہے۔ زبان و لغت کی لطیفیات۔ الفاظ و تراکیب کا بے استعمال اس کے بے اس کو کرتا ہے۔ ہم چند خطبات

پیش کرتے ہیں۔  
”مغایہ چارچ کا لاکڑا“۔ ”غایہ کے ساتھ “لاکڑا“ کا استعمال بالکل بدم ہے معنی ہے۔ اگر چارچ کا لکھنا ہوتا تو بھی غایہ کے ساتھ لاکڑا کا استعمال درست نہیں۔

”واہی بھیرے گھوڑے“۔ ”واہی بھیرا“ یا ”واہی لہر ہے۔ اور میں واہی کرتا یا واہی دیا مستقبل ہے۔ ”واہی بھیرا“ یا ”واہی“۔

فنی کا ایک مصرعہ ہے۔ ”چراغ کا کام پان لوگوں کی عقل کا ہیں۔“ عقل کھنچا جائے تو باخبر عقل کا ہیں۔ عقل کا ہیں باطل نلہ ہے۔

”بادو دلا“۔ ”غصہ و غلہ کے میں مطافی نہیں ہے۔“ ”پڑا نا“ یا ”پڑا نا“۔

”مطرواں حق“۔ ”حق کے ساتھ“۔ ”مضت مطرواں“ کا استعمال غصہ کے خلاف ہے۔

ایک جگہ فنی نے ”سوہم ہی دران“ استعمال کیا ہے جبکہ ”سوہم“ دران ”دوست ہے۔

دیں فنی کی فزوں۔ ”دوہم ہی اصل“۔ ”دوہم“ یا ”دوہم“۔ ان میں گہرے سے گہرے خیال کو سادہ الفاظ میں اس طرح سودا کیا ہے کہ چھوٹے کچھ غیر معمولی چٹکارے ہو گئے ہیں۔ مثالی اور گہرائی اس کی فزوں کا عام جوہر ہے۔ تحریر کی فزوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سیدھے سادے الفاظ اور سادہ جملوں میں مختصر جملہ جاتا ہے فنی اس خصوصیت میں ہم سے قریب ہے۔ میرے ایک مہتمم کا تھا۔

بات میری ہے کہ غلام پند  
میں نے غفلت غلام سے ہے  
فنی کی فزوں میں ایسی خوبصورتی کی آئینہ دیتی ہے ان کے خیالات میں توفیق کی ہوتی ہے اور نہ بھلائی اور نہ بھلائی نہ ہم سوز اس کے شعرا میں ہر جگہ سنگت نظر آتا ہے۔

دل کا ہر چار لڑائی جیم  
ہاں کا ہر رشتہ وقت سوز و گداز  
وہ شعور اور عقل ہیں۔

میری قسمت سے کھیلے والے  
مجھ کو قسمت سے بے خبر کر دے  
میر ہے آج اور دل سانی  
گئی۔ سے کو میر کو دے  
کچھ کچھ سوز و غم کا مینی کی بھی تھکتی ہے۔

فنی شکیل آرزو معلوم  
ہو گئے تو چٹائی ہر کر دے

انجلی مقدس کی اس مائیکروسکوپ سے کون  
اٹار کر سکتا ہے کہ یہ آفتاب کئی بات ٹپکھا ہے۔

قرآن اور کی صفت میر حریف ہے اور اس قدر صریح  
بہ ذات و عادات اس میں بندہ بچے ہیں کہ کب کوئی

یا خیال ہی ہائی نہیں رہا۔ خیال چٹکارے وادہات کھلے  
کے اٹھار کا نام ہے اس لئے انسان ایک بات ایک

یاد کی زندگی صورت سے ضرور چھوٹی کرتا ہے۔

فنی کی فزوں میں بھی چارہ ہوتا۔ ہر طرف۔  
بے رشتی۔ آرزو۔ بہار۔ خواہش۔ دوست و گہرائی۔  
دینے و ترسہ ہمارے۔ بادل۔ گہرا۔ دل کی خانہ بدلی۔  
عقل۔ دہوں۔ جوہر۔ جملہ۔ جملہ۔ جملہ۔ جملہ۔ جملہ۔  
ہیں۔ اور خیالات بھی قریب قریب وہی ہیں۔ لیکن  
فنی کے اسلوب بیان نے ان میں ایک تازگی اور  
تفصیلی ہے کہ اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے۔  
فنی کے اسلوب بیان میں ایک ایسا ہوا ہے جس  
سے اس کی افکار و خیالات اور پائے گئے ہیں۔ فنی  
کا ایک شعر ہے۔

میری غامضوں میں لڑاں ہے  
میرے ہاں کی گمشدہ آواز

شعریات اور حساب الفاظ کی نرم و شیریں مسم  
آج بھی قابل قریب ہے۔ مسلسل ہاں کے بعد ایک

ایسے دو کا گزرتا گزرتا ہے کہ خاموشی کا ہم جوہر  
ماری ہو جاتی ہے۔ خاموشی اس بات کی دلیل نہیں  
ہوتی کہ میرا دل بے ہوش ہو گیا ہے۔ خاموشی اس بات کی دلیل نہیں  
ہو اس بات کی ہے بلکہ یہ خاموشی اور دل کی خاموشی  
اظہار کی ایک علامت ہے۔ ”میرا دل بے ہوش“۔

شعر ہے۔  
محبت میں ایک ایسا وقت بھی دل پر گذرتا ہے  
کہ اس وقت کو جانتے ہیں چھائی نہیں جانتی

آسمان کی فنی یا فزوں کی خاموشی ایسی نہ  
جانتے دلی لطیفی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ”گمشدہ

آواز کی باجیت“۔ ”غامضوں میں لڑاں“ کی  
شعریات قابل قریب ہے۔

حسرت کی بے شادی کی فنی کا شعر ہے۔  
نیری دلچسپی کی اجا معلوم

حسرتوں کا مری جو نہیں  
حسرتوں کا جوہر ہو سکتا ہے لیکن دلچسپی کی اجا

معلوم ہوا بہت مشکل ہے۔ لیکن اس کے برعکس فنی

کی طاقت دیکھنے پر فطرت کا نام سبب ہے۔  
چارہ ساز کے منت کئی نہ ہونے پر غالب کا  
مشہور شعر ہے۔

درد مصد کئی دوا نہ ہوا  
میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا  
فیض کا ہے۔

منت چارہ ساز کون کرے  
درد سبب جان نواز ہو جائے

گورابہ و فطرت کے اشتداد و نصف و تقاضی میں  
تلفیق ہیں انہیں مضمون کے لحاظ سے ایک دوسرے  
سے بہت قریب ہیں۔ غالب اپنے اچھا نہ ہونے پر  
خوش ہے اس لئے کہ اسے درد اور چارہ ساز کا منت کئی  
نہ ہوا چارہ فطرت درد کی جان نوازی پر خوش ہے کیونکہ  
درد کا عظیم ہونا ہی جان نوازی کا باعث ہوتا ہے۔  
غالب کا شعر ایک لکڑی کی خود رومی کی مثال ہے جو  
ماہوی اور بھری کے بعد بھڑک اٹھتی ہے اور فطرت کا شعر  
زندگی سے بے نیاز ہو کر جسم کی تپلی فطرت سے بے خبر  
ہو جائے گا آئندہ وار ہے۔ درد کی احتجاجی جان نوازی  
میں جاتی ہے اور اس کے بعد ایک الہام ہے چارہ  
بہار ہو جاتی ہے۔ اس شعر کے مصوم چہرہ قابل غور  
ہیں۔

ایک شعر ہے۔

فریب آلود کی سبب انگاری نہیں جانی

مہ اپنے دل کی جزا کی کوڑی کوڑا کا مجھے  
محبوب کی آمد کا انتہا ہے۔ یہ چارہ گرد و پیش کی  
برائے فراموش ہو چکی ہے۔ صرف اسی دیکھ پر نظر  
ہے جس سے محبوب کے آنے کی توقع ہے طبعاً طبعاً  
کے قریب خود خواستہ آ رہے ہیں۔ توڑی ہی دوسرے  
کے لئے دل بکلی ہوتا ہے۔ لیکن جب ناکامی مسلسل  
و قرار دیتی ہے تو اضطراب اور زیادہ ہو جاتا ہے اور  
جزا کی چیز سے بیزار ہو کر کے چیز تو ہونے کا سبب

فریب کے نہ آنے کا خیال تھا لیکن قریب آلود  
دیکھنے کی اس جزا کی محراب کی آواز کا بھابھا گیا۔  
فطرت کی انگاری نے شعر میں اور جان نواز دی ہے  
الہام ہیں اور خود فراموشی کی اس سے بیزار فطرت  
کے حکم میں تیار ہے۔ یہ شعر کی فطرت کا بھریج  
شعر چارہ کیا ہو سکتا ہے۔

ماضی کو محبوب سے گنا نہیں دیتا۔ دیکھو اس کا  
سبب یہ فطرت ہے کہ سب کچھ کی باتیں ہیں، ہر کوئی  
نہ کہا ہوا اور دیکھنے کے متعلق انہیں کی وجہ سے گنا نہیں  
کرتے۔ مگر فطرت کا فطرت ہی دیکھتے۔

تیری چشم اتم نواز کی تیرے

دل میں کوئی گنا نہیں پاتی

چشم اتم نوازی دیکھ بہ قابل غور ہے۔ اس کی  
عدوت سے کون انگار کر سکتا ہے۔ اس کا گنا نہ کرنے  
میں بھی فطرت کا یہ طرح ہوتا ہے۔ لگی میں اٹھتے کا  
یہ دیکھنا شعر کی خصوصیات میں بہت جگہ ہے۔  
اس کا ایک شعر ہے۔

ایک فرصت گاہ فی وہ بھی چار دن

دیکھے ہیں ہم نے عرصے پروردگار کے

فرصت گاہ دیکھ میں مل سکتی ہے۔ دوسری دنیا

میں اس کا جو توجہ دیا کرتے تھے وہ اس لئے گناہ

کے باعث ہے کہ وہ دولت دیکھ رہا تھا کہ خوب دل کو مل

کر گناہ کئے ہاتھ اور حوصلہ پروردگار کی فراخ دلی کی

دلاویز جا سکتی۔ چار دن کہنا کسی قدر فصیح ہے۔ اور

۔ دیکھے ہیں ہم نے عرصے پروردگار کے۔ گناہ

جس میں لگی اور طرک کا پہلو ہے۔ طاقت کے میں مطابق

ہے۔ اگر اس کو دوسرے طریقہ سے کہا جاتا تو شعر نئے

والے لگتا ہوتا۔ ہندی کا اس اس لئے لکھ کر فطرت اس

نرم لہو کی گولیاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور لگی

دوسرا پہلو اختیار کر لیں گے۔

فیض کا ایک شعر ہے جس میں اس لئے "دیکھو"

قافیہ اور اس میں ہے "دیکھو"۔ یعنی ہے۔

لیکن مجھے عرصے دل کا طرے بندگی

دب کریم ہے تو تری دیکھو میں ہے

دل کا طرے جو پہلے بندگی کے نام تک سے

گر چہ اس خاصے تیری دیکھو کے عجم ہوا سے بندگی کا

اساس ہوا اور جہاں سے بندگی کا پیدا اور آخری سستی

بیکھلے اگر تیری دیکھو میں نہ پہلا ہوتا تو دل کا طرے کا طرے

ہو رہا تھا۔ اس کے معلوم ہوا کہ دب کریم تیری دیکھو

میں رہتا ہے۔ کیونکہ بندگی کا شوق اس میں ہو جاتا اس

بات کی دلیل ہے۔ شعر کی یاد کی اور رندیت قابل غور

ہے۔ خاص طور پر "جان" سے تعلق اور شگفتگی اور لگی

ہے۔ اسی اور الہام قافیہ میں بیکھرو ہوا بندگی کا شعر ہے۔

دیکھا تھا میں کہ درد فطرت میں جہاں کا کہیں

دیکھا تو ہر مقام تیری دیکھو میں ہے

فیض کا شعر "ماہوی پہلو" (دور تری پرندہ اوپ کا

خصوصی تعلق ہے۔ اپنے اپنے میں پہلو ہونے سے ہے

اور دب کریم کو اس شعر میں نوازی حیثیت حاصل

ہے۔ وہ عارف اس کے بیکر کے شعر میں منتی پہلو ہے

لہذا ہی ہے۔ وہ ان کے شعرا میں معنی فعل ہو گیا

ہے۔ لیکن شعرا کی جگہ ہے لیکن خاص طور طاقت اور

گناہت جو فطرت کے شعر میں ہے۔ وہ بیکر کے شعر میں

کیا ہے کیونکہ "ماہوی" طاقت سے زیادہ لطف انگیز

ہوتا ہے۔ فطرت کو کہتا ہے۔

ہر طاقت ہزار ہو جائے

کاروں کی لڑا ہو جائے

دل کا شعر ہے۔

انسان میں لگی تو پہلو نظر آتا ہے

ہے کسی میں تو دوسروں پر ہر ایک لگی نہیں

فیض کا شعر ہے۔

نہ جانے کسی لئے امیدوار پہنچا ہوں

اک لکڑی داہ ہے تیری دیکھو لگی نہیں



دارا کا شعر معنوی اور حقیقی حیثیت سے قریب  
ہند ہے مگر "تیری رنگدہی میں" کے ساتھ قریب  
برتا۔ "کہ جانے کس لئے" شاعرانہ لفظوں اور  
احساس کی دلچسپیاں میں بلا کا اضافہ کر رہا ہے اور عقل  
کے شعریہ جذبہ کو رد کرنے کا طوطہ چاہتی ہے۔

غزل کے اشعار کی ایک خصوصی خصوصیت یہ  
ہمیشہ کہ شعروں میں استعمال شدہ لفظ میں زیادہ  
ہند ہوں، اس سے شعریہ تھیں بے باور ہوتا ہے اور  
شعروں کی اور قربانی کے دم سے کر جاتا ہے۔ اس  
لئے اصل منتقل کا شعریہ قریب سمجھا جاتا ہے۔ مراد  
عبدالرحمن بخاری نے کائنات کی کتاب (Critique  
of Practica Reason) سے حوالہ دیتے

ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ بہت سے اشعار اپنے ہوتے  
ہیں جن میں اگر کوئی ہوتا ہے۔ وہ پہلوؤں کی طرح  
اپنے معنی میں جہاں کرتے لکھا جاتی تھیں سے مشابہ  
ہاں کا سرور کرتے ہیں۔ اگر ان کے تکرار کرنے اور ان  
کے حساب و برابرت کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ  
کوشش ایسی ہی ہوگی جس طرح کوئی شخص پہلوں کی  
لوٹیکو ہانے کی غرض سے ان کے ہڈ کو توڑ کر ٹکڑے  
کر دے۔ عقل کے اشعار اس معیار پر اسے کرتے  
ہیں۔ چند الفاظ ہوں۔

ہو چکا عشق لب ہوں ہی کسی  
کیا کریں لڑائی ہے اوسے لہار  
اپنی خمیل کر رہا ہوں میں  
دہت تھ سے تو کھ کو چار ٹھنڈا  
عشق دل میں رہے تو رہا ہو  
لب پہ آنے تو مار ہو جائے  
مرے سے سو کٹ رہی ہے عقل  
کاش اٹھانے مار ہو جائے  
اک ڈی دیکھ چھ گئی مجھ سے  
دہت رہا میں کیا نہیں پائی

ہم نیکوں ذرا دھڑ کر دے  
دست قدم کس کے بے اثر کر دے  
یہ وہ خصوصیت ہے جو اسے ذوقی ہند غزل کو  
شعرا میں سب سے نمایاں اور ممتاز خصوصیت بنانے کے  
کافی ہے۔

عقل کی غزلیں ہوتی تو ہیں وہاں ہمارا حشری۔  
اور وہ ہاتھ لگتی ہی کہتا ہے کہ ایک شلٹ کے کس  
لوہے پر مار دلا دے کاش کے ہوتے ہیں گھر اس کی  
اس میں ہی سادگی باتوں میں وہ ناگہر حقیقت اور  
دستیں پھیل جاتی ہیں کہ بے اختیار دھڑکے کوئی  
چاہتا ہے۔

ساری دلیا سے اور ہو جانے  
تو ذرا تیرے پاس ہو بیٹھے  
نہ گئی میری ہے ذوق نہ گئی  
ہم تری آواز بھی کھو بیٹھے  
راز اہل چھپا کے دیکھ لیا  
دل بہت کچھ جتا کے دیکھ لیا  
اور کیا دیکھنے کو باقی ہے  
آپ سے دل لگا کے دیکھ لیا  
ایک خاص بات اور۔ عقل کی دوسرے اور

کی غزلیں میں زندگی سے قربت کا احساس ہونے لگا  
ہے اور وہ سبب غلام کی طرف متوجہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ  
محبوب پر غم دار کا دعائی آجاتے ہیں اور اس کا جواب

اور محبوب کی یاد سے ہند ہند دل کے دکھ میں دھڑکی  
نظر آتی ہے۔

دلنا نے تیری یاد سے چاند کر دیا  
تھ سے بھی دلربا ہی غم روزگار کے  
عقل کی غزلیں، بچا کر کھچے کہ خیال ہوتا ہے کہ  
ابھی غزل میں زخم دے کر کے کہتے اور صلاحیت موجود  
ہے۔

عقرا عقل کی خاموشی نے جہاں ہی خاموشی  
میں ایک نے سکون کی قیود کو کہیں دھڑکے غمروں  
ہے۔ اور اس میں خاموشی کے ہند ہند دکھوں سے بھی  
دلوں کیا ہے۔ وہ تو جہاں جہاں خاموشی کے غم پر کھڑا  
ہے۔ عقل جانتا ہے کہ شاعرانہ ایک خاص دلیا ہوتا  
ہے اور نہ عقلی۔ مگر خاموشی زندگی کے لہار اور محسوس  
ضرور کرتا ہے لیکن جانے اس کے کہ وہ حق خدا کو  
مطلق کے اختراعی استدلال سے مل کر رہے اسے  
قوت تھیں اور شعریہ کے ذریعے نے کرتا ہے۔ چونکہ  
یہ ایک ذریعہ ہے کہ جس کے واسطے سے خاموشی زندگی  
کے جذبات کو بچا کر دے کہتا ہے۔ عقل اسی قسم کا  
خاموش ہے۔ وہ اپنی ہر جہ سے قطع نظر خاموشی کا  
زیادہ خصوصیت دیتا ہے۔ کاش عقل اس بات کی صداقت  
کو کھلم کھلا کر سمجھ

عقل ہوتا رہے جو ہوتا ہے  
شعر سمجھ رہا کہ بیٹھے  
☆☆☆☆

جس خاک میں مل کر خاک ہوئے صبر، ختم خلقی  
جس خاک پر ہم نے غم بھرا۔ عجب گلی حجاز کی

## زیتون اور سنگ مرمر

[illegible]

تک چہ مجھے ان کے قوسوں میں اپنے لیے جس لفظ  
آقا قوام میں سے ان سے بہت دیکھ سکا ہے اور ان  
کے کھانے اور کھانے کے اخراجات بھی بہت ہند کیا  
ہے۔ بہت عرصے کی بات ہے کہ آٹھ پانچ تک اردو  
میں شاعری کرنے کا ماحول سازگار نہ تھا۔ بہت کوشش کی  
بہت زور لگایا مگر ایک کے بعد دوسرا سرسبز نہ ہو سکا۔  
بالکل صاف کے پاس گیا اور اپنی تکلیف جان کی۔  
انہوں نے آج چھ "تم خواب کس زبان میں دیکھتے  
ہو" میں نے بتایا کہ "پہلی میں" انہوں نے کہا  
شاعری بھی اسی زبان میں ہوتی ہے جس میں خواب  
دیکھتے ہوں گے۔ بچے گلابی دلی جانے دوسرے دلوں  
کے بچے نے والے کا بھی۔"

اس کے بعد میں نے اردو میں شاعری کرنے کا فیصلہ دل سے نکال دیا اور یہ شوقی طور پر لوگوں کے غامضوں کے حکام کو اوروں کے تخیل سے بڑھ کر اپنے پورا کرنا شروع کیا جس سلسلے میں بعض اور فنکار نے مجھے خوبصورت مثال اور ہدایتی عالم نصرت خورشید فراز اور یاسین یاساس کی بہت سی کتابیں اردو میں ترجمہ کرنے کے لئے دیں اور بہت سی ایسی کتابیں بھی بہت سے اچھے سمجھیں اور خاص طور پر قاضی کوثر کی عربی زبان کی تحفوں کا ترجمہ کروں تو ان کے اس انگریزی ترجمے پر ہنسا کروں جو کہ عرب محرمین نے کیا تھا جو تو کئی انگریزوں اور امریکیوں کے لئے عربی شاعری کا ترجمہ مشکل اور محنت کا کام بھی ہے۔ انگریزی میں

میں یہ نہیں چاہتا کہ انھوں نے شاعری کیا ہوگی۔  
 ہے۔ حرافی شاعری کے کیا تھے ہیں، حرافی  
 شاعری کے کیا لوازمات اور ضروریات شاعری کی کیا  
 ضروریات ہیں، وہ انہی شاعری کو کہنے کی کوئی  
 کوئی ہے اور انھیں شاعری کو جاننے کے کوئی سے  
 جاننے ہیں مگر، حاضرہ، چنانچہ ان شاعری کو شاعری  
 ہونا چاہئے۔ وہ شاعری ہوگی تو ہند کی جانے گی اور  
 ہر اقسام کے خالوں میں پائی جانے گی یا قدرہ  
 حسرت کی انداز میں چکر اور تمام حاصل کرے گی۔  
 چنانچہ کسی شاعر کی بیانیہ اور اصل بیانیہ اس کی  
 شاعری ہوتی ہے۔ یعنی عوام، حق، انصاف، انصاف،  
 چنانچہ "انصاف" کے لیے ہونا چاہئے اور حق، انصاف،  
 سب لوگوں سے ہرے ذاتی تعلقات اور میں قائم  
 ہوئے ان کے انصاف ان سے پہلے چھٹک پیچھے اور  
 بھیجنا تک لے گئے۔ صرف ایک شریک کہہ سکتا ہیں  
 کہ یہ میرے ہاں ہے ان کے لیے ہے۔ اپنی شاعری  
 سے پہلے میرے رشتے میں آئے یا میرے ہاں ہاں  
 تمام ہر شے کے میں کی گویا ہر شے کے چھٹک اور  
 شاعر ہیں اور چاہے وہ ہے کہ کوئی شاعر ہونا  
 ہے یا نہیں ہونا، ایک نظم کہ کوئی شاعر میں سکتا ہے اور  
 ہر شے مجھے شاعر کے کہہ سکتا ہے شاعر میں چاہے  
 یا نہ ہو اور یہی ہے کہ میں شاعر نہیں ہوں چاہے۔

میں فیض احمد فیض سے ملنے کا ارادہ بھی کر  
سکتا ہوں۔ یہاں سے میرا مقصد ہے کہ جہاں جہاں میں بھی

ہاں میں تو ملی ہوئے لگے ہیں۔ جڑوں کی جڑیں  
 ہمارے پڑ پڑنے سے سمیت ہندو غصوں کے ہر ایک خاص  
 قسم کا مصالحتیہ دھڑکاؤ جس سے حریف نقصان پہنچا  
 کہ ان غصوں کے چھروں کا سامنا کیا مشکل ہو گیا  
 اور نوٹ لگے، ہم تو نے لگے۔ چنانچہ یہ مصالحتیہ  
 دیا گیا۔ اب اصل بات کی طرف آتے ہیں، جڑ کی جڑیں  
 دھاس نے اپنی قلم سرائی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ  
 دھان کی جڑیں جتنی باریک اور نرم و نازک ہوتی ہیں  
 کہ پھر غصوں لڑنے سے تنگ سرسری رنگوں میں آتے  
 جاتی ہیں اور وہاں سے اپنی غوراک بھی حاصل کر لیتی  
 ہیں۔ جانتے کی کسی اور قسم کی جڑیں جتنی باریک اور نرم  
 و نازک نہیں ہوتیں کہ چھنے کے پتھر کا زبردست چاٹ کر  
 اپنی زندگی برقرار رکھیں۔ جلی دھاس اپنی اس قلم  
 میں جڑوں کے انتھائیوں کی بات کر رہا ہے کہ انتھائی  
 نظریات کو عام کے دل و دماغ میں دینے ہی آتا  
 چاہیے جسے تنگ سرسری رنگوں میں انتھائی کی جڑیں  
 آتی ہیں۔ یہی انتھائی ترکیب کا لفظ ہوتا ہے۔

میں نے کہا، جلی صاحب یہ جڑیں دھانک بات  
 ہے انتھائی کیسے ہوگی انہیں نے کہا، تمہیں کس نے بتایا  
 کہ دھاس انتھاب نہیں دیتا انتھاب کا دھاس سے کوئی  
 تعلق نہیں دھاس دھان کی بڑ کی ایک ہیڈ ہے عشق  
 کے لیے کہہ بھی نہیں سکتا سمیت انتھائی زندگی کا سب سے  
 بڑا اور سب سے بڑا حصہ ہے۔

میں نے کہا، "جلی صاحب! آپ مجھے اس  
 وقت چاہا تمہیں چھری دے تھے" جلی صاحب کھڑ  
 ہوا، بلکہ جیٹر اداقت میری پینتیری کی "تنگ پانی"  
 برداشت کر لیا کرتے تھے انہیں نے جیت سے پچھا  
 "چاہا تمہیں چھری ماروں صاحب میں؟" میں نے  
 بتایا کہ "چاہا تمہیں قیام پاکستان سے پہلے کسی سرسری  
 میں کام کرتے تھے اور پھر کے ساتھ کسی غلی طرف قری  
 نہ تھی تو کھڑا کر کے اس کے چادر طرف چھریوں

کی" آؤ آؤ آؤ! جانے کمال کمال کرتے تھے مگر  
 عشق کے چھوٹے چھوٹے دھانوں سے محروم ہو گئے اور پھر  
 مڑی میں "تو گزرتے" کی قبر کے قریب ایک جنگ میں  
 رہنے لگے اور وہیں ایک دھان کی غلی بھل کی طرح  
 لڑا جھک کر گرتے ہوئے تھے۔

جلی صاحب نے پچھا "مجھے اس کے ساتھ  
 کیوں مار رہے ہو بھائی؟" میں نے بتایا کہ "چاہا  
 تمہیں چھری مار کا یہ لطف بلکہ زندگی کا مشورہ تھا کہ  
 عشق اور محبت کے بغیر انتھائی زندگی ناقص بھی نہیں  
 بن سکتی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر وہاں ملک کے تحریک  
 ہوں تو تمام سکول" کاٹی" اور ہندوستان اور میڈیکل  
 کارپوریشنیں بند کر دیں اور لوگوں سے کہیں کہہ دیجئے  
 میں محبت کر رہی ہوں ایک آدھ میں محبت کریں گے اور اپنے  
 ہاں سوار کے رنگوں کے "اپنے کپڑے پہنیں گے"  
 گندہ کی نہیں پہنا سکیں گے محبت کے حق حاصل کر رہی  
 کے۔ پچھلے پہلے سے زیادہ پیٹنے ہو جائیں گے، انہیں  
 پہلے سے زیادہ پیٹنے لگیں گی، گندہ کے نشہ اور  
 تنگی کی پچھلاں پہلے سے جڑی ہو جائیں گی۔ دھوب  
 غلطی اور چھوٹا گرم ہو جائے گی اور مارے  
 اور جڑے دھان ہو جائیں گے۔"

جلی صاحب نے پچھنے ہوئے کہا "میں چاہا  
 تمہیں چھری دے سے عمل انتھائی کرتا ہوں۔"  
 جلی صاحب کی زندگی کی اہلی تحریکات میں  
 سے ایک قریب پاک، بی باس میں مشغول ہو گئی تھی  
 جہاں میں نے ان کی صداقت میں تمام کے ٹائٹل اور  
 تہن کی چند ٹھوس کے اور دھڑے جانے تھے۔ ان  
 ٹھوس کی تصویر کرتے ہوئے کسی صاحب نے کہا کہ  
 معلوم نہیں کیوں خوب ہوئی نے اور تہن کی ایک ٹھوس  
 کا قریب قریب کیا ہے جو اپنے اندر جڑیں دھان لے  
 رہے ہیں جب کہ انتھائی غلامی میں آسمان میں  
 جاتے جاتے محبت اور جیت سے دھان لے دلی باتیں کی

ہوتی ہیں۔ جلی صاحب نے اپنے سداوتی جائزات  
 میں اس پہلی کی جگہ کی کہ انتھائی غلامی میں آسمان میں  
 بہانے جاتے انہیں نے کہا کہ "آسمان بہا اور جڑیں و  
 غلی کی جڑیں کرنا کوئی غیر انتھائی عمل نہیں ہے جس  
 لوگوں کی آنکھوں میں آسمان ہوتے ہیں ان کے سر  
 میں دھان تار اور دھان میں جڑ بات بھی ہوتے ہیں۔  
 انتھائی دھان تار اور جڑ بات بھی غیر انتھائی نہیں ہو سکتے  
 اور جو غیر انتھائی نہیں ہو سکتا انتھائی ہوتا ہے۔"

اس تحریک کے آخر میں جانے پچھنے کے  
 دوران قریب میں شریک ہونے والے اصل  
 فوجیوں نے جلی صاحب کی گھیر لیا اور دھانک بات کی کہ  
 ملک میں کوئی ایسی سیاسی ترکیب نہیں ہے جو کہ جڑیں بہن  
 نظریات اور دھانک بات کے ذریعے ہم فوجیوں  
 کو کوئی نہیں بتا کر ہم کیا کریں؟ زندگی کی بے  
 مقصدیت سے بچا ہونے والے دھان میں جھگے  
 والے ہم فوجیوں کی دھان کرنا کوئی نہیں  
 ہے آپ بتائیں ہم کیا کریں؟

جلی صاحب نے کہا "سمیت کرنا"  
 تمام فوجی جڑیں ہونے سمیت کریں؟  
 محبت کرنے سے کیا ہوگا؟"

جلی صاحب نے کہا "سمیت کرنے سے  
 جہاد سے خیال اور جہاد میں سوجان میں مل جائے گا۔  
 ہمیں زندگی انہیں لگے گی زندگی کی قدر ہوگی۔ بے  
 مقصدیت کے خلاف اور ہو جائیں گے ان کی جگہ  
 مقصدیت لے لگی، زندگی کی بہت سی آکٹاں اور  
 برائوں سے بچا جاتا ہے۔ بہت سی خوبیوں اور  
 اچانکوں کو لگے لگاتے ہیں، یاد رکھو کہ محبت کا بھی ایک  
 انتھائی عمل ہے انتھائی زندگی کا بھر پور عمل ہے۔  
 مجھے یوں لگا جیسے دھان کی جڑیں تنگ سرسری  
 رنگوں میں داخل ہو رہی ہیں۔

☆☆☆

## فیض کی شاعری، چند تاثرات

”دو شعراء غلط ہیں۔“

قافی کہتے ہیں

فیصل لکھ آئی یا باہل آئی، کیوں دو زعمیں مٹکلا ہے  
کیا کوئی دغلی اور آہنچا، یا کوئی قہدی جھوٹ کیا۔  
اور فیض۔

مجھا جو مدہائی زعمیں تو دل پہ کھیا ہے

کہ تیری، مانگ حصاروں سے بھر گئی ہوگی  
ان دو اہنچائی خواہشات شعروں کی قدرد  
منزلت صمیم کرنا یہیں قصور، انھیں بلکہ ان کے تقاضی  
باز سے سے بغل کی شاعری کے صفحہ پہلوں کو کھینچے  
کی توفیق کرنا ہے۔ قافی کا شعر قول سے ہے جب  
کہ فیض کا شعراں کی مشہور ”نثار میں جبری گیلوں  
کے“ سے ہے۔ اس لحاظ سے ان کا تقاض کرنا  
ثابہ مناسب نہ ہو لیکن جن جہوں میں تقاض کرنا  
مقصود ہے، وہاں شاید اس کی گنجائش ہے۔

قافی کے ہاں جذبات کھینچے سے فیصل لکھ اور  
اہل آئے کے اسکا کثرت یکساں طور پر پیدا ہے جس  
لیکن ان سے پیدا ہونے والے نثری بانگ بظاہر ایک ہی  
سہ سے سفر کرتے نظر آتے ہیں۔

دشمن لڑو کی شعور یا مدہائی سے گزرا جانے  
کی منزل سے اور اس لحاظ سے شعور کی صورت۔ قہدی  
جھوٹ جانے جب زعمیں سے اور یہاں زعمیں جنس  
کے صفحہ میں ہے تو وہ اصل کی نقالی ہے۔ وہاں کا  
مطلب ایک ہی ہے قہدی جھوٹ و دغلی اصل میں مدہائی

ایک ہیں۔

فیض کے ہاں دو زعمیں جنس کھنڈ، روزانہ

زعمیں کی بات ہے اور وہ بھی روزانہ زعمیں کے بجائے  
کی لیکن شاعر کو گمانی ہوتا ہے کہ اس کے محبوب کی  
مانگ حصاروں سے بھر گئی ہوگی۔ قافی اور فیض دونوں  
آزادی سے پیدا ہونے والی صورت حال کا ذکر کر رہے  
ہیں ایک اور زعمیں کے کھینچے سے قافی نثری انداز کر رہا  
ہے اور دوسرا روزانہ زعمیں کے بجائے شہت نثری۔

فیض نے تو اپنے شعر میں سیدھے سیدھے مدہائی  
کو محبوب خطا ہے، لیکن اس کے حجاز سے اور تقاض  
جہاں قول کا ہے لایہ شعور قول میں لگتی ہو سکتا تھا اس  
کے باوجود روزانہ زعمیں کے بجائے محبوب کی مانگ اور  
بھر اس میں حصاروں کی اظہار کی بات قول کے  
مدہائی لکھ سے اہل مختلف ہے۔

اور اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ پیدا شعر فیض  
کا ہے اور دوسرا قافی کا تو آپ اس کو اور شاعری کی  
مدہائی اور دونوں شاعروں کے حجاز سے ناواقف  
کرادیں گے۔

فیض کے اوپر پڑے شعر میں تو محبوب دہن سے

قصور میں کر دیا گیا ہے لیکن یہ شعر بلا مطلب  
اور جس پہ اندھیرے کی برکت تھی ہے  
تو فیض دل میں حجاز سے اڑنے جتے ہیں  
یہ شعر خالصتا قول کا ہے لیکن اس کے مقصود کی  
جہت لکھ حصاروں سے بھری جانے والی مانگ والے

شعری ہے۔

قول کی مدہائی سے کیا ہے قافی کو جیت  
رکھتے ہیں۔ سچی جہ ہے کہ قول کے شعروں کو مقاصد  
کی ایک سے زیادہ سطحوں پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسے  
قول کی کردہی لکھی کہا جاتا ہے اور اس کی توانائی کی  
نقائی لکھی۔

لیکن یہ کیا جہ ہے کہ فیض کے اس شعر سے  
دہن لکھ کے اس مقصود کی طرف کم تر جاتا ہے جو  
مدہائی مدہائی قول کا ہے جہ شاید اس کے لیے فیض  
کے ہاں جس کدے کے ساتھ ہی دل میں حصاروں  
کے ڈھکڑا لے گا کر کہا جاتا ہے قہدی قافی سے پیدا  
ہونے والی تو خفا سے اہل مختلف ہے۔ قافی کے  
شعر میں مدہائی قول کے تمام حجاز سے ایک نامہائی  
دست کو تشکیل دے رہے ہیں۔ وہ جس کی دنیا ہے اور  
اس میں دغلی بھی ہیں اور قہدی بھی فیصل لکھ لگتی ہیں  
اور اصل بھی اس لئے دہن سب سے پہلے اسے دہائی  
طرف جاتا ہے اور پھر اس سے اس کے قہدی مقصود کی  
طرف جہاں قافی کا یہ شعراں کے زندگی کی طرف قافی  
رہنے کی ایک قصور دستاں بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس ”دہن“ نامے شعر میں ایک ہی  
کائنات پیدا ہوتی ہے جس میں جس ہے اور جو دہائی  
ہے، لیکن دہن جس کی مود سے مدہائی لکھ سے مختلف  
کردہی ہے اور ہر دل میں حجاز سے سے ڈھکڑے  
کھینچے ہیں۔ یہ کائنات اور قی کائنات ہے جو مدہائی اور

[illegible]

فکر ہوتی ہے۔ رمل کے قسطوں میں سے بیشتر کو وہ  
فکر سے دماغ میں اُڑاتا ہے۔

فیض قزول کہتے ہیں لیکن ان کے قزول کے  
لکھے ہیں ان کی زندگی ان کے قزول سے متعلق ہے۔

وہ اتنی شاعری کے ہیں وہ اپنے جو کچھ  
آزاد کشمیر پہریں کرتے تھے وہ

فیصل کے پاس جو شہر میں کی گئی ہے وہاں وہ  
ملاقات سے پہلے ہی ہے۔ فیصل کے قریبی فیصل

کوچھے جتنے اس بات سے آگاہ ہیں۔ فیضی اپنے  
کارناموں کی تحفہات کو جو سما کر ایک ایسی جگہ پر

لے گئے ہیں۔ جہاں ان کے شعراء کی زندگی سے  
ملیہم پاتے ہیں اور ان کی زندگی ان کے شعروں کی

اسطوری میں بھی یہی ہے۔  
فقیہ عالم پاشا کی طرح اہل علم و معرفت و دانشوری

اس صفت میں ہیں جن میں کہ سطر کا اوّل ہر صفت  
ہمکنگے، پانچواں اور ستر کا آخر آتے ہیں۔

دعا کو بھیجے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان غلطیوں کی

اسی کے دادچہ یہ شعر غزل کا شعر ہے اور غزل  
کی خصوصیت والی خصوصیت ہے آزاد و نجیب۔ فقہی کے

اسی شعر میں کہا سکیں کہ اے میں اللہ عزوجل ہوں ہے لیکن  
اس کے بعد غزل کی روایت ہی بدل جاتی ہے اور یہ

اللہ عزوجل کی دعا سے شفاء ہوتا ہے۔  
اس لئے نزل کی یہ خصوصیت مگر اس کے طبع

مناجم کی کسی سطحوں پر جگہ ہا سکتے ہیں، اسی شعریں  
 بھی اپنی اپنی جگہ ہے، انہیں اس کے بارہ جو کہا ہے ہے کہ

بعض کے اس شعر کو چاہتے دھت گیس سے تیار کیا ہے

اس مضمون میں مجھے میں کوئی تشویش نہیں محسوس ہوتی جس میں خانی زعمیوں کو استہلال کر رہے ہیں؟

طریق سے حاصل کرتا ہے۔

عجب قافی اپنے ماحول کے ساتھ تہاں میں رہی  
اس کے ہر چہل قدم سے دہر نہیں نکل پاتے۔

کے ہیں ان کے ماحول کا وہ حصہ جس کی ذات کے ساتھ تعامل بھی شریک  $\alpha$  ہے جو علاج کی فہرست

حقیقت سے قطعاً کہتا ہے۔ لیکن بھی خارج کو دیکھیں۔  
ہے۔ لیکن ان کا خارج ۲ کے قریبی مسائل

انسان کی روح سے تعبیر ہے۔  
 فتنوں کا اپنے ظاہر کے ساتھ تعالیٰ تعالیٰ

اسی طرح ان کے وطن اور ان کے خاندان

انہوں نے فیصلے کیا ہیں کہ ان کے لیے ایک نیا راستہ تلاش کرنا ہے۔

یہ برآمدہ جاتی کوئی سودا گری ہے جس کا مقصد

کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کا حوصلہ کا کھام

تکمیل میں۔ ان سے ان کی شاعری چھپا لی گئی۔

سودہ جلیہ کو پکھنے کے لئے ایک تاعریجیہ کرتی

فیض میں طالع اور دیا بھر کر اٹھایا ہے۔  
 شریعہ کے لئے ایک بکری تیار ہے۔

۱۔ پورے ملک کی عامیہ فکری سطح پر

روزانہ ہم نے قرآن مجید پڑھا

فقیح کے ہاں محبوب ایک جسم ہے اچھے تمام  
لہذا حراموں اور حلالوں کے ساتھ ان کے

الحمد لله الذي جعلنا من عباده المخلصين

حقیقت کا اُن کا محبوب فرا ہے جو ایک انجمن ہے جس کی بنیاد بھی مغربی خیال ہے۔  
 "فعلی نظم" جو "مثنوی" میں ادنیٰ محبوب کے عشق کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

آنکھوں سے نکلا ہے کبھی دھبہ مہاکو  
 ڈال دیں کبھی گردن مہتاب میں ہاویں  
 نور بھر کہتے ہیں۔

ہوا ہے اسی رنگ میں لپکا نے دلیں کو  
 نرکا ہے اسی طور سے دل اس کی گمن میں  
 نور بھر

اس مثنوی، نہ اس مثنوی پہ نام ہے کمر دل  
 ہر داغ ہے اس دل میں جو داغِ عاصت  
 فعلی کے یہ دونوں مثنوی الگ نوعیت کے ہیں،

لیکن دلیں سے عشق کے انکار میں انھوں نے جو انجمنی استحصال کی ہے وہی ہے جو ان کے ادنیٰ محبوب کے لئے وقف ہے۔ سچی وجہ ہے کہ ان کے ہاں محبوب کا تصور ایک اجنبی نشان لے کر ہوتا ہے اور فراموشی خیمہ بگلی۔

فعلی سے پہلے اقبال نے لول میں فرد سے گذر کے اجازت، بلکہ آقا کی طرف رجوع کیا۔ فعلی اقبال کے پھر یہ انھیں جو سکتے تھے ان اقبال اور فعلی کے بچے مختلف ہیں۔ اقبال کے پاس ایک مختصر اور ہلکا ہے، ان کے پاس گدا ہے لیکن اس کی جہاں طریقت ان کے گدا پر حاوی نظر آتی ہے اور ان کے کائناتوں کے باعث ان کے ہاں غزل کے سادگی مندرجہ ذیل نظر آتے ہیں۔

فعلی روایت کو لے کر پہنچے ہیں لیکن روایت کو اپنی تھری آغاز کے مطابق اپنے مطلب کے لئے ڈھال پہنچے ہیں۔

اقبال اور فعلی دونوں فارسی اور اردو میں فارسیہ کی روایت کو استحصال کرتے ہیں۔ اقبال کے

ہاں فارسیہ کا جہاں ظاہر ہوتا ہے فعلی کے ہاں فارسیہ سرسرا ہواں میں جاتی ہے۔ فعلی کی شخصیت کی طرح اقبال کا یہ دھبہ ہے اس میں ظہور ہے، روچا ہے ایک اطمینان ہے۔ فعلی فراموشی کے شاعر ہیں۔

فعلی کی شاعری کا آج بگلی طور پر ایک فراموشی کی طرح ہے جو سب انوں سے گذر رہی ہے۔ گو یہ بگلی پہاڑ سے آتی ہے اور فعلی کی شاعری بھی طوفانوں کی آواز ہے بگلی خود کی صورت لے کر ہے لیکن پانچے کرگستان میں آئے جو ہے غزلوں میں جو جاتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ فعلی کو یقین ہے کہ ان کا محبوب دل جانتے گا۔ بلکہ بگلی پہنچے تو محبوب ان سے جدا ہوتے ہی نہیں۔

سولوں پر اوارے نلوں سے ہے  
 تیرے ہاتھوں کی دانی لچکی رہی  
 میری زلفوں کی سستی بڑھتی رہی  
 تیرے ہاتھوں کی چاندنی لچکی رہی  
 آواز تو ایک روز کرے گی تھر دہا  
 وہ چار غزل خصال سر ہام ہی تو ہے

مجھ بھولی تو آسماں پہ ترے  
 رنگ رفتار کی پھر پھر گئی  
 رات چھائی تو دے نے عالم پہ  
 میری زلفوں کی آبیرو گئی  
 کپ ہوش میں جڑا ہوا نہیں کب بہت میں تیرا ہاتھ لگے  
 صد ٹھکر کر اپنی راتوں میں اب بھر کی کوئی رات نہیں

آج کی شب وصال کی شب ہے  
 دل سے ہر روز داستان ہے وہی

بھر کی شب تو کس ہی جانتے گی  
 روزِ وصال صدم کی بات کرے

گر آج تھو سے جدا ہیں تو کل ہم ہوں گے  
 یہ بات بھر کی بھولی تو کوئی بات نہیں

رہی فراغت جہاں تو ہو رہے گا ملے  
 تھمباتی ہوا کا جو ہو حتم رہا ہے

جہاں ہے لہر دروغاں پہ آئے دی دھک  
 سر قرب ہے دل سے کہ نہ کھرا ہے  
 نور بھر

فعلی ہے کہ میں تمہارے تہہ سے بس میں نہیں  
 مجھ میں آج کل گلی کے ٹھکانہ کا موسم  
 کہا گیا ہے کہ فعلی کے ہاں چاہے کیا اصطلاح غالب ملے۔ یہ بات جڑی طور پر درست ہے لیکن اس میں خود ہی ترمیم کی ضرورت ہے۔ فعلی کو شہید ہونے کا طعن نہیں لیکن ان کو شہادت سے کرج بھی نہیں ہے۔ زیادہ بگلی بات ہے کہ فعلی اپنی تھریاں قبول کرتے ہیں لیکن کبھی تھریاں وہ تھریاں تھتے الیہ کی تھریاں زبان میں اس حوالے کے دے دیے جہاں کرتے ہیں کہ وہاں تھرتے۔

فعلی سمجھتے ہیں کہ وہ فعلی مل کی اپنی مثنوی ہے، اور ایک حرکت ہے، وہ کسی کے دے کے تو ان کے کانچیں لیکن یہ بھی نہیں کہ میں فرار کوئی کر رہا نہیں۔ فرقہ اس مل کا ایک حصہ ہے۔ اس کی اپنی قسمت جادہ فعلی مل کا حصہ ہے۔ فرار کی قسمت کو مانچے، اس کی نصیحت، کامیابی، ناکامی کا مطلب جادہ فعلی سے سمجھیں گے۔

جادہ فعلی مل ہے لیکن اس میں اپنی ذات کے مقابلہ میں ان کے لئے کے بعد فعلی کے ہاں سب جی رہی

ایک ایسی جگہ تلاش کرتے ہیں، اور ایک خزانہ بھی باہر  
جاتا ہے۔ ایک نظم آجاتا ہے۔

فعلی کہ جس نگار سے ہزار ہے وہ خارجی مل  
سے مشتق ہے اور خارجی مل کی سمت مثبت ہے اس  
نے فعلی تمام سے ملے ہیں اور دوسرے سے عدم سمجھتے  
ہیں، لیکن آگے کی طرف۔ بات ان کے بچے کی۔ ان  
کے بچہ کی بددلی تھی۔

فعلی حوسہ خلیق کے آسودہ حال گمراہی میں  
بیٹا ہونے لگے تھے ہیں ناز و غم، اس میں پرورش  
پائی۔ آسودہ حال حوسہ خلیق کے گمراہی میں انھوں  
نے اشرافی کی تہی بھی پائی۔ اشرافی کی بہتر روایات  
میں غلو ہوتی اور سب سے زیادہ کدھتکا کا حراج ہوا  
کہتا ہے فعلی اشرافی کی ان باتوں سے بالامال  
ہوئے۔

فعلی کی طبیعت کا یہ اشرافی اسکا ان کے  
تاریخی قصور سے پیدا خود انہیں سے ہم آہنگ ہے  
یعنی ان کی شاعری کا خیالاتی اور رنگ آہنگ ہے۔

کبھی کہیں، خاص طور پر شروع شروع میں،  
فعلی کے وہاں اور رنگ نظر آیا ہے ماحول نے اپنا ہلکا  
لیگن وہاں بھی فعلی ماحول کی نسبت کم جراثیم، کم پھٹے  
میں ہیں۔

ایک فرد نے ایک جگہ لکھا ہے کہ دوسری  
بنگ عظیم میں ہائوس نے میں لوگوں کو قیدی اور  
پھر گی پگھلائی میں پشتر ہائوس کے انسانیت سوز  
مدد ہے اور بتاؤ کہ باعث انسان سے حیوان بنی  
گئے۔ باسائنس قسم کے لوگوں کے یہ لوگ تھے دوسری  
کیمٹک، اطراف اور کیمٹک، دوسری کیمٹک اس  
نے کو ان کا اپنے دل سے یہ ان کا اپنے دل سے اشرافی  
اس نے کہہ قسمت کے خارج حالات سے یہ ہاتھ  
اور کیمٹک خارجی مل کی تاگر بہت وہاں کے گھر پر  
انہیں سمجھتے تھے۔

فعلی کیمٹک ہیں یا نہیں، دوسری کیمٹک  
ہو رہا نہیں ہیں، لیکن اشرافی طبع ضرور رکھتے ہیں۔  
ایک دوسرے اصطلاحی نظام میں یوں کیجئے کہ  
فعلی مونی میں جیسے واقعات ہونے لگا اور کیمٹک کا۔  
حکمر ہے گی، یہ قسم ہم کو گوارا  
ہم ہے تو دوسرے عالم کرتے رہیں گے  
اک طرز فعلی ہے آسودہ حال کو سہارا  
اک حسی حواس سے ہم کرتے رہیں گے۔

فعلی آثار پر حواس سے مستحق ہیں تو ان کے پاس  
سرشاری کا نام بھی پڑا جاتا ہے۔ "تو مطلق ہزار کوفی  
وہ عالم میری گردن پر"

کہاں ہے منزل وہ کتنا ہم بھی دیکھیں گے  
یہ شب ہم پر بھی گذرے گی یہ فردا ہم بھی دیکھیں گے  
ظہور سے دل، جمال دے دینا ہم بھی دیکھیں گے۔

ہوئی ہمارا حسی حسی کی قدر ہم ہم  
ہر اک جانب ہمارا کرام اور کرام ہم  
گئی کوچوں میں پھری شورش زخم ہم ہم  
سر مشعل ہمارے دست چھبیر ہم ہم  
ہوئی ہمارا حسی حسی کی قدر ہم ہم

جہلم غم، چاہے شہرہ کالی نہیں  
جہلم حسی پائیدہ کالی نہیں  
آج بازار میں پانچواں چار  
دست افغان چار، مسد و رقص چار  
خاک بر سر چار، خوں چاہاں چار  
وہ نکلتا ہے سب شر چاہاں چار  
اور پھر فعلی کہتے ہیں۔

حاکم شر بھی، ملحق عام بھی  
جر انعام بھی، سبک دشنام بھی  
ان کا دم مار اپنے مارا کن ہے

شر چاہاں میں اب یا مٹا کون ہے؟  
دست قاتل کے شاولیہ رہا کون ہے  
دست دل باغ و دل لہو رہا کون ہے  
ہر ہمیں مل ہے آنکھیں باز رہا کون ہے  
اور دوسرے بھی تو کبھی کیا تھا کہ "قریبا نہ  
قسم"

اصطلاح سرشاری اپنی جگہ لیکن فعلی کے پاس  
مطلق قسم کی دہشت نہیں، ان کا رجحان ہوتا ہے کہ  
یہ وہ حواس نواز ہوتا ہے، اختیاری وہ حالات کی  
بیرونی پر جانے والی فکروں کے رنگ، ان کی تھوڑی  
میں کی بیٹی، چہرے پر پھیلے والی مسکراہٹ کے  
وہ حالت ہیں ماس کی بیجا ہمت ماس کی اور وہ حالت کی  
تھیں اور ساز گاری، حواس کے منظر ہونے،  
لوگوں کے حواس میں تبدیلی کے نیز سوا کراف  
چہرے میں صفائی ہوتا ہے۔ اس کا دل سب کچھ دیکھتا  
ہے اور وہ قسم دیتا ہے۔

فعلی کی شاعری میں یہ سب کچھ پڑا جاتا ہے۔  
اصطلاحی زبان میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فعلی کی  
شاعری فعلی حقیقت نگاری کی ایک عمدہ مثال ہے،  
صرف اس فرق کے ساتھ کہ فعلی کے مدد سے ماحول  
کی واضح زخریک ہے وہ اپنا محبوب سمجھتے ہیں کے  
خالے سے مراد ہوتے ہیں۔

اور محبوب کے چشمہ روئے ہوتے ہیں، مدد  
یہ مدد ہے فعلی کی شاعری میں ہاتھ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فعلی کی شاعری میں  
دوسروں کا جو حواس پڑا جاتا ہے اس کا دوسرا اور  
بہت ہی اچھا ہے اور مضمون کے ایک گوشے کی جانے  
اس کے لئے ایک افس مراد کرنے کی ضرورت  
ہے۔

شوراء کی ایک فرستہ ان کے ایک گیت میں  
ہے۔

موسیقی حوصلہ

شوق، یاد داری حوصلہ، یاد داری حوصلہ  
زندگی کی آغوش، یاد داری حوصلہ

بندگی کی آغوش، یاد داری حوصلہ  
جوش و خروش، یاد داری حوصلہ

ایلی حریفی کا آبدار داری حوصلہ  
قول و التزام داری حوصلہ

موسیقی حوصلہ

قدوتی طور پر، ایک یا شعور اور

انسانی SOPHISTICATED شاعر، بیچارہ  
فعلی ہیں، کائنات ہفت کے ساتھ ساتھ ارتقا کی حوصلہ

راتا ہوا آگے بڑھتا گیا ہے۔ اور دھڑکتا ہے  
پہلے نظر آتے تھے اب غائب ہو گئے ہیں لا شوقی

کون کا کتاب ہو گئے ہیں اب کئی یادیں ہے  
جو کئی عمل نہیں ہوتا

کائنات کی طرح فعلی فی سلیت کے سختی سے  
فعلی ہیں۔ انھوں نے فعلی کی روایت کو وہاں بچھا

دیا ہے جہاں جا کر اب اسے آگے بڑھنے کے لئے  
دیکھیں۔ بے آسماں تلاش کرنا ہوں گے۔ اگر اس بات

کوہ ہونگی کھانا ہائے تو اس پر زور ہے کا حوصلہ  
شکستہ کی طرح مسلسل تراشنے غرضتے کے اس میں

کی طرف توجہ دانا ہے جو فعلی اپنے لئے غرض کے  
ہوئے ہیں۔

فعلی کی محکم، ہر گئی شعری روایت کا حوصلہ  
مرد ہے جس کو فعلی نے جد و جہد شعری خاموشی کی

تھکنوں اور تجزیوں کے ساتھ کار کیا تا حوصلہ  
بیدا کیا ہے۔

فعلی کے ہاں وقت کے ساتھ ساتھ زمانہ  
امیانت اور جہت کی طرف بڑھتا گیا ہے، فعلی کی

کائنات روایت ان شعری تھکنوں سے موازنہ کرتی  
ہے بلکہ ان کے حوالہ بھی ایک جیسے ہیں۔ خاص طور پر

فعلی کی دہاں اور کی نظم اس، زمانہ کی لڑائی کرتی  
ہے۔ ان کی رنگ و بھنگ میں چند ایک کی طرف  
اشارہ کرنا کافی ہوگا۔

قریب ان کا ختم کرنا شعری کی ایک خصوصیت  
ہے، کئی خاموشی پر یاد دہانی ہوتی ہے، کئی میں کم

فعلی قریب دہاں کا محکم کرنے کے بار ہیں۔ خاموشی اس  
کے طور پر ہی نہیں کئی کئی کئی کے ہاں ایک خاص

مقام رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا فعلی فعلی سے  
کیا جا سکتا ہے۔ فعلی کے بارے میں کیا جانا ہے کہ وہ

قصودات کے لئے داتا جاتا ہے اور جسم پر ارتقا  
کے مشہور قول کے مطابق وہ ایک فرشتہ ہے جو اپنے

سہ عصمت پر مادی کھینچے خاص طور پر بڑا ہوا ہے۔  
ایک اور کھار کے مطابق فعلی کی خاموشی میں آتی کے

آسمانوں کے بدلنے رنگوں کی طرح رنگ بدلنے  
پہلے پہلے ہیں اور عمل رنگ تو یہ کہتے ہیں کہ اس میں

سے فعلی کے ہاں بعض اوقات اہم پیدا ہوا ہوتا  
ہے۔

جسم کا فعلی فعلی کی تھکنوں میں بالخصوص ایک  
مسئلہ مل ہوتا ہے جسم و جسم کا۔ اور قریبوں کے

پہلے دانتے پہلے جاتے ہیں اور اس طرح بے  
دھنوں، پہلی دھنوں کی ایک گہرا چاند آتے ہیں۔

جب کبھی کانا جہاں آیا اور دھنوں جہاں سے  
وہ ایک حوصلہ حلیت اختیار کر جاتا ہے۔ فعلی اور فعلی

دھنوں کے ہاں شعری کا فعلی کمال پر پہنچا ہوا ہے  
فعلی کی نظم "طاقت" کیجئے اس کا یہ لکھائی

تجربہ ممکن نہیں صرف اشارہ کرنا ہے اس نظم کے حوصلہ  
زمانہ کے پہلو کی باب۔

یہ رات اس دور کا شعر ہے  
جو تھوڑے تھوڑے سے عظیم تر ہے

عظیم تر ہے کہ اس کی تھکنوں  
میں ایک مضمحل تک جہدوں

کے کادیاں کھر کے کو گئے ہیں۔  
برابر محتاج، اس کے سامنے  
میں اپنا سب فور، دو گئے ہیں

رہت اور کافر اور کافر کے استاد کے آگے  
بڑھایا گیا ہے، سحر سے محتاج تھکنوں کے زور پہنچ کر

دے ہیں، اور میرے گہوڑوں میں آگے کے گہوڑوں  
گئے ہیں۔ "رات کی سیاہی میں غصوں، لمبائوں کے

گھٹناں میں سگندہ ہے۔  
مختار داری کا فعلی ایک شعری صنعت نہیں، بلکہ

علم کا ایک ذریعہ ہے، اپنے جذبہ اپنی روایات کو  
محسوس کرنے کا۔ محسوس کرنے کے لئے باہر و باہر

کے بغیر بات نہیں کرتی، خاموشی کے لئے یاد دہانی  
خاموشی کے لئے دہاں میں روایات ایک فعلی ہوتی

ہے اور یہ روایات محسوس نہیں آتے کے لئے ہے  
قرار ہوتی ہے۔ احساسات محسوسات کا وہ چارواں

شروع کر دیتے ہیں اور اس کے سامنے ایک دنیا آتا  
ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ کھربائی دنیا ہے اس لحاظ سے کہ

پہنچائی دیتا ہے۔  
اور آئے گا کہ وہاں، لئے فرما چرنا

اور جو کہ وہ حوصلہ ہے کئی دہاں سے ہے  
مطلوبہ وہ جو پہلو میں ایک آئے گا

دل کی دیوار پر ہر فعلی تک آئے گا  
مختار داری کے کد کد "پار" کا حوصلہ ضروری

ہے۔  
دھنوں کوئی نہیں، اسے جان جہاں انہاں ہیں

میری آواز کے سامنے ترے ہوشوں کے سراب  
اور جب یہ نظم انہاں کی آواز میں ہوتی

آسمان زمین پر آتا ہے  
فعلی کے آواز کے بدلنے رنگوں والے آسمانوں

کے بدلنے میں نہیں کھینچے۔ اس زمانے میں کئی کئی  
تھوڑے ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی جیسے









حکومت میں جمہوریت اور سوشلزم کیلئے آٹھ نئی دھڑ  
 دی تھیں۔ ان کی مخالفت ایک ایسی جگہ کے حوالے  
 سے ہو رہی تھی جب انسانی جبر ظہور اور انحصار سے  
 پہلکار ہائے گناہ کو دیکھنے سے کھٹکنا ہو رہا تھا تو گناہ  
 نہی اسے اس بات کیلئے گم کا نشانہ بن جانے کا کہ  
 اس نے عقیدے سے حق کا مقابلہ کیا تھا۔ فیصلی صاحب  
 لوگوں کی اپنی باتوں کو زبان میں صاف کرتے رہے۔ وہ  
 جانتے تھے کہ پاکستانی فکری فطرت نامور اور بے زبان  
 عقائد خدہ دہی بلکہ ہماری ذہنی قیوس کی طرح آزاد  
 عقائد اور دانش خیل قوم میں کھرہتی ہے اور جیسے۔

دیکھ رہی تھی کہ یہاں قریب قریب کے نام  
 نسبی اکتال، بدل لب و دہشت کے نام  
 بالکرائی جذبہ کو تھری آگ فکری انگ اور  
 دل کی جلی کا نام دیا ہے۔ انکیا جیسے یہاں احساس کی  
 نشان دہی کی ہو ہے۔ یہاں اور عظیم حقیقت کے دلوں  
 میں سوچ نہ دیا۔ جس کی تک وہ دلوں میں حسوس  
 کرتے رہے۔

پھر کی ایک فکری ہنگ دل کی جلی  
 کسی پہ چلا دلوں کا بگڑا ہی نہیں  
 فیصلی صاحب کے شعر نے تار سے دوڑا اس  
 دور کے جوانوں اور اس کے شعور کو فانی طور پر  
 ہٹا ڈالا۔ میری نسل کے لوگ اپنی سوچ کی ترکیب  
 اور تشکیل میں آج تک اس ناڈ کا حسوس کر رہے  
 ہیں۔ 1968ء میں جب ملک میں پہلا مارشل لا  
 مسلہ کیا گیا تو تحریکوں نے سیاسی کارکنوں کے  
 ساتھ ساتھ فیصلی صاحب کو بھی گرفتار کیا۔ اگرچہ ان  
 کا مزاج سیاسی پارٹوں سے کوئی براہ راست  
 واسطہ نہیں تھا لیکن جیسا طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ  
 "Opinion Maker" ہیں اور رائے  
 عامہ کا ذریعہ سمجھے گئے دلوں میں سرگرم  
 ہیں۔ ان کی اپنی میں ترقی پسند سوچ اور مزور

حرکت ان سے الپا تھو ہو رہی تھی۔ اس وقت کے  
 سیاسی تجربہ نگاروں نے مارشل لا کے نکادی بڑی  
 حد کر اپنی میں سوشلسٹ خیالات کے فروغ کو نشانہ  
 اس میں کوئی سادہ لکھی نہیں۔ سائراٹ پوری آب و  
 تاب کے ساتھ 1970ء تک جاری رہے اور  
 یاد دہانہ کہ 12 سال تک مسلسل ادارہ گیر زبان بندی  
 "تحریک فکری" اور تحریک قومیت جاری رہی لیکن کراچی  
 میں ترقی پسند جماعتوں کی حمایت میں کوئی کنوینشن  
 نہیں ہوئی۔ پاکستان کے پہلے جمہوری انتخابات  
 میں ترقی پسند جماعتوں کو بڑی تعداد میں ووٹ  
 ملے۔ اگرچہ ایسی جماعتیں نہ ہوئی تو انہیں پاکستانی ایسی  
 ہو سکتی تھی تاہم اس سے سوچ کے دھاروں کا اندازہ  
 کیا جاسکتا ہے۔

سیاست کی تین جہتیں سمجھنے کی جاسکتی ہیں۔  
 سوچ، نظریہ یا سیاست میں کو "Ideology" کا نام  
 دیا جاتا ہے۔ عقیدہ معنی یا منزل۔ جب عقلمند اور عقلم  
 حقیقتات اور فکریات میں کسی کے ای کو انتخاب کی  
 کہا جاتا ہے۔

یہ سوچ جیسے فیس کی لہروں کی  
 کہیں تھ مارنے کی صورت میں جیا کرتی ہے  
 یہ سمجھ کر کھینچا جاتا ہے جہاں جس کا  
 کہ ہے اس میں تھ ہلک اٹھ کرتی ہے  
 فیصلی صاحب کی شاعری ان جہوں پہلوؤں کو  
 عیاں کرتی ہے۔ یہ مثال اس بات کی اجازت نہیں  
 دیتا کہ ان پہلوؤں کے حوالے سے الگ الگ محفل  
 کی جائے اور فیصلی صاحب کے عقیدے فکری و عقائد  
 کی جائے اس کیلئے وقت اور وقت فکری ضرورت  
 ہے۔ جو صاحب کے فکری احسن طریقے سے اہتمام  
 دے سکتے ہیں۔

شاعری تھیسس (Thesis) یا تھیسس  
 (Synthesis) نہیں ہے۔ اس میں مفہوم کے

ساتھ ساتھ ذرا کثرت زبان و لکھم کو بھی ملحوظ رکھنا چاہتا  
 ہے۔ اس کیلئے چوتھے دو دستہ نہیں کہ فیصلی صاحب کی  
 شاعری کوئی سیاسی شعور ہے۔ ہاں یہ شعور ہے کہ وہ  
 انسان کے وہ باتوں کو ایک جیسا لہری اکائی کیجئے  
 چاہے۔ مزور کہیں اور محنت کئی جیسا لہری اتھ و قائم



فیصلی صاحب اور ان کی بیوی

کرتے ہیں لیکن صدیوں کی مسلسل غلامی نے ان میں  
 بے لگائی اور احساس کمالات کی بیکاریاں پیدا کر دی ہیں۔ یہ وہ معتاد  
 حقیقت ہیں جو اقتصاد اور سیاسی بددلتی کا فاسم رکھتے  
 کیلئے نہ مل سکتی ہیں۔

ہر ایک کھیل بے صلاحیتوں کے ہوا و صبریت کی  
 ہر ایک میں صریح فیلڈ و فلم کی گہری ہے  
 غدار کو دوسرے قتل سے یہ کم کا دانا ہے  
 غدار کو کہہ کر ہر اتار دے چاہے سزا ہے  
 جسے غدار تو گھسے گا جس میں دشمن کے  
 جانے سرور کی بھری ڈھول کے جھل  
 غلوم غلومت میں ہم اپنی اور اتحاد کی ضرورت  
 ہے تاکہ اس کی اپنی غلوم کو توڑ دیں اور ایک ایسے  
 نظام کی ضرورت لیں جس کا نام اپنا ہے۔

لیکن اس سچ اس جاننے اور اس حوصلے کیلئے  
 مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔

چلے چلے کہ وہ جھل اٹھیں آئی  
 سلطانوں کا گھیر دیا اور تو آہستہ سے  
 ہمارے معاشرے کو ان قوتوں سے لڑھا کر دیا تھا کہ اس  
 میں لیکن غلومت اور اس میں نہیں بلکہ اپنا چاہی "تیم" کی  
 "علم" جو ملک اور تبادلی کے ساتھ صدیوں کا غلوم کہ  
 جس نے احساس بے بسی پیدا کر دیا تھا پھیلنا چاہا۔  
 لیکن صاحب نے چاہا ان کمزور قیادوں کی طرف  
 اشارہ کیا ہے۔

اہم فیصلوں، فکر و نظموں کی سچ شاک میں نہیں ہے  
 یہ احساس پیدا کیا کہ ان کے چاہنے والوں کا دانا  
 دھان میں نہیں بلکہ ایک مسلسل جدوجہد میں ہے۔  
 اسی لئے ہر بار کیا کہنا غلومت رہا ہے۔ اس سے لہو  
 میں گر کر پیدا ہوا جانے کی۔

یہی تاریکی تو ہے غدار اور ہر  
 سچ ہونے کا ہے نہ مل ہے جب غلوم  
 پاک و بد میں مجھوٹی قوتوں کی ایک مسلسل  
 جدوجہد کی تاریخ ہے۔ اٹھیں لیٹے لوگوں نے غلوم

رہا ہے کہ گھٹے گھٹے بچے بچے کیا ہوا یہ جدوجہد  
 ہے۔ لوگوں کی غلومت اور ہمارے لگاتار غلوم ہے۔ کوئی  
 انتخاب تو نہیں کی حمایت کے لئے وہ نہیں ہوگا۔ لیکن  
 جہیز کی فیکشن صاحب انفرادی قوت کو بھڑکانے کی  
 کوشش کرتے رہے۔

تو سرور سے اس میں ہمارے تو ہیں  
 اور ہم بھی تو ہیں اس میں ہمارے تو ہیں

جب بھی ان کو احساس ہوتا کہ غلوم میں چاہے  
 گریباں کم ہونے لگیں تو ان میں احساس برپا نہیں رہا  
 تو راجا جیادنا

اور سے ہر ہائی کی غلوم ہے ہوا ہر جیل  
 ہ کے رہیں ہر غلوم کوئی غلوم ہے

"تھکن لڑائی" کی غلوم میں لیکن صاحب کا  
 لہو رواست تھا۔ وہ صدیوں کے بتا، یکے بعد دیگرے  
 افسانہ اور گوہر میں ہوا ہے جسے جسوں کے قصومات  
 کے ساتھ لگی لگی کوپے کوپے انسان کی بے لگائی اور غم  
 زبانی کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ غلوم کی قیاد اور  
 کے چھوڑ دیا کا دہشتہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

تیرے ہے کہ غلوم کی جیل آئی ہے  
 شب کی رنگ سے لہو ہوا ہے۔

لیکن ہر ایک غلوم میں وہ ان اصطلاحات پر  
 ہی اکتفا کیا کرتے ہوا دوسرے حقیقت کی بے لگائی  
 کا اشارہ دیتے ہیں۔ "جیسے" "غیر" "بددلتی" "حالات نہ  
 ہونے پائی" "ہو کیسے" "جنگ" "حاکم" "سیل" "انہی  
 نے کہہ دیا" "انہی کو کو تو دھوا" "انہی تو  
 کا دہشتہ لڑائی حوصلہ جاتے" "انہی کو چھوڑ دانا سے  
 لکھیں کے درجہ درجہ خواب" "یہ اصطلاحات انہی در  
 حاکم نہیں۔ ہمارے دہشتہ میں ان حقائق کو ہر سے  
 سیاسی و سماجی کے ساتھ کہہ رہے ہوتے ہیں اس لئے  
 غلوم کا لہو راجا جیادنا لہو میں تھا۔ لہو میں لہو کی سیاہی  
 اور اقتصاد کی غلوم میں جسے ہر سیاسی بے لگائی سے  
 پیدا ہوا لیکن لہو رواست حقیقت کا بھر پور۔

گلشن وطن انہی میں، لیکن ہر ایک میں  
 ہائیں جان کی طرف اشارہ دیتی ہیں۔

اپنا ہم ہی ہمیں نہ ہے جس کی  
 رنج عالم رہے اس گہری ہے ہم  
 میں قوت ہے غم اور صبر سے یہ کتنا چاہتا

ہوں کہ ہمارے صبر کی بولی چالی ہے لیکن صاحب کی  
 زبان کا کٹنا ہے ہ کیا تھا۔ ان کی بات چیت ان کی  
 شاعری سے مرکب تھی۔ ہم اپنی ایسے ہیں "غدار"۔  
 غلوم اور دشمنوں میں لیکن صاحب کے خیالات کی  
 چھاپہ غلوم کرتے۔ اس میں ہر غلوم اس کی بہ  
 دانا صبر کی لیکن ہمارے ہمارے سے ہوا۔ جہیز سے غلوم  
 انسان کے ہارے ہیں اور ایک ایسی زندگی کی قیاد  
 کرتے جس میں شاک اور دھوکہ آہستہ آہستہ اشارہ  
 ہوا غلوم ہو غلوم نہ ہو اور چاہے انسان کو اس کے  
 غم لگ کی قیاد ہر ایک حاکم کی قیاد نہ لگائی  
 کی قیاد کیا ہوا تھا۔

دشمن ہر ایک کے پادشہ قیاد غلوم کے ہم  
 میں اتفاق حال ہے، غدار کے ہم

ہم نے اس میں لہو ہر سے ہا لکھی دانا  
 ہم نے اس دھوکہ کو خیر لہو لہو

آہ دہشت ہیں اس میں کی پادشہ ہے  
 میں نے اس میں کو پادشہ دانا لکھا

☆ ☆ ☆



میں نے انہیں علم لگتا ہے اسی طرح شعرا کی فنی ہوتے اور موسیقی  
تجربات کے شعری ادراک کو ان کے کلام کے ساتھ دراصل  
شاعری کا جو صیغہ اُنہیں ہے جو ہر موزونہ جزئیات  
شاعری کے قطعی جاننے کے ایک عنصر ایک خفا بلکہ ایک  
عصری عنصر ہے تخلیق کرتی ہے۔

ابو شامہؓ میں ہمیں غزال کے میدان میں  
 وادی کی حاکم سہارہؓ، آفتابؓ کا پہلا صبح  
 سوچائی کے ہیں، کچھ ترانی، مگر تھکادی اور دودھ الہامی  
 انکی فطرت کادی کے کسوٹے تلے ہیں، ان کے مطالعے  
 سے ان شعراء کے مخصوص استحالہ خود استاد سے  
 شاعری ذاتی اور عصری زندگی پر گہری روشنی ڈالتے  
 ہیں۔ اسی طرح نظم کے میدان میں اقبالؒ کے مخصوص  
 استاد سے اور آخر شرفیؒ کے میدان میں درد رنگ نظمیں  
 تاریخ میں اپنی انفرادیت سے اہل کر کے ہیں، انکی نے  
 اس کا کیا رنگ دیا ہے۔ یہ بھی استاد کیا ہے، انکی ان کا  
 فطرتی انتخاب حد تک شعراء سے قدرت سے مختص ہے۔

انہوں نے کوٹلی کی ہے کہ رنگ کا انتخاب ان کا کھیل  
استعداد ہے اور وہ ان کی پانچویں صدی کے لوگوں  
میں اس طرح سمجھیں کہ ایک خاص شہر نام یا خط  
تھیں یا جائے۔ ان کی کتاب کا ترجمہ جانور پلے  
جائے "مغل فریڈ" میں آواز شاپ کی واردات  
عبث کے بغیر جذبات اور حوالہ خاصہات طرح  
طرح سے جلوہ نما کرتے ہیں "فریڈ" کی "مغل"  
کے وہاں پروردگار "قرآن مجید" کے حکم و نظام  
کتاب ہے "مغل" کے پس منظر میں آسمان کی  
غلا ہوں "وہ سچے ستاروں پروردگار کو شک کی  
تبدیلات میں کو فراموش کرنا مناسب ہے وہاں جن کا  
معاذ "عاشق کی شام" میں اپنی عجب دکھا ہے نقل  
نہ لکھا ہے۔

”نہی بھی مجھ پر ایک خاص قسم کی کیفیت  
 جاری ہو جاتی تھی جیسے کا کہتا ہوں کارنگ بول کہا

ہے بعض چیزیں کہیں ذرا سیلی گئی ہیں، جو صوبہ کارنگ  
جائی ہو گیا ہے، تاہم ایک طرف کی بڑا تھوڑا قسم کی چیز  
محسوس ہوئے لگتی تھی، یہیں فیض کی ایک اور پہاڑی پار  
کی طرف کے رنگ مختلف کرتی ہے، "ہم سختی  
دورانے کے بعد روچے تھے، تاہم گھر والی سیخ پر تھا  
بچے دور کھینچی تھی، "جھوٹا رنگ، "بچہ بھی تھا، "ہاں طرف  
ہاںات تھے، "ایک راست چاٹا تھا، "چاندنی دودھ اور  
انگوٹے کے کوزا کرکٹ پر پڑ رہی تھی، چاندنی دودھ رائے  
یہ سب مل کر دیکھ کر بچہ نہ اسرار، "ہر سہن کے تھے، "ایک  
اور مقام پر رکھا ہے، "شعری گیتوں، "گلوں اور ٹکڑیوں  
میں لگی دودھ کے "دھت" بھی شام کے جنت، "بکواس  
حتم کا سچا آتا ہے، "جیسے معلوم ہو، "گوئی پرستان ہے،"  
فیض نے جہاں عوام انعام کے بارے میں شہت  
سے سوچا، اور انعام اور شہرت کا کیا ہے، "جس جگہ کی ہے

تعداد بہت زیادہ نہیں، روایتی کا وجود، ہم اور خواجہ  
 ہے۔ ”سوچ“ میں ”میں“ کا مکرر استعمال اور اپنی دلی و  
 عملی سطح پر اتر آئے ہیں چنانچہ اس کتاب میں یہ ”سرا“  
 ”اور“ ”بزر“ ”چلے“ ”گوں“ ”و“ ”تصور“ ”میں“ ”کی“ ”ہیں“  
 ”ہو“ ”میں“ ”ذوق“ ”کی“ ”حلقہ“ ”قرآن“ ”اور“ ”آد“ ”ہے۔“ ”مجلس“  
 ”کے“ ”میں“ ”مجلس“ ”مجلس“ ”میں“ ”مجلس“ ”کے“ ”میں“ ”مجلس“

فہم لکھنؤ

bioRxiv preprint doi: <https://doi.org/10.1101/2019.05.21.256441>; this version posted May 21, 2019. The copyright holder for this preprint (which was not certified by peer review) is the author/funder, who has granted bioRxiv a license to display the preprint in perpetuity. It is made available under aCC-BY-NC-ND 4.0 International license.

المؤلفون

**Abstract**

کے لئے ایک نیا راستہ تلاش کرنا ہوگا۔

1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26

المجلس الأعلى للدراسات والبحوث

Wavelength (nm)

— 200 —

Handwritten signature: *Handwritten signature*

المجلس

1994

**Abstract**

1000

مجلس اعلیٰ

سید محمد علی نقوی

پیشانی

ان کتاب میں ملاقات کے بعد

فصل فی بیان حال و سیرت حضرت علی

[illegible]

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

مجلس شورای اسلامی  
جمهوری اسلامی ایران

لی بات خطیہ انجمن کی کسی نہ ہو تو یہی قدر عالیہ

فطرت کی وہ تصویر اجماعی ہے جو کسی جاننا تکمیل کی

فصلوں میں ملتی ہے۔

for instance, a hawk is a hawk."

فیلکس نے ٹیل یا تار کے انہی دلوں میں افسانہ کو  
ایک ادا میں لکھا "میں ایلیٹ کی قسم پڑا ہوں  
یہ کہہ کر سہے سو

Between midnight and  
dawn, when the past is all  
deception

The future, futureless, before  
the morning watch.

When the time stops, and time is  
never ending

دک پہانے اور دک کے در کے والے اس دہشت کی  
مطلق کو سمجھتے ہوئے فیلکس نے دک کی کہانی یہ لکھی  
اتے ہیں اور بھی ان کو یاد کرتے ہیں

Came into the garden, Maud  
For the black bat night has  
flown.

"دعاں ہائے" کے بعد کا زمانہ فیلکس کے لئے  
خفا خفی کا زمانہ ہے جس میں افسانہ کی پوش پناہ ایک  
باد بھر پھیل گئے لڑھکیں لگا کر دیا یا اٹھل اور گود میں  
کی لٹا میں بھر سے اندر اور گود بکھڑی دلوں کی  
طلب کا احساس تھا "دست درنگ" میں اسے سرخ  
سپاہ زندہ رنگوں کے طائر سرخی، مینگی "کافنی" نیچے  
سوری اور آبی رنگوں کی مختلف تصویریں دکھائی دیتی  
ہیں یہ قہر خانے سے باہر کی شام ہے اس میں  
تار کی ہے "تقسیم کار" ہے "نور دکائی اور سر دکائی ہے"  
دات سپاہ اور مافقی کسی ایک طرح دار قاتل اور ظفر  
بھی نہیں اس پاس ہے

تم نہ اے تھے تو بوجھ دہی تھی کہ کہو ہے  
آہیں حد نظر دارہ کر دہ کر دہ شیشے شیشے  
اور اب شیشے سے دارہ کر دہ تک تک

کر سے چہ چہ کر سے گے سبوں میں  
دلہ کے گارہہ کے گے ہیں  
اسی کی شصم سے نا مافقی کے  
چہ چہ فخر سے تیری نہیں  
داس کے کبیر سے پادگے ہیں  
بہت سے پادگے ہیں  
اسی پانی میں دہا ہے

Is the night chilly and dark?  
The night is chilly, but not dark  
The thin grey cloud is spread on  
high,

It covers but moths hide the sky,  
The moon is behind, and at  
the full

And yet She looks both  
small and full

The night is chill, the cloud  
is grey.

فیلکس کی شامی کی چھوٹا ہوا اس دہی

تار یک میں ہوا تو ہم کئی ہے  
یہ دات اس حد تک فخر ہے  
ہو گئے سے فخر سے فخر ہے  
فخر ہے کہ اس کی شاموں  
میں کہ مٹھل یک جہوں  
کے کاروں گھر کے کو گئے ہیں  
ہزار چہ تار کے کمانے  
میں اپنا سپاہ زندہ گئے ہیں  
پادگے اس حد تک فخر ہے  
ہو گئے سے فخر سے فخر ہے  
کما اس دات کے گھر سے  
یہ پادگوں کے دہ ہے

اسی کتاب میں "میں ہر تار یک دلوں میں  
بارے گئے" "دعاں گاہ پاداس" جیسی آٹھیں  
لکھیں مگی سورج ہیں پکا "کرئی شقی تھارہ" نے  
فول کے داس در گاہی گھر ہائے کی کو شقی کی ہے  
فیلکس کی ان مٹھلی تصویروں کے کہی مٹھلی "پادرج  
فرخ ز" کی "شاہان زوری" کے اٹھل تھارہ پیچے پیچے  
میں بکھڑی طور "دعاں ہائے" میں جس رنگ کی  
تھکت ہے وہ ہے رنگ سرخ، مٹھلی کے گود اور طم  
کو سمجھ دینے والی یہ کتاب فیلکس کے فخری سڑکی  
سب سے بڑی دات ہر ہے۔ مین راپا کو طے ایک  
کہہ لکھا ہے:

"I believe that the proper  
and perfect symbol is the  
natural object, that if a man  
uses "Symbols" he must so use  
them that their Symbolic  
function does not obtrude, So  
that a sense and the poetic  
quality of the passage, is not lost  
to those who do not under stand  
the symbol as such, to whom,



دنک ہے حال کا سر سے "طون" بھر گئے ہیں۔  
 مچھلی دنک لگی، راحت چار دنار دنک  
 سرخ رنگ دنک کے ہے راحت چار دنار دنک  
 زرد چار کا، خوشی و خفا کا دنک  
 سورج پھولوں کا، کچھ گئے ہیں بھر دنار دنک  
 ترنار دنک، لہو دنک، شب چار دنک  
 آسمان سرد، نور، شیش سے  
 کوئی بیکہ ہوا دامن، کوئی دھنچھوٹی رنگ  
 کوئی ہر لٹک چکا تھا آ آئیے ہے  
 "سہہ" دنک "کی آخری فلم میں چار دن  
 کبہر کاش بھیجی ہے۔

”سرمدی جانا“ میں سرخ رنگ کی فراوانی  
 فطرت کے ماحولیات کو تحریر ہے اور جہاں ساری کے  
 اوصاف دکھائی دیتے ہیں اس رنگ کی جس علامت کو  
 سب سے زیادہ استعمال کیا گیا ہے وہ لہو جیٹ کا لکھا  
 لہو لکھ ہے۔ لہو لکھ پر کرم کا لہو لکھا جاتا ہے لہو لکھ  
 آسمان ہے، جہیم ہے، جہنم ہے، جہنم کے لہو لکھ کے  
 لہو لکھ پر کرم کا لہو لکھا جاتا ہے لہو لکھ پر کرم کا  
 لہو لکھ ہے۔ لہو لکھ پر کرم کا لہو لکھا جاتا ہے لہو لکھ

1960 میں فقیر نے بلوچہ درس میں ایک سرگرمی کھانا بنائی۔ کچھ ششہرہ ۱۰ سالہ بچوں اس کی کھانا بنائی۔

Time present is still time past  
in faces  
in places  
in custom and ritual and the  
grave of nameless saint  
in hunger and want and pain  
and the withering of  
The Birth of time out of  
timelessness

Is best like all birth  
With travail, and hope and Joy  
and apprehension  
And its birth in Pakistan as  
elsewhere in the newly liberated  
countries of Asia and Africa  
Is as yet only a small flag of  
freedom, raised against  
The bannered and embattled  
host of Fear and Want and  
Hunger and Pain

"سرمدی جہاں میں گھٹا  
 عالم ہو گیا کہ ہر ایک نے  
 میری آنکھوں کے کونے سے اس طرح ہر گھبرے  
 خود شید کا کھنڈہ اٹھ  
 ستاب کی جہانم کی  
 جہنم کا ہنسا بھی ہو  
 اتریں کھڑے بھی ہو

ہر طرح کے جانوروں، پرندوں، خوکھوں، بچوں،  
 ہر طرح کے جانوروں، پرندوں، خوکھوں، بچوں،  
 ہر طرح کے جانوروں، پرندوں، خوکھوں، بچوں،

خود بہ عشق شہادت دے دینا خود کلمہ کا سربراہ رکھ  
 "مقام شہید" میں "میں" شعری تصدیق کا ایسا  
 حضورِ پیدہ و پیدا ہے۔ لیکن سربراہِ رنگ کی آشوبی سے  
 یہ سیاہی چھل لول لگی ہے۔ لیکن اس مجموعے میں  
 سربراہِ رنگ کی فائنل "تراقیب" خلاقی کامیابیات  
 دورِ شعری کی فکر کے اپنے پہلوؤں کو سامنے لانے ہیں  
 جو زبان کو تار تار کی دہلیز سے جڑے ہوئے ہیں۔  
 سب سے پہلے یہاں سے علامت متعلّق تک گردنِ عشقی

منگلی ہے اور بازو سے کاٹل خون ریزی پر تاد ہے۔  
اگر جراثیم کا جمل سے انقباض لائے  
تو دل سب سے چارہ گریں کی خار ہوا  
سرخ سے دلی مرے سطر " گنجائش قریب  
افراطی " گھڑی اور فکر نکلتے درخت کی قصہ ہے۔  
یہاں سوار کرتے کی رات کا توجہ راہ پر مشاعرہ نکلتا ہے  
گوریاں رات کا گوریا

اور کا حکم ہے  
 فطرتاً ہے  
 اور شاعر نے یہ بھی لکھا ہے  
 جس دلی سرخ رو ہوا جس نے  
 ہر آنسو میں شادی کی ہے

”مہاراجا“ فیض کی زندگی اور فطری سحر کی  
آخری کڑی ہے جس کا ہر گھوٹا چتر سیاہ تھا۔ غور و  
خبر سے مایہ ناز اہمیت کا عرسمہ کی روشنی سے صاف رہا۔  
”فیض کی شاعری میں سیاہ رنگ کی کہ چل 196  
”سرخ رنگ کی 445 اور نود رنگ کی 78 تراکیب  
استعمال ہوئی ہیں۔

یہاں رنگ کا استعمال زیادہ فرہار ہے۔ رات کے مختلف ٹائم 'ماریچ' میں سائیں رنگ کی بنیادی باتیں ہیں۔ آبی سیاہی قرمب اپنے لٹکاؤ کے اگر گھومتی ہیں قرمب کا طعم مزہ قرمب ہیں۔ اسی میں اچھا سمجھنا ایک طرح سے رات کی سیاہی لٹکائی کے شعری کہیں کا نہیں نظر ہے۔

[illegible]

سے جس کے شعری معنی ہے یہ نامور اور ذاتی کردار اور اس کی ذرا خرابی ہے مگر یہ اس کی اصل اور شخصیت کو متعارف کرتا ہے۔

قبیلہ کی قاضی جی صاحبہ کی غواہی کو  
محرمہ و ماہِ پور جانے کے لئے حکایت جی و محصور  
صحت ایک ایسا تقرری اعادہ ہے جو انقلاب اور سچائی  
کے دلائل دیتے کاروبار ہے۔

[illegible]

سرست، جھوٹی، آسودگی اور سرشاری کی علامت ہے۔  
 اور کبھی کبھی سرست و وفاقی کا اشارہ بھی اس طرح  
 شاعر کے لکری ارتقاہ میں اس الفاظ کے استعمالی عمل  
 کو فوفا تبدیل ہوتے ہوئے ہے۔ جیسا کہ اسٹائیلا اشارہ  
 بھی ہے اور جو کہ حرف بھی ششک کہ علامت ہے لکری  
 معنوں میں اور کبھی کبھوں یہ استعمالی معنوں میں علامہ  
 کہ ہے۔ جیسا کہ اور رنگ ہیں ان کا بیان مراد ہے  
 محبوب کی تصویراتی اور نرم لسیہ کا لطیف  
 استعارہ ہے۔ دلم عقل کا قلم استعمالی علم صلیب  
 شکر ہے۔ جیسا کہ علامت ہے۔ جیسا کہ اشارہ ہے اور  
 اور خون سے طالی کی ترکیب مرکب بھی ہیں اور  
 مسلسل بھی اس رنگ سے شاعر اپنے وجود کا اشارہ  
 یا چاہے۔ سرخ رنگ حسن محبوب کا بیان تصور ہے اور  
 شاعر کے استعمالی کی رنگوں میں جیسا کہ مراد بھی ہے

[illegible]

*Adelphiomyia*

## فیض احمد فیض

### ”نقش فریادی“ سے ”دستِ تہ سنگ“ تک

پیدا کر کے دستِ جامِ پیرا کرنا کا دے ہوا تھا۔ اسی لئے جب کہنے لگے دالے کھانگی، رنگ سے ہٹ کر قرعہ کرنے میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ فیض احمد فیض اس دہائی کا رنگ سے فارغ افسانہ ہو کر نکلے تھے اور حاشی حاشی میں سرگرداں تھے۔ اور بھول خودی کے ”سپے کا کھانگے کے بڑے بڑے تھیں بارہا حاشی حاشی حاشی میں لگیوں کی خاک چھانگتے گئے۔“ لہذا وہ بھی ان تحریکوں سے حائل ہوئے اور اس طرح کوئے چاند میں رخصت کے چادری کر کے ”دھندے سے بھٹی ہی حیات سے محبوب شادگ“ کہتے ہوئے دہائی طبع جہاں کی طرف چلے جاتے۔

جب فیض احمد فیض کی اس دور کی تحریکوں میں دوسروں کے قصوں کو اپنانے کی شعوری کوشش نظر آتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان تحریکوں میں تو بڑے ہی شہت ہے ہوا دھند کا رات چاند اس دور کی تحریکوں میں ایک نظم جس کا عنوان ”سنا“ ہے اس میں جب فیض احمد فیض کے کی ادا دہائی کا نقشہ کھینچتے کے بعد لکھتے ہیں:

یہ مضمون حقوق گر سر اٹھانے  
تو انسان سب سرکشی بھول جانے  
یہ چاہیں تو دنیا کو اپنا مالک  
یہ آگاہی کی لہجیاں تک چا لیں  
کوئی حق کو انسانی ادا دے  
کوئی حق کی سوئی ہوئی قوم جا دے

جہاں فیض کے اس قصے کی تھیں اس مادے کی مراد ان صحت میں جانور کے اس دور میں ماکھڑو جانوں پر گزار چکا کرتا ہے۔ ہر پتہ کہ اس مادے کے ذریعہ کبھی کبھی ان تحریکوں کو بھی شخص ہائی پانہوں کے خلاف بدعت کہا جا سکتا ہے لیکن اس طرح موضوع اس قدر واضح ہو جائے گا کہ اس شخص سے مضمون میں اس کے ساتھ انصاف کرنا ممکن نہ ہو گا۔ لہذا ہم ”دستِ تہ سنگ“ کی پہلی حوالہ ”نقش فریادی“ کے دوسرے حصے کی کوئیں گے۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ ”نقش فریادی“ کے پہلے حصے میں نقشِ صاحبِ علم صحن سے کھول کر آتے ہیں اور دوسرے حصے میں وہ اس صحن سے آزاد ہونے کی شعوری کوشش میں مصروف ہیں۔ یہی اس اعتبار سے یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں ہر طرف غیر ملکی اقتدار کے خلاف بدعت کے شعلے لڑاک رہے تھے اور جوشِ ملیحِ خلق اور چند دیگر شعلہ فاشیوں کا طوفان بول رہا تھا جن کو چنگ ان خاموشی نے غیر ملکی حکمرانوں پر یہ ہوا رست تھی کہ اس خاموشی کو بے جا پکڑا تھا کہ اس وقت میں حرجِ سماجی کی گہرائی بہت کم تھی کہ کسی قسمی لہجے دالے اختیار و جان کی لائی تھی راجی حاشی کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ادب جانے ادب اور ادب جانے زندگی کی بھٹا ہی جھٹکا کھینچ رہی تھی۔ اسی طرح جہر سرور آج ہی لگائی بادھائی اور دیگر خول کو شعراء کے بعد کا ایک نرالی میں کوئی ہی بات

کہتے ہیں کہ آزادی کی قرارداد کو پابند کی اور ملکیت شعراء ادب کو زندگی بخشی ہے۔ مگر کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔ ہوتا ہے کہ جب اشعار و زبان پر پابندیاں مانتا کر دی جاتی ہیں اور فکر و نظر پر پورے خفا دیے جاتے ہیں اور اس حد تک خفا دیے جاتے ہیں کہ لکھنے اور سوچنے کے سبب صدور و دماغ سے مسدود ہو جائیں تو لکھنا فکر انسانی خصوصیات کے اعتبار سے جو دماغ سے حاشی کر لیتی ہے۔ یعنی جب حاشی اور دماغ ہم لیکن ہی جاتی ہے اور زبان پر صوری ثابت کر دی جاتی ہے تو ایک بات یہ ہونا کہ خون دل میں انقلابی زور کو ہر جگہ زخمی میں زبان رکھ کر ان پابندیوں سے ہوا رست کر لیتا ہے۔

”نقش فریادی“ سے لے کر ”دستِ تہ سنگ“ تک جب فیض احمد فیض نے جو لکھا ہے۔ وہ اسی فرد کی ارتقا کی منازل کی حقیقت لکھا ہے۔

”دستِ تہ سنگ“ میں جب فیض احمد فیض جس مقام پر پہنچے تھے ان مقام تک وہ شعری عمارت میں لکھتے ہیں۔ اس ارتقا کی پہلی کڑی ”نقش فریادی“ کے دوسرے حصے میں مثالِ حتمات و ظلمات ہیں۔ اس صلیب کی دوسری کڑی ”دستِ تہ سنگ“ اور ”کڑیاں جلتے“ ہیں اور تیسری کڑی ”دستِ تہ سنگ“ ہے۔

”نقش فریادی“ کے پہلے حصے کی مضمومات کو اس صلیب کی کڑی اس لئے فیض فراموش کیا جا سکتا کہ

اس فلم میں شعوری کوشش تو عیاں ہے۔ لیکن جذبات کی اس شدت اور کثرت کے اس دھماکا کتنوں سے دور دھڑکنے والوں کو ہانپنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

جواب فٹن کے شعور اور اس میں جلتی کا آثار ان کی سرکاری ملازمت کے دور سے ہوتا ہے۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ کوئی کچھ نہ چاہتا ہے وہ لب پر نہیں آ سکتا اور یہ کہتے ہیں وہ ان کے دل کی آواز نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان کی فلم "ہل کے لب آؤں میں قبر سے" نوادہ کی دھڑ سے ساخت ہو کر کیوں نہ کی گئی ہو، درحقیقت ان کی اسی دھڑ، جذباتی کلک ٹکٹ کی طواری کرتی ہے مگر بدی جواب فٹن کے اس دھڑ سے اس کلک ٹکٹ سے نہایت حاصل کرنے کی راہ حاشا کرنی اور وہ جی حدیث دیکھنے کے پردے میں مزہ لیاں کھینکے کی راہ۔

یگانہ سلامت سے قیام سرفرازی سے سے دیکھیں وہ وہ دم گرم کرتے رہیں گے باقی ہے کہ وہ دل میں تو سرانگ سے بڑا رنگ لب و دھڑا خم کرتے رہیں گے۔ جواب فٹن کی دھڑ اور جذباتی کلک ٹکٹ کا راز اسی دور تک محدود اندازہ نہ کر سکا کہ ملازمت سے یکدستی اور حصول آزادی کے بعد وہ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے وہ خواب شرمندہ تصویریں ہوتے ہیں انہوں نے آوازوں سے وابستہ کر گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس منزل کو کلکل کلن منزل کہہ کر کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے کہ۔

لیکن تو یہ کہ کتاب سے مراد کا سال جواب فٹن اور فٹن کی یکساں راہی ان کی آنسو، شکلات کا فرش غیر صحت ہوئی۔ ایک ایسی منزل کو جسے باہم قوم کی فضاؤں کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن کلن منزل کہہ کر انہوں نے تمام ملک کو بچھڑا دیا۔

تجربہ ہوا کہ ہر طرف بچھڑا نہیں شروع ہو گئی۔ ان بچھڑاؤں نے فیصلہ ہو چلتی کے اس احساس کو اور بچھڑا ہوا کہ اس طرح کیا ہے وطن کی دھڑوں کو گھمسنے "سودا کے کی آواز وہاں نہ گئی کی صورت اختیار کر گئی۔ مزہ لیاؤں کو حدیث دیکھنے کی صورت میں کہنے کا کرتا انہوں نے پہلے ہی بیکوئی قرار پانہوں نے فکر و فکر اور انہماک وہاں کے وہ چہرہ دھڑاتے بھی اصغر کھالے جن کے ذریعے وہ نہ صرف عام شہر، کے سے دور اڑنے پہلو دیکھ پلٹے تھے بلکہ اسی دھڑ میں ان کا کھارہ کرنا دیکھتے تھے۔ اب وہ اپنے ہار میں کوہ کر گئی تھیں دیکھتے کہ۔

چہرہ روز اور مری جان افلا چہرہ روز بلکہ درجہ کہنے کی زبان میں انہیں غصہ اسیا لے کا غلط سمجھاتے اور کہتے ہیں ۔

یہی کماؤ ملک کا یہ قریب گوشہ مجھ ہے مطلق ما تمام کہتے ہیں لب نہ وہ حوروں سے ہمدلی کا اہولی کرتے ہیں اور ہزاروں کے خلاف غرت کا ہر اگے ہیں جیسے بچھڑاتے تھے۔ جب بھی بکنا ہے ہزاروں میں حوروں کا گوشہ شاہراہوں پہ قریبوں کا گلو بیتا ہے آگاہی پہلے میں رہو کر آگاہی ہے نہ راج اپنے دل پر مجھے قہار ہی نہیں رہتا ہے بلکہ نہایت اگھم ہر زبان حدیث دیکھنے کے رنگ میں کہتے ہیں

اچیں ہے دل کے قرانی تمام کہتے ہیں وہ اک غفلت کہ جسے حیران نام کہتے ہیں

نواسے مرغا کو کہتے ہیں اب زبان بھی کھلے نہ بھول اسے انتظام کہتے ہیں ان اشعار میں وہی درپ ہے۔ وہی گہن۔ لیکن

نہ حوروں کا اگر ہے اور نہ دل کے بے قرار ہونے کا فکرو۔ کچھ کا یہی جیسا میں حوروں کو نظر کا یہی جلتی ہے کہ جواب فٹن کے لئے نہ سلامت سے حاصل کیا۔

اسی انداز فکر اور طرز گفتگو کو بھڑانے "سودا کے لئے ضرورت کے جواب فٹن کا ایک اور موقع تھا۔ کھارہ، لیکن ان کی کہانی میں صحت کے نشانی کھارہ وہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ ان کی راسخ پیدا کر سکتا تھا۔ اس کا ایک تجربہ تو یہ ہو سکتا تھا کہ شاعر کہ چاہا چاہا کر کے بچھڑا کہ چہاں میں اسی انا اور ہر راج کہ وہ غزل سے دھڑلے ہو کر انیم کرنا تاہر میں چاہا لیکن جواب فٹن کی کلک ٹکٹ نے ان کو یہ باتوں راستے اختیار کرنے سے باز رکھا۔ قدرت نے ان کو ایک ایسی دھڑ، چاہا تو بچھڑا لیکن کی راہ اور میرے میں اور بھی چاہا، چاہا تو اور ایسی تجزیس حفا کی گئی جس پر شعور میں چاہا ہے کا کام کرتی تھیں۔

ما غلو وہ جب بھی کرتے ہیں اس فٹن لب کی جی کرتی غزا میں اور بھی جسے ٹھہرنے لگتے ہیں وہ گھٹن پہ اندر میرے کی ہر گشتی ہے تو فٹن دل میں ہمارے اڑنے لگتے ہیں قہر دہ لے فیصل اور فٹن کو یہ گھرا ہوا ہزار چاہا ہی نہیں دیا بلکہ فکر و فکر کا ایک نیا ہیسی حفا کیا۔ جواب فٹن ایک حتم، طرہ لکھتے ہیں کہ نہ فٹن کی طرح اسی بلکہ بھی ایک فیاضی تجربہ ہے جس میں فکر و فکر کا ایک قہر ہمارے یہ غور و فکر کھل جاتا ہے چنانچہ مولیٰ قہر ہے کہ وہاں سے حب کی طرح تمام صیانت ہمارے تجرہ جاتی ہیں ہر گاہ کی پاشام کے دھڑ لگے آہاں کی چاہا ہے۔ ہمارے گھڑا کے بارے میں وہی پہلا سا تجربہ گھٹا آہا ہے۔ ہمارے ہیں ہمارے کہ ہمارے دینا کا دھڑ اور قہارے ہمارے ہیں ہمارے ہیں ہمارے ایک کی چہرہ کی اور ہمارے ہیں ہمارے ایک

کی دور اور فرما دینی کا کثرت پکھ اس طور مت چا  
ہے کہ نگلی ایک نو قیامت معلوم ہوتا ہے اور کبھی ایک  
صدی تک کی اسے۔"

اس دور میں جناب فقہ نے جو کچھ کیا وہ ان  
نئی تحریکات کا پیمانہ ہے۔ کیا جہ ہے کہ اس دور کے  
کام میں فی حقیقت کے ساتھ ساتھ افکار و جذبات کی  
کون کوئی بھی نظر آتی ہے اور حسیات کے تجزہ ہونے کا  
ثبوت بھی ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو

بجا ہے عدلیٰ اعداں تو ہلی پہ بکھا ہے  
 کہ میری مالک توحید سے بھر گئی ہو گی  
 چمک اٹھے ہیں ساحل تو ہم نے دتا ہے  
 کہ لب بحر تو ہے رخ پہ کھر کھری ہو گی  
 دوسری چیز جو ان فحش باتوں سے غصہ سو فاف  
 کوادی۔ وہ یہ۔ بچے کا گھٹا چھپا ہے۔ اب ان  
 بچے میں اشرافہ عشق کی سی ہے چینی اور ہے تھوڑا  
 نہیں ٹھہر آتی بلکہ ایک چمک چمک اٹھیں گا ساتھ دار و سلم  
 کو لکھی دیا ہے۔ اب وہ زندہ دار کوں دکھائوں سے  
 نہیں دیتے جو ان داروں کے حق سے نوا ہے مجھ  
 لینے ہیں بلکہ اب تو وہ ان داروں اور داروں  
 کبھی نہ ہاں سفر کرتے ہیں اور کہتے ہیں

ہست مہد بھی عاجز ہے کف کچھ بھی  
 ہونے کی قسمیری نہ ٹھیل کی نہاں ٹھہری ہے  
 اس لکڑے سے اگر دیکھا جائے تو یہ جب نفقہ  
 کی شاعری کے لئے کڑی آزمائش کا دور تھا۔ یہ دور  
 صاحب فکر شاعر پر احساسات کے سننے اور پہنچنے کا  
 ہے۔ تھے۔ اور ان کے تجربات میں نئے نئے ادب کا  
 حلقہ پور ہوا تھا۔ تجربات اور احساسات کے ان ذراچوں  
 نے ان کے جذبات میں اچھل پھل پیدا کر دی تھی۔ مگر  
 بات یہ ہے کہ اس دور کا نظم پر غور کریں گا تو محسوس  
 ہوتا ہے کہ وہ ان کی جسم کی جھلک سے تھک رہے تھے۔ یہ  
 ایک نوجوان کی طبیعت کی مقرر کردہ عکاسیوں کی  
 باتوں کو توڑا جا سکتا تھا مگر ان کی عظمت کے

[illegible]

”سوچ سہا“ کی دہائی سے گزرتے ہوئے ”سوچ  
= ”نک“ کی حوصلہ شکنی ہو رہی ہے۔

اس مجموعے میں چند شخصیں تو ایسی ہیں جو  
ہندوئی اور عیسائی اعتبار سے "سوجہ مبہم" کے ہم رنگ  
معلوم ہوتی ہیں لیکن زیادہ خصوصیات کا ایک مختصر رنگ  
ہے جو بغیر کسی احمقانہ شکل کا مخصوص رنگ ہوتے ہوئے بھی  
ان خصوصیات کو "سوجہ مبہم" اور "انجمنِ دانش" کی خصوصیات  
سے ممتاز و ممتاز کرتا ہے۔ اس دور کی حقیقت میں اب  
لکھنے کے ساتھ ساتھ جذبات میں بھی غمخوار پیدا ہو گیا  
ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ جناب فطرس کو مصائبِ زمانہ  
و مصائبِ کائنات کے لئے ہندوئی شعلوں اور دھواں  
کی ضرورت پیش آتی تھی۔ اب یہ زمانہ ہے کہ راستے  
کی ضرورت لگائی اور ضرورت کی دوری کا احساس بھی ان  
کے قدم نہیں اٹکا سکتا۔ اب اس میں اسی قدر غم  
مستوی پیدا ہو گیا ہے کہ وہ قصوں کے تاریک رخ کا  
بھی نہایت طبع پرانہ انداز سے تجزیہ کرتے ہیں۔

— *Journal of the American Medical Association*

2. The  $\mathcal{H}_2$  norm of the system is

میں نے ان کے خلاف ایک مقدمہ چلایا اور ان کے خلاف ایک فیصلہ سنایا۔

اس کے بارے مجھے ہمارے شہوتوں میں  
اپنی چھائی سیٹھ کا پھانے کا کوئی  
بے وقافی کی گھڑی ترک عادت کا وقت  
اس گھڑی اپنے سوا یہ نہ آئے گا کوئی  
ترک دنیا کا سال فطم عادات کا وقت  
اس گھڑی اسے دلی آواز کہاں جاز کے  
اس گھڑی کوئی کسی کا بھی نہیں رہے ۱۱  
اس گھڑی کوئی نے گا ہی نہیں رہے ۱۱  
اور نے گا بھی تو اس طور کہ بچے ۱۱ کے  
اس گھڑی اسے دلی آواز کہاں جاز کے  
ایک وقت ۱۱ تھا کہ وہ بے نقی نہایت مضمحل  
سے اعلان کرتے تھے کہ جب تک ان کے خون میں  
عادت اور ان کے نقی میں طاقت ہے وہ ملوث و  
مائل کوئی نے نکھارتے رہیں گے ان کی اب ان کے  
لب و لہجے میں دو گہری نہیں رہی کہ وہ جذبات کے  
کالم میں غوغا نہیں کھاتے بلکہ ایک تجربہ کار شاعر کی  
طریق ان کے سکوت و صبح و دوپہر سکوت و فانی حشر کا  
بازہ لیتے ہیں وہ ان کے کتب کی کارزار دہکتے ہیں۔

اس طرف سے کہ میں پتہ کوئی سامنے ہے  
جس نے آواز پہنچا دیا ہے میں سر کا نام  
ماں کی وقت سے جیسے ہے میں اس کا نام  
اب بھی تمام مجھے گی کہ اٹھ میرا ہو گا  
اب کبھی رات آئے گی نہ سونا ہو گا  
آہان اس لئے ہے کہ یہ جاوے غولے  
چپ کی زلف کے ساتھ کا ماں چھوئے  
دے کوئی حکم دیلی، کوئی پاس ہونے  
کوئی۔۔۔

”سوچ ميا“ میں اچھے اچھے لفظ کا سامنا ہے۔ اضطراب ہے، یہ یقینی ہے۔ ”سوچ ميا“ میں عشق حقیقی کا سائق ہے، گھر والے ہے، گھر والے وہ بے غریب ولی اللہ ہیں، لڑکے کو استیجاب دلی دے، غصے سے کہتے ہیں، بلکہ قرآن میں اللہ کے حکم کے تحت جھکے کہنا ہے۔

دل جان کرتے ہیں مگر ان کے طبع میں حق و باطل کا  
 ثابت ہوتا ہے اور نہ سمجھا سکتا کہ حضور - برخلاف اس  
 کے اس میں باروزی بھی ہوتی ہے اور دعا بھی - اور  
 چاہے کچھ کہہ دیتے ہیں مگر اسے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اور صاحب  
 سے بدل ہو کر چلتے ہیں جس جگہ جہاں جہاں مصائب  
 کی شدت لگتی جاتی ہے تو ان کی غمازی میں  
 ایک گونہ سمیرا پیدا ہوتی جاتی ہے۔ یہ وہ عالم ہے کہ  
 جب ان کے دل پر کوئی ضرب لگتی ہے تو اس کو درد  
 آگیا کہنے کی بجائے فصل سکوں سے تعبیر کرتے ہیں  
 اور لوگوں کو بھی دہم کالے کا حضور دیتے ہیں۔

ان کی فصل سکوں چاک گریاں ہوا  
 صل کے چاک کوئی دلم کئے یاد کئے  
 وہ سو جو سما کہ ہوا آئی ہے  
 کھل کے دلم کوئی بھول کئے یاد کئے  
 یہی حقیقت ہے کہ یہ بات کہ یہی غرض اور غری  
 یہی غرض ہے کہ اس نے کہا کہ یہی صاحب نہیں اور  
 یہی غرض کی خصوصیت کو کہ ہیں۔ لیکن صاحب غرض کی  
 حقیقت ہے کہ یہی حالت سے سمجھ کر کرنے کی  
 خواہش نہیں بلکہ حالت کا کہ اس کے کچھ بیان پہلے  
 میں تجویز کرتے ہوں یہ قدرت حاصل کرنے کا جذبہ  
 کا غرض تھا تو ہے۔ اسی طرح لہجہ کا دھماکا ہے اور  
 جذبات کا غرض اس کے حرم کی صلاحیت کو کہ نہیں  
 کرتے بلکہ ان میں حرج و مفاسد اور قوت کا باعث  
 بنتے ہیں۔ جذبات کا بالکل قطع ہو سکتا ہے۔ مگر چاہے  
 کم نہیں ہو سکتا۔ صاحب غرض کے یہاں جذبات کی  
 وہی شدت اب بھی موجود ہے جو "فصل فرادی" میں  
 بتائی جاتی ہے مگر قدرت کو کہ اس کے ساتھ ساتھ اس میں  
 حضور و سابقہ اور کیا ہے یہی غرض کی ہر گز اور غرض۔  
 صاحب غرض نے اپنی زندگی میں یہ بات دیکھی و  
 فراد دیکھے۔ فرج میں وہ کہ انہوں نے کھات کھات کا  
 اپنی غرضیں یا بلکہ غرض انسان کی بارزانی کا غرض اور بھی  
 کیا۔ صاف کہ چاہے اختیار کیا تو یہ اس کے لیے کیا

آئینہ ہو کر ان کے سامنے آگیا۔ وہاں سے لے کر  
 تا کہ وہ گناہ کی جرم میں دھرے گئے۔ صاحب ان  
 سب باتوں سے لگے بچنے لکھیں لیکن ہاتھ کے سختی قرار  
 دینے کے لیے کہ یہ صاحب غرض کی وجہ سے غرض ہے کہ وہاں  
 میں سے بھی ایک اور حیات سے خوش وادار سے سے  
 کہیں وہاں نظر نہیں آتا ہے بلکہ سب کو کتاب زندگی  
 کے مختلف باب تصور کرتے ہیں اور اس کا حاصل اس  
 زونے لکھ کر قرار دیتے ہیں جو ان کی بدولت ان کو  
 حاصل ہوا یا اپنی ایک نظم "موسم" میں کہتے ہیں۔

مکہ شرم زندگی ہوا  
 شرم کس طور سے ادا کئے  
 دولت دل کا کچھ شرم نہیں  
 غرضی کا کیا کچھ کئے  
 جام پہنکا تو جہم کی فصل  
 منہ لطف لکھ کر کئے  
 ایک چاہے تو کھل گیا کھل  
 دلی کشم غرضی ہوا کئے  
 غرضی کہ صاحب غرض کے یہاں جذباتی اور غرضی  
 ارتقا ایک جاری و ساری غرض کی صورت میں ہوتا ہے۔  
 یہ تو ان کی ہر غرض میں اس ارتقا کی نشاندہی کرتی ہے  
 لیکن اس کی واضح ترین مثال صاحب غرض کی وہ غرضیں  
 ہیں جو انہوں نے غرضی کے موضوع پر لکھی ہیں۔ یہ  
 ایک ایسا موضوع ہے جس کا ان کی زندگی سے گہرا  
 تعلق رہا ہے اس لئے شاید ان کے جذباتی ارتقا کا  
 ہر وہ ارتقا اور ہی غرضوں میں ہوتا ہے۔ اس موضوع  
 پر ان کی مکمل نظم "فصل فرادی" میں بتائی ہے مگر وہاں  
 تاہم اپنی غرضی سے آگیا جاتا ہے اور صاحب سے وہاں  
 ہو کر نہایت جھجکا ہونے کے انداز میں کہتا ہے۔

ہرے بے خواب کا زون کو مشکل کر لہ  
 اب یہاں کوئی نہیں۔ کوئی نہیں آئے گا  
 اس کے بعد صحت میں "پاؤں کے تھوڑے سے  
 انہوں نے تقریباً ہی جذبات کا انداز کیا ہے۔ مگر یہاں

وہ سمجھتے ہیں بلکہ اپنی غرضوں کو کہ اس سے انہیں  
 غرضی میں وہاں سے غرضی میں ہیں۔  
 اس قدر بڑا ہے اسے جانا جاتا ہے۔ لکھا ہے  
 دل کے زور سے اس وقت کی یاد دینے کا  
 ہوں گام ہوتا ہے۔ اگرچہ ہے ابھی کچھ فراق  
 داخل کیا ہوا کہ وہ آگئی گئی دلی کی حالت  
 جیسے اور میں اس کی نظم "فصل فرادی" ہے۔  
 اس کا انداز ان دونوں سے اچھا ہوتا ہے۔ اس میں حق  
 تاہم اپنے بے خواب کا زون کو مشکل کرتا ہے اور وہاں  
 محبوب کے سامنے میں اس حدت کھات ہے بلکہ کئی  
 اس زون میں ہر روز کا زون کو مشکل کرتا ہے روز عاقبت  
 دلم کرتا ہے

کھل کر کئی دہرہ میں ہر روز کا زور  
 صحت روز عاقبت دلم کی میں نے  
 ہر روز کہ موضوع کی یہ مگر صاحب غرض نہیں اس  
 تاہم کہ باعث بھی ہے کہ ان کے پاس حرج  
 کہ کہنے کو اپنی غرضیں اور اور اپنی اپنی دلی اور  
 رہے ہیں لیکن یہی غرضوں کی غرض سے خوب تر کی  
 جہاں کی غرضی بھی کرتی ہے اور یہی غرض کرتی ہے کہ  
 حالات کے ساتھ ساتھ ان کا اور یہ غرض اور اب اور بھی  
 تبدیل ہو رہا ہے۔ اس سے یہ فرج نہیں میں دل  
 جاتی ہے کہ ان کے کلام میں یہ ارتقا ایک جاری و ساری  
 غرض کی صورت میں جاری رہے گا۔

صاحب غرض اور غرض کے متعلق بہت کچھ کہا جا  
 چکا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان کے ایک ہر ہر مسلم  
 ہے کہ "فصل فرادی" سے "موسم و سنگ" تک  
 صاحب غرض نے جو غرضیں لکھی ہیں اس نے  
 ہر اسے غرض کو کہنے سے گریباں اور ابھرتے غرض  
 ہر اسے غرض میں اس کا کیا ہے اور بھی ہے کہ انہیں  
 اور اب میں ایک سنگ کی حقیقت حاصل ہے۔

عمل کا شکر

مرفورڈی کے اہلکار ہلے کے دھوکے پر معلق شو میں  
وال کر کوئی گھون میں ملوک دین اور کر کوئی کاٹھے پیدا آ گیا





خدا کی کئی راہ ہیں کئی ہیں  
جو کہ راہ سے نکلے تو سب راہ چلے

نیل اکبر

کوئی ہم کی خاموشی آپ نہ دے  
کہ نہ کہ ہم کو فریاد نہ دے



کئی گاہوں سے نکلے کر ہمارے ہم  
درجہ کے درجہ کے گاہے

آج کل ہر گاہی ہیں ہمارے  
گاہی انکار کرتی ہے



ہر پہل پہل کھلے، سوکار چلے  
 کسی کی دہ کے صحن، بیان ہا چلے  
 نہیں ہے زلم قنار کو ادا، رہا  
 ہوائے درد سے کہ وہ کہ ہا ہا چلے  
 یہ راہ شوق ہے، اس کے لب تلخ ہے  
 یہاں پہ کون ہوا، پاندہ کر قرار چلے  
 بھوں کو سوائی نہیں رسوم جہاں  
 یہاں بھی کاش، کوئی رنج سازگار چلے  
 پاندہ کاٹیں، کھلیں پہل، کھلیں جہاں  
 "چلے بھی آؤ کہ کھلیں کا کھار چلے"  
 ہوائے فز ہے ہا قرض ہا، کچھ بھی کسی  
 سو ایک جہاں، چاہوں پہ وار چلے  
 میں کسی گراں پہ رکوں انہیں کا نوحی  
 دل جڑیں سے، ترے سارے اقدار چلے  
 شب وصال میں سب کچھ ہے، وہ بات کہاں  
 شب فراق میں شب لطف اٹھار چلے  
 ابھی مہی سے صبح بہار گزری ہے  
 بہت لمبی بہت سوکار گزری ہے  
 کسی کو قصہ رنج و اہم عطا کیا  
 اگرچہ ریت مری انگار گزری ہے  
 یہ وصل ہا کی خواہش ہے ہا بھوں بھرا  
 ہر ایک رات سر کسے ہا گزری ہے  
 وہی خیال، وہی غم، وہی حار ہے  
 "متم آئے ہو، نہ شب اٹھار گزری ہے"  
 کسی کے مہی فرداں سے آگے بڑکی ہے  
 مہی سے ہا صبا ہے قرار گزری ہے  
 ابھی تو اوپے حارے نہ پاندی ہی اٹل  
 ابھی کہاں پہ صبح اٹھار گزری ہے  
 انہیں جو عیار سے شہد ہا لیا تو نے  
 زلی یہ بات انہیں ناگوار گزری ہے

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

غم نہ سے بھی حارم پہ کے جاتے ہیں  
 ہر بھی ہم شوق سے یہ زہر ہے جاتے ہیں  
 اس قدر غم پہ بھی ہوتے جاتے ہیں؟  
 ایسے تھیں بھی دنیا میں جاتے ہیں؟  
 "اچھا صبح ہے کہ ہم ہر بھی جاتے ہیں"

اختیار وہ بھی کھ بیٹھے  
 ہائے کس ہے وہ کے ہو بیٹھے  
 اک جہاں اپنے مال پہ دیا  
 آج ہم اک جہاں کو رہ بیٹھے  
 جاتے کیسی ہے قراری ہے  
 جاتے کیا چیز ہے جو کھ بیٹھے  
 تیری باتوں کو مرا جہاں کر کے  
 دل میں کاتے کی بیہوش بیٹھے  
 ہم تری ہے رتی کے طوق میں  
 سکتی۔ آندو رو بیٹھے  
 تیری چاہت میں کیا ملا ہم کو  
 دل ہی ٹاپ چیز کھ بیٹھے  
 ہم کی پریش کوئی تھی تو نصیب  
 ہم تو کب سے نصیب کے ہو بیٹھے

☆☆☆

یہ جو چروں پہ لئے گردِ اہم آتے ہیں  
 یہ تھارے ہی بیٹھاپے کرم آتے ہیں  
 ہاتھ کھل کر بھی نہ وہ جسم کی ہمتی کو بچا  
 باز میں کم ہیں تو جاپ بھی کم آتے ہیں  
 تو نچا تیری مساحت کی کہانی کیا ہے  
 میری راہوں میں تو ہر کام پہ تم آتے ہیں  
 غصت شب کے کبھی اپنے درجے کو نہیں  
 ہم اٹھاتے ہوئے سورج کا ظم آتے ہیں  
 ٹول چروں پہ چھانٹے نہیں آتے ہم کو  
 لگاؤں کے دگ ہیں ہم، شرم میں کم آتے ہیں  
 وہ تو بیٹھتی کوئی سوسکا ہوا ہوتا ہو گا  
 میرے آگہن میں کہاں ان کے قدم آتے ہیں

☆☆☆

تھارے خلق میں نہ زندگی گزار چے  
 یہ ایک قرض تھا ہم ، جو ہم ادھر چے  
 جو تھارے کوئی عکس نہیں ابھرا  
 جس عکس کا ہلوں پر بھی اختیار چے  
 اس اک لمحے سے عہد ہے آدھی کا دھار  
 جہاں میں کاش صحت کا کاہل چے  
 کب بزم ہے بزم جہاں بھی اسے حاصل  
 خوشی خوشی یہاں آتے تھے سوکار چے

☆☆☆

کوئی سب تو ہے کہ جی ہاکم و ہرور  
ہم ہی بہک گئے ہیں کہ حولِ سر میں ہے  
داناں تو کیا چور بھی ہیں گھر کوٹا میں  
رہی نصائے خوف و غم کیوں نگر میں ہے  
بچے کی رہ بھر بھی کوئی سوچا نہیں  
طوقاں کی چلی کوئی اگرچہ خر میں ہے  
دیکھا کب نہ ہم نے گریباں میں بھاگ کر  
دوڑی اگرچہ ہے کہ کبھی کبھ نگر میں ہے  
بال ہے ہے قرار تو دانی ہے نہ سکوں  
رشتہ چپ منگر و منگر میں ہے  
چاندِ عظیم لپکتی جہاں میں نہیں رہا  
میل بھر بھی کھلی کھلی ہر میں ہے

☆☆☆

بارغ میں جیسے دے ہر گلِ حلا کا رنگ  
بھ کو گئی ہے آبی غمزہ غار کا رنگ  
چاند نے اس لڑکا دھما سے شہنا سیکھا  
خراب سوچ کو بھلا دھوا غاروں کا رنگ  
بھول سے خوشبو بازی اور مجھے یاد آیا  
حیرے بھڑوں سے چھٹکتی ہوئی آباد کا رنگ  
شام کے آخری لمحے نے ادا کا رنگ  
بھ سے دیکھا نہ کیا رات کے آگاہ کا رنگ  
اُپ بھانے سے ٹھٹھکھٹک گیا چھانے گی  
سارے بھولی میں پہچا ڈرے انداز کا رنگ  
ہاں بھی رات کا احوال بتاتے ہیں مروت  
راز بھی کھول رہا ہے سرے ہر راز کا رنگ

☆☆☆

قرار دھونے لگے تھے ہے قرار ہے  
ڈرے دیار کی یہ شب بھی ہم گوار ہے  
خا ہے کھل کی داناں پہ کھڑکی ہے  
نمر نہ دل پہ کبھی اس کا اختیار ہے  
یہ اور بات وہ انکوں کی بات نہ کہے  
اگر نہ دل کے چاسیر تو ہا ہا ہے  
ہوں نے سب سے محبت کا لہجہ دھار لیا  
تو سٹلے بھی عداوت کے ہے چور ہے  
گھوٹے عشق تو در و درن تک آہٹا  
کہاں تک حیرے وعدوں کا اعتبار ہے  
ڈرے دیار کی نگین میں آج بھی دھندلا  
قدم قدم پہ رکے رک کے ہا ہا ہے

☆☆☆

موسم بہت طویل ہوئے الجھڑ کے  
پانی گزر نہ جائیں کبھی دن بھر کے  
دل پر گزر رہی ہیں اگرچہ تپانیں  
ہم شکر ہیں آج بھی اس ٹکڑے کے  
لکھتے رہیں گے ہم بھی جوں کی بھانجیں  
ہم کو ذرا دھوکا، سناٹا ہیں ہمارے  
پھر اطمینان بھرے کی مہمانیں ہیں ہمیں  
ہم رہتی ہیں ہی تو مہمان ہیں ہمارے  
ماہر بھی تو دیکھ دل باتوں کے دیکھ  
ہم بھی اسے ہونے ہیں علم و مدار کے

جب سے اس دل میں وہ تصویر جاں خمیری ہے  
بھرے جھٹول پائی دن سے سولی جاں خمیری ہے  
جو شب و روز گنتی تھی میرے پیلو میں  
ہائے وہ سوڈی دل چاہے کہاں خمیری ہے  
وہی کی شب بھی گریں اس ہی رہے ہیں مجھ سے  
ساتھ بھولوں کے میرے گھر میں لڑائی خمیری ہے  
وہ وہ دل کی غلط یاد رہے گی مجھ کو  
جو میرے درد محبت کی رہاں خمیری ہے  
وہ وہ دل میں تو بھر دل سے دھوئے اٹتا ہے  
آہلی عشق کبھی دل میں نہاں خمیری ہے؟  
پھوڑ کر بیٹا نظموں میں گھس میں پہچا  
وہ سے شافروں میں نہاں رہتی تھی خمیری ہے  
اگر ہے میں کا میرے دل کی محبت یاد  
اس کی یاد اس کی یاد سدا آفت جاں خمیری ہے  
فلت وہ ہے، بھلائی ہے، سنا ہے  
”خمر کی شب ہے تو کیا فتنہ گراں خمیری ہے؟“  
زندگی درد کی خمیر بنی ہے قادری  
جو گزری زخم محبت کا جہاں خمیری ہے

بچتے بچتے مجھے طبع نے کیا آہل شب  
”کون کرتا ہے وہ عید وہاں آہل شب“  
وہ دیا شام جاتا تھا وہ بچا آہل شب  
دل سر شام بچا تھا وہ بچا آہل شب  
کہ تو چاہا مہمان کی سر سے پہلے  
پہل تھا وہ سر شام کھا آہل شب  
چپچپے کیلے آئی ہے مجھے بار شام  
کون پہلو سے میرے فتنے کیا آہل شب  
ظہور شب میں سو ست کبھی داب کیا  
ست وہ فتنہ تاروں کا بچا آہل شب  
پھر دھانسی کو بھی مہمان نہ رہی جھک کی  
داب لکاب کر میں جانت کھا آہل شب  
سنا کاٹ کے سر سے وہ دنی یا مہمان  
یاد فرخ کی طرز تھی وہ بچا آہل شب  
کھول کر خواب روپے تیری چاب میں نے  
وہ تیری یاد کا ڈنکر کیا، آہل شب  
یاد آتیں ہے مجھے فتنے تاروں کا بچا  
کئی امساں میں کیا ہے بچا آہل شب

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

ہم پر کیا ہیں فیض کے نقش قدم ہوئے

ہم غمور فیض پہ شعور سمجھ ہوئے  
ان پر مٹا دیکھو کیسے رقم ہوئے  
حسن جہاں کو جہر آئینہ کر دیا  
جذبات قلب فیض کے دہاں میں ضم ہوئے  
کھل کر لے نہ فیض کو شہرت کام کی  
دست مہا سے شعر ہر دم رقم ہوئے  
دیکھا سلف کو چاند شامی غنیمت پہ جب  
ہم پر نوازا فیض کے غنیمت قدم ہوئے  
ہنس جا کر جا کے بیٹھے ہیں اچانک ہمارے  
حم بھی شریک مجلس اہل اہم ہوئے  
چٹکا لگا کام کا ایسا کر ایک دن  
چاہ کر کام فیض پر چار ہم ہوئے  
ہمارے کام کا طقت پہ مائل گیا  
جہاں پر مری گئی فیض کے اہتمام دم ہوئے  
جس دن سے فیض ماضی تک دم ہوئے  
اہل ادب کے قلب پہ کیا کیا حم ہوئے  
ایک دہاں کو دیکھا غنیمت نہ تھا مجھے  
چٹکوں سے ایک لوت کے دامن پہ تم ہوئے  
قلمی جہاں سے فیض کا رشتہ جہاں کا  
حاکف جہادی سر کے لئے بھی کم ہوئے

☆☆☆

کام کوئی بھی نہ کر پائے ہیں دہائی کا  
ہم ہمارا ہم لے بیٹھ اسی ہر چاہی کا  
ٹپٹے ٹپٹے میں مہارت ہے ترے ماضی کی  
تاکہ پھولوں کے لب پر قری دہائی کا  
انھیں اٹھتی ہیں جب اس کے گرے گزریں  
یہ صلہ ہم کو نہ اس سے طعنائی کا  
اصل مجھے ہم تو چہلوں کی لوہوں میں غور بھی  
سج تک ساتھ دیا ہے شب تہمتی کا  
دلم ہم نے نہ دیاں ہوئے دے ہیں دل کے  
نکھ تو دیکھا تو ہم اس کی سہیلی کا  
گھر سے جھرتے ہر شخص لکل آتا ہے  
اک شام بھی نہیں شہر میں سوہیلی کا  
چاک کر دالی ہیں پھولوں نے تباہی بکری  
شہر پہنچا جو جہاں تک قری دہائی کا  
جان ہائی ہے چار اس کی بھی قدر کریں  
نکھ تو سارا ہو سرد اس کی پائیلی کا

☆☆☆

بہت طویل بہت سوگوار گزری ہے  
ترے بغیر حیات اچھا گزری ہے  
ابھی سے بیٹھے دیکھتے گئی جہاں کی دشمنی  
ابھی تو خبر سے فصل بہار گزری ہے  
اک ایسا وقت بھی آیا ہے اس کی مہارت میں  
جفا کی طرز وفاق ہمار گزری ہے  
یہ دہر ناکہ موسم کے ساتھ مغل شہر  
حیات صورت برقی و شرار گزری ہے  
فیض میں ہوئے جہاں کیسے آگے تیار  
ہم سے آج خیم بہار گزری ہے  
جہاں میں لالہ و گل کو خبر ہے اسے آگے  
جو خانوں پہ سر شاہ گزری ہے

☆☆☆

مجھے ہے یاد وہ سرد و چار کا موسم  
 چلتے آئے تھے بار بار کا موسم  
 تارے تارے دھڑکے تھے تارے گزرتے تھے  
 صبح کی شبنم تھی ہے تارے کا موسم  
 دھڑکی تھی ہر فرصت تو دیکھ لیتے ہم  
 تارے آئے تھے صبح تارے کا موسم  
 ہر ایک سمت میں خوشبو نکلتی تھی اس نے  
 گو چاند دھڑکے تھے گل پہ تارے کا موسم  
 ہر گل کی پتلتی ہے تم نے کہا تھا وہ تارے  
 ہل نہ جاتے تھے اپنے تارے کا موسم  
 ہم اپنی مرضی سے جیتے یہ کیسے تھے  
 کسی کو بھی نہ مارا تارے کا موسم  
 کراہتے تھے ہی تارے کہ کوئی آتا ہے  
 خوشی کے ختم ہوا تارے کا موسم

ہر چہرہ کہ خاموشی و کم آواز بہت ہے  
 گھر گھر انسانوں کی آواز بہت ہے  
 دیکھتے ہیں سرے پاؤں نہ پہلے کی سکت ہے  
 کیا ساتھ میں اسے دیکھتا کہ تو بھر بہت ہے  
 انسان ہے، اور یہ ہے، اور ہے، نہ ہلک جاتے  
 چاند بھی مرا تارے بہت ہے  
 موسم ہر کوئی، تارے دھڑکے یہ گل دھڑکے  
 اسے کھپے تھا انہوں کی یہ تارے بہت ہے

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

### قربوں کی تلاش

حیرت سے کہہ میں اسے جان چاہی سے حق نے وہ کیا کیا  
 رہا یہ تیرا کرم ہمیں تیرے ہر حق کو پہلا دیا  
 تیری کیا دعاؤں نے اسے ہمیں خاک میں بھی ڈال دیا  
 "تو کھلا ہوا کہ ہم کھل دیں، دچہ دینہ کھوا دیا  
 جو بچے ہیں تنگ سینہ تو جنی مارا مارا لٹا دیا"  
 ذرا غلط چلی کے قصدا سے میرے حال پر مٹی نظر کر  
 انہیں آج رخصت عام وہاں میرے ساتھ سڑ کر  
 میرا ساتھ وہ میرا ساتھ وہ کہہ رہا تھاں سے گزر کر  
 "میرے ہاں گھر کو کوئی ہے وہ سب دشمنی کو خیر کر  
 وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج نکال دیا"  
 کہ خطہ کرے ہے گل، کوئی شور و شبن و دھواں نہ ہو  
 میری لاش دیر نہیں کہ کوئی تک نام نہ رکھیں نہ ہو  
 کسی قلب پر، کسی دھن پر میرا بار، بارگاہ نہ ہو  
 "کہہ دیجیے یہ سر کل میرے ہاتھوں کو لگاں نہ ہو  
 کہ قہر و حق کا ہاتھیں میں مرگ تم نے بھلا دیا"  
 حیرا ذکر تھا کہ شہینہ، میرا حال تھا کہ قہر و حق  
 وہی شب تھی میرے چہرے کی ہر بدل میں تھی وہی بددینی  
 حیرت دل کی تھوڑی سی تھی میرے سناہ پہ چوٹی تھی چوٹی  
 "ابھر ایک طرف کہ کتنی ہیں لاکھ ہزار تھا کتنی  
 جو کہا تو میں کے آوازاں نہ کھاتا چوہ کے سنا دیا"  
 میرے تم میں ایک دہاں، وہ نے تیرے ہم کو گھر گھر  
 تیری قربوں کی تلاش میں میرے ہاتھ کھر کھر گھر  
 وہ چاہتوں کے گلاب تھے وہ دہلی دہلی پہ بھر گھر  
 "ہو کہ تو کو اس کے ہم نہ پہنچے تھیں نہ گھر گھر  
 وہ پار ہم نے قدم قدم تجھے یاد کر دیا"

مردم نگلی کو نیا کیوں نہیں دیتے  
 تم زلف سے زلف سے بنا کیوں نہیں دیتے  
 شہرہ ہے سہیلی کا آفاق میں ساقی  
 رندوں کو بلا آپ بنا کیوں نہیں دیتے  
 اترام صحت لیجئے وہ بیدہ گری کا  
 منصف ہو تو ہر دار دہا کیوں نہیں دیتے  
 اغیار پہ اٹھی ہیں وہ دلدہہ لگا ہیں  
 یہ تجھے قامت کے ملا کیوں نہیں دیتے  
 دم متعلق و صحت کا بھری الہا ہوں، دہا  
 شمس خاند میں تم آگ بنا کیوں نہیں دیتے  
 دھوئی ہے کاش کا نہیں جوتہ رکھا کر  
 ریکہ گل، دھوڑا دہا کیوں نہیں دیتے  
 ساقی یہ زلی تم تھری یاد رہے گی  
 چھت ہی سہی آگ بچھا کیوں نہیں دیتے  
 مرطب نظر کر زلی تار بجی شب ہے  
 ماضی پہ کوئی زلف کرا کیوں نہیں دیتے  
 طاہر یہ کتاب تو نہیں خوب ہے ہاں  
 تم حالی دلی دار بنا کیوں نہیں دیتے

### فیض کی یادیں

فیض تھا صبحِ حق کے ایک پردے کا نام  
 ہواں مندر کے چہرے میں ایک دہانے کا نام  
 "کہا تو لہو لگی ٹہن گھٹیل کی پہلا  
 کون اسے گا غلام کو اب زلف کھرانے کا نام  
 ملک صحرانہ میرے کرم کا شہر ہے  
 آگیا اہل کے لب پر ایک پیکار کا نام  
 سیکہ اس سے موات، اس کے دم سے جھجکا ہوا  
 اب ٹھیک کے گل نہ لے گا کوئی پانے کا نام  
 "وہ یہاں تھا تو اسے ہی ہم بھی سمجھا کیے  
 "وہ نہیں تو کون ہلے آج ہراسے کا نام  
 شامی افلاک کی بندش کا پہلا تو نہیں  
 "ہے اپنی آگ میں چپ چاپ جلی جانے کا نام  
 تم تو ہو کھلم، عاصی! لیکن اس کے فیض سے  
 لوگ شاید جان جائیں ایک اہلخانے کا نام

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

اب یہاں کوئی نہیں آئے گا

”سب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا“  
کوئی آئے گا بھی تو اور پرچاں ہو گا  
صبراں آنکھ نہ کھلی، نہ ٹھاسا چہرہ  
ایک بے نور سی نو رات کی بھم ہو گی  
اور دل خاک ہے سڑے سروں سے ہو گا  
راستہ نور کی چاہ نہ لے گا کوئی  
نہ کوئی نام سمجھا ہے ٹھاسا ہو گا  
نہ کہیں حرف مسکائی ہے گا کوئی  
ایک بے حس سی خدا اس کو نے گی ایسے  
چھ بے شر لمبیاں کا سطر کوئی  
اپنی سالنوں کے جھلسلے پہ پرچاں ہو گا  
اور یہ حرف یہاں گھر کے چا جانے گا  
”سب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا“

☆☆☆

پھر آئو بہار کے انکھن ہونے تو ہیں  
پھر مڑے حیات کے آسماں ہونے تو ہیں  
منزل تک چلیں کہ دیکھیں وہ میں مسطر  
ہجوم رفاقتوں کے یہ بٹاں ہونے تو ہیں  
رچا چا ہو دل کا نو رات پھر تو کیا  
”مختل میں بکو چورا فرداں ہوئے تو ہیں“  
چیتے دسے شراب لم ٹھکے یہاں  
ہیں بھی لٹاؤ زیست کے غواں ہونے تو ہیں  
گزشتہ ہیں دیکھ دو اہم سے فقر تو کیا  
اب کے دستان پار کے مکان ہونے تو ہیں

☆☆☆

دکھ لیا سب نے حقیقت اپنے افسانے کا نام  
اب یہ جانا تک میں فریاد ہے دیکھانے کا نام  
مچھرت ہو گئے سب شمع نے جب لٹی ہو نام  
دھم کاٹوں کو لگایا، نس کے پھانے کا نام  
دل کے کیچے ہیں ”سب بکو پا کے کوہیے کا نام“  
آگنی کیا ہے؟ سب کھل ہوا پانے کا نام  
اک طعنی داجاں کا تذکرہ ہے آج، فکر  
فمن ہے اب وہ نے ہونے ہڈیاں کو بھانے کا نام  
”نور غفلت سے کہ بچار غفلت کو جلائی  
دگر بدست نہ کر اور لے نہ نکالے کا نام“

☆☆☆



میں نے

دیارِ عشق میں کج درخشاں ہم بھی دیکھیں گے  
 نگارِ آرزو کا رونے جہاں ہم بھی دیکھیں گے  
 تھکرا اسے دلِ دشمنی کہ وہ دل آئے وہاں ہے  
 سرِ حریف وہاں بھی لڑواؤں ہم بھی دیکھیں گے  
 اچھے ہیں جو ہلے ہوا، دشمنیت کی گہاں سے  
 کبھی راضوں میں وہ خدو ملیاں ہم بھی دیکھیں گے  
 قیامت کے عرق میں تر کسی دلِ بے وفاں  
 گلوں ہوئی چھین کا کٹا ہواں ہم بھی دیکھیں گے  
 ظہیرِ اہم کہ بچ چھٹے ہیں تھوڑا جنت پاتی ہے  
 جیس دیوارِ شبہ روئے حریفان ہم بھی دیکھیں گے  
 وہ آخر تاج کے یاد سرِ متعلیٰ وہی زلفاں  
 خار سے آزمائیں گے دلِ دہاں ہم بھی دیکھیں گے

عجب حال دیکھ یادیں ہونے لگی ہیں  
 ہم آج سے بارہ گھنٹوں ہونے تو ہیں  
 گفتگوں میں احاطہ کہاں ہونے تو ہیں  
 سطرِ حرام بارہ گھنٹوں ہونے تو ہیں  
 بے انتقاد دیکھئے کب ہو شبِ احوال  
 آج اور یہ موسمِ بارش ہونے تو ہیں  
 بھینس ہیں انک بارش کے فراق میں  
 ہم زوٹاں موسمِ بارش ہونے تو ہیں  
 کھڑے ہم بھی آج سرِ چھلی ٹٹیا  
 صحتِ سرائے نے گھاس گھاسے تو ہیں

کیا جاں چاہی کمرے پر چٹائی دل کا  
 رازوں کو سب علم تھا چٹائی دل کا  
 توفیق کی تو سے لئے راز و گراوی  
 دیکھا ہے بہت حوصلہ زندان دل کا  
 باہر تھی ہے صرا صرے اندر بھی ہے صرا  
 آنکھوں سے میاں حال ہے پہلے دل کا  
 وہ بار ہوا وہ جام چاہا کٹام شک ہے  
 سناں ہے بچ ہے سرو سائے دل کا  
 جب آنکھ کھلی کشمکش جاں روپ دی تھی  
 اعلان نہ تھا کچھ نہیں چٹائی دل کا  
 کھسا نہ کوئی حرف دل آزاد کہ اس پر  
 کھل چلتے نہ سب جاں پر چٹائی دل کا  
 سب شہر برید نظر آنے کا صحت  
 ایک طرف ۵۵ ہے یہ عربانی دل کا



۱۰ وقت قریب آہنگا لب  
 حجاب نکالے جاگے کے  
 دربان بنائے جاگے کے  
 قزاق لالے جاگے کے  
 حورو کسانوں کے چور

اس بات کے شائبہ ہیں باد  
 "تب وقت گمائے جاگے کے  
 اب چنچ اچھالے جاگے کے"  
 لام گزشتہ کی باتیں  
 سب حقیقہ و دیکھی جاگے کی  
 اب صدمہ کہیں کے پھر بھی  
 زخموں میں ڈالے جاگے کے  
 جب ہلکے کے ہاتھ سر پہ لکھ  
 چاند وازیری کے قدموں پہ  
 ہر قسم ہی تازہ اہل ہر  
 کس حور وہ ڈالے جاگے کے  
 حلقہ خدا کی جھڑکی پہ  
 اک مٹر ہا پہ جانے کا  
 جب مرنے پہ فقر مسکوں کے  
 بدمذہب یہ ڈالے جاگے کے

☆☆☆

دیکھ بیٹ میرے بیٹی میرے اہلکار کا رنگ  
 سر پہ سر پہ لب ہے مرے جسد کا رنگ  
 صورت ایک سرور، نگاہ ہاروں  
 صورت شمع طرزاں، میری آواز کا رنگ  
 دل کی ہستی میں کی چاند ستارے آڑے  
 کیا کہوں، کیا تھا فرسے وہ کے آواز کا رنگ  
 ادا ہے قصے کے لافروقی چل جاگے کے  
 شرط یہ ہے کہ چل دے کوئی اس سلا کا رنگ  
 چاند سے پوچھ خداؤں کے اترتے چہرے  
 رنگ میں احمق خرچے ہوئے ہم راز کا رنگ  
 شہر حقیقی میں سہانے گئے ہمارے عقل  
 ٹام زخموں میں ادا ہر آبی انداز کا رنگ  
 کچے ہونے کوئی حشر دم رخصت کا ہاں  
 آف وہ لکے کی جھنک، ہائے وہ گویا کا رنگ

☆☆☆

۱۱ سچ لے گیا قول و قرار کا موسم  
 تمام سر ہے اب انتظار کا موسم  
 حیات اب بھی گزری ہے اسی وہاں ہے  
 وہی ہے جہاں وہی انتظار کا موسم  
 ابھی تو غور سے ہی فارغ نہیں ہیں اہل ہلال  
 ابھی کہاں دل امید دار کا موسم  
 اسے بھی وعدہ فراوانی نہیں دیتی ہے  
 ہمیں بھی داس نہیں اجار کا موسم  
 جہاں کرے گا بھلا، پھول بھی گلشن کے وہیں  
 کسی کے بس میں نہیں ہے بہار کا موسم  
 کبھی تو موت کے طعنے ہیں کی نہت آنے  
 سد بہار ہے عت سے دار کا موسم  
 ہم اپنے آپ کو جتن چل کے دیکھیں گے  
 چل گئے نہ اگر کوئے یاد کا موسم

☆☆☆

لوگ اس دنگ سے کسی نام بھی کم آتے ہیں  
ساتھ سے ذرا ہلے چلا کہ ہم آتے ہیں  
اور تو بکھڑی، مٹا قری اٹھنے سے ہمیں  
لے کے مراد فقط قول و قسم آتے ہیں  
ہم جو کرتے ہیں ادا، دہلیں کے اس سے  
غیر مقدم کے لئے رنج و دلم آتے ہیں  
دہرہ دلا محبت ذرا آہستہ آہستہ  
یہ ہے وہ دلا کہ جس میں کی تم آتے ہیں  
کوئی لڑکھن ہی اب نہ مٹاں نظر سے  
ہم اٹھائے ہوئے الفت کاظم آتے ہیں  
گل بکھڑے ہیں اُنوں کے لئے جہان سے  
میری جانب تو فقط جرح آتے ہیں  
ہم فقیر مراد ہے تجھے مل کر نام آتے ہیں  
ہب بھی آتے ہیں بعد چاند و نظم آتے ہیں

ہم ہی کے نام پہ سب کچھ لڑا کرتے رہے  
وہ گاہے گاہے کرم پہ روا کرتے رہے  
کسی نے غور سے کوئی حق مٹا کر شب  
کوئی تو دلت کچھ انگار کرتے رہے  
جہادی میری بچوں کی رو میں جو آتے  
وہ اپنے دلم بھر کو چھوڑ کرتے رہے  
ہمیں بڑھتی کہ اہام مٹا دیتی کیا ہے  
جی خوشی کے لئے اعتبار کرتے رہے  
کسی کو دے دیا دلی ہر کسی کو اپنی دہاں  
کبھی بکھا دے یہ کارہا کرتے رہے  
ہم اسے سدا تھے دیکھو سر دانے میں  
”وہ خوش میں حاشی بہار کرتے رہے“

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

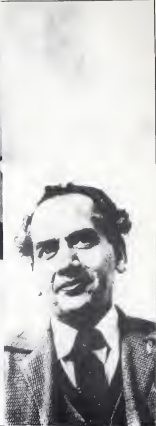
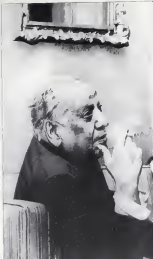




Illustration by Fakhar



مقام فیض کوئی راہ میں، حجاز ہی نہیں  
جو کوئے یار سے لگا آتھوئے وار پئے

# ”فیض میرے دوست اور جنگ بیروت کے رفیق تھے“

جب شاعر انقلاب اور ”کوشش“ کے بانی ایڈیٹر  
انجیل سمیں ماسو نے پہلی بار کلنگھانے سے متعارف  
کرا لیا تو میرے سامنے ایک مسکرا چہرہ اور آنکھیں  
تھیں جو گرگوئی اور انگریزی اور پشتو زبان کے جذب سے  
تھوڑی سی تھیں۔  
فعلی جی سمیں، فیض اور فاضل کو پہلے ہی کے  
لکھناؤں پر ملے گئے تھے تاہم جب ہم نے جنگ کرکھٹو  
شہر دار کی اور تحصیل سے چھوڑ ڈیال کیا تو ایسا محسوس  
ہوا جیسے فاضل ساری زندگی کے ساتھ ساتھ رہا ہوا ہے۔  
اور انہوں نے ہماری تمام مصروفیتیں برواشت کی تھیں  
اور جہد جہد کے ان طویل سالوں میں ہماری تمام  
امیدوں میں شریک رہے ہیں۔  
فیض اس وقت 70 برس کے ہو رہے تھے۔ یہ  
ان کے لیے ایک بڑی مشکل بات تھی کہ انہوں نے  
اپنی زندگی کے تمام تکلیف دہ سالوں کے بعد ہمیں کیا  
کرنا کی جگہ ہمارے بعد یہاں بقیہ فاضل جیلو میں آزادی  
کے دو سال بن گئے۔ انہوں نے ہمیں اپنی موت دی۔  
فلسطینیوں کو اپنی موت دی۔ بیروت کو اپنی موت دی۔  
کیا جس چیز کے لیے انہوں نے عمر بھر جہد  
کی تھی انقلاب فلسطینیوں کی بیروت اس کی نمائندگی کرتا  
تھا؟

جہد پانچویں انقلاب فلسطینی کے پاس لے گیا تھا۔  
ماسو بیروت کے دوران اس جنگ کے  
دوران، جو اسرائیل نے امریکہ کی غمر باز حمایت اس  
کی دل اور واسطے کے ذریعہ شروع کی تھی اور اس ساری  
جنگ و بہادری کے دوران فیض اور فاضل نے بیروت  
جہز سے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس  
زبردست ہدایت کے خلاف جہد چری کے دوران  
ہمارے اپنی خواب کی تعمیر و کج دہاؤں۔ یہ تجربہ  
قوت و طاقت سے بڑھ کر ہمارے طواغوتوں سے  
زیادہ متاثر ہے۔ اس نے ہمیں اس کے ایک ایک لمحہ  
سے گھبراہٹا ہوا چاہتا ہوں۔ ہم اسے کیوں کر چھوڑ کے  
چا سکتے ہیں؟



فیض اور ماسو گرامات

پتھر یا اپنی خود بھی تو فاضل اور فاضل جیلو اور  
کام سے بڑا اور عظیم شاعر ”فعلی“ اور فاضل کی شہرت کا  
پاکستانی انقلاب اور عالم اپنے اپنی خواب کی تکمیل کے

فیض احمد فیض میرے دوست تھے اور رنگ  
برسات میں میرے دوست تھے۔ اس دیکھنے جہنم میں بھی  
ان کے چہرے کی ادا دہائی سکرامنت ہاتھوں چڑی اور  
ان کی آنکھیں ناقابل شکست عزم و یقین سے دکھتی  
رہیں۔

فیض احمد فیض ہمیں چھوڑ گئے لیکن ہمارے  
دلوں میں محبت کا انیسٹ فنکشن چھوڑ گئے۔ انہوں نے  
انگرا و سرائی دانشوروں اور فنکاروں کی آنے والی نسلوں  
کے لئے بے نظیر راہ چھوڑا ہے۔ اب جب کہ وہ دل  
جو حصول آزادی کے بے مثال جذبے کے ساتھ



فیض احمد فیض کی قبر

دعوت کا تھا 'دنیا کے عام کے مستقبل کی بھولہ اور  
انصاف کے لئے دعوت کا تھا' ہرگز نہ کر چکا ہے  
فیض کی انگرا و سرائی گیتا تھانے والی نسلوں کی یادداشت  
میں اس وقت تک زندہ رہیں گی جب تک آزاد و طور  
ہی رقصین کے حصول کے لئے ان کا عقیم خواب چھڑا  
میں ہوتا اور ایک ایسی دنیا کا خواب فرستہ و غیر ممکن  
ہوتا جہاں ترقی ہو، بھلا ہو، انصاف ہو اور محبت کا بول  
پالا ہو۔

☆☆☆



فیض احمد فیض۔ پٹنہ





یہ ناکرنگر 1965ء کی دہائی پاک جنگ کے بعد متعلقہ ہوئی تھی۔ اس میں منظر کو ڈراما میں دیکھنے کا ایک صبر سے مامور گان میں ہے، جہاں تھیٹرنگر میں ہے کہ تھیں گے ڈراما میں ہے بات رہی ہو۔ میں اور فیض دونوں دونوں مسکرا میں طے سے تھے مگر ایک دوسرے سے واقف کی اورت ڈراما تھی، پہلی شام جب میں مسکرا ہوئی کے پہنچ اور فیض ڈراما ہال میں کھانے کے لئے گیا تو دیکھا کہ ہر گھنٹے کے بعد میں کے لئے ایک میز الگ تھی، ہوتی ہے اور وہی میز ہے اس ملک، ایک چھوٹا سا سائنل ہوا رہا ہے۔ میں نے دیکھا تو پاکستان کی میز اور اندر جان کی میز میں کم سے کم کیا اور میزوں کا حاصل تھا میں مسکرا کہ چپ رہا اور اپنی میز پر بیٹھ گیا، فیض ابھی تک میز پر نہ آئے تھے۔

پہلے چند دن میں صحت شریاب بہنے لگی تھی کہ وہ  
بستے میں میں نے دیکھا کہ فحش کسی دوسرے  
دروازے سے داخل ہو کر اپنی بیوی کی طرف جا رہے  
ہیں کسی پر چڑھ کر انہوں نے میری طرف پاموں  
طرف لگا کر دواؤں کا ٹھکانا جس میں کسی دوسری بیوی کی  
عاشق تھی۔ بکا ایک بیوی اور فحش کی آنکھیں چار  
اونچے دیوڑیاں تھیں کہ کسی سے انھیں کھڑے نہ کرے اور میں  
اپنی کسی سے اس وقت سارا مال ہم دونوں کی طرف  
محب لگاؤں سے تھک رہا تھا۔

پھر یہ ہوا کہ شکیانی ہوئے احمدستان کا قنلیک  
نے اہلدار نقیض اپنی بیوہ سے پاکستان کا قنلیک  
لئے اے اے ایم ڈیوں ایک دوسرے کی طرف ہاتھ  
ہوئے بیوہ پار کرتے ہوئے کچھ کچھ بیوہ پار کر کے  
اس بیوہ پر ہم ڈیوں نے احمدستان اور پاکستان کا  
بیوہ اساتذہ ساتھ ساتھ بیوہ اور ایک دوسرے سے غلام  
ہو گئے۔

02/04/06

یہ چالیس دنوں تک لگتی رہی، جب تک لپٹتی اور اس کی ترجمانی نہیں ہو سکتی اور ہماری ترجمانی اس پر اس کی جگہ کے مادیوں طرف منتقل ہو گئے۔

”کیا سمجھتے ہیں یہ لوگ؟ ہم لوگ بھی کیا حسبِ سیاست دافوں کی طرح ایک دوسرے کے دشمن ہیں؟ سوچ میں یہ دشمن نہیں بنیں اور کشمکش نہیں بنے۔“

شیر نے کہا: "مگر اس بے حسنیٰ کو کیا کہنے؟ کہ تہذیبی  
بھری طاقت اس بے اند وستان میں بھری ہے نہ  
پاکستان میں اور بھری ہے صرف اس کو نہیں۔"  
"تو لوگوں کو چاہیے" فیضی نے تسک کر کہا۔  
"مجھے مدنی دوستوں کی کانگریس پر سبیل مستحق کیا  
کر دینی تھی یہاں نے لیا کر دینی کے" بھری طرف  
بھٹک کر پہنچا۔ "تہذیبی ترجمانی تو چری خوب صورت  
ہے کہاں سے؟" بھٹی۔

میں نے کہا "ہل لو مگر یاد رکھا یہ جہان  
"۔"

ہم سب چند لگے۔ ہر جام سے جام گرانے لگے اور جہاں سے ساتھ لوانے لگے اس سے جوبلی فریج کے مشہور مال نکلا۔ کس اور کدو میں کوئی نہ تھا۔ جام لٹا کر اسے ٹاسٹ کیا۔ کرانے کے لئے تھوڑی بڑا کرانے لگے ہر کس سے دوا کی کم دوا کی نظر میری پر لگی۔ دوا کی کم دوا کے ساتھ دوا سے تھوڑی کی چٹکی دھب میں دوتا ہے۔ دوا دوا کی چٹکی ہیں اور دوا کے صرف دوا دوا جاتے ہیں۔ مشہور شاعر چٹکی ہم سے ادا کرتے ہوئے اور دوا دوا جاتے ہوئے ادا کرتے ہوئے مشہور شاعر فیض احمد فیض۔ مشہور شاعر کرشن چٹ۔ مشہور شاعر فیض احمد فیض۔ ہر تھوڑی تھوڑی کی طرف شاعر نکلاں سے تاکتے ہوئے پوچھتے تھے مشہور شاعر۔

www

”میری چچا“ نے سولہ گم دانے لے کر اس نام کو  
 اور بھی یاد دلاؤ اس کے قریب کسی کنجشٹ لیا۔  
 ہم اور جنگ بھی آتے تھے فوجی دہرہ  
 ہمارے سر پر چاکلی سناٹ پہننے مانع ہو گئے تھے۔  
 اس کے بعد جتنے دن بھی ہم جہلی ”مسکوا“  
 میں رہے میری اور فوجی کی کھڑکی کی دہرہ جھانک  
 اور اس کھانکے کی سرخ کھانک اٹھاتے رہے۔

[illegible]

میری کانگریس میں روس کی تمام اہم زبانوں کے ادیب پر مباحثہ ہوا۔ میرے ہونے کی وجہ سے میری ساتھ غیر ملکی افسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار کر کے آئے۔ ان افسروں کی آواز میں جھنجھوٹا کم

قائد، تقریباً تمام ملکوں کے لڑاکو سے حاضر تھے اس لئے انتخاب کرنا ہر دشمن سے آتش منگولیا، جاپان، شمالی کوریا، سویت نام، بھارت، چین اور پاکستان کو بڑا کھد۔ صرف میں نے تقریر کی بعد میں بھری تقریر لکھ پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوئی اور دوسرے دوسری جگہوں کے ساتھ شائع کی گئی اور وہی جگہ شائع خوف کے ساتھ پچھلے کافر حاصل ہوا۔

لاگتیں کی باغی کارروائی اسی دن اپنے قلم ہوئی یہ یاد رکھیں کہ ایک بہت بڑے ہال میں رکھا گیا تھا۔ وہ چراغ سے آباد مہمان جمع تھے مہمیں اور کیوی آؤ قلم اور اہل سفر و گاہر کے ساتھ ایک ہال میں جمع تھے۔ قلم مرکزی میز پر کترے مہمان خصوصی کے پاس پکار رہے تھے لاگتیں بغیر ہولنی سر انجمن پانچگی تھی اس لئے دل دبا دے اور ہولنی پر جسم۔ قلم نے سب سے پہلے بھارت، چین اور پاکستان کے قلماءوں کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے مرکزی میز پر آنے کی دعوت دی۔ شائع اصلی اور میں اپنے باہر اور برسر ایک کئے وہاں چلے گئے۔ تقریبی دہ میں کہا گئی تھی کہ مرکزی اور دوسری

میزوں کے مہمان کوئی فرق باقی نہ رہا اور یہ دانشور ایک میز سے دوسری میز پر جا رہے تھے مہمیں باقی کی طرح ہدیہ تھی تڑپیں کل کی جس منجلی اور امریکا کو لوگوں نے پھر پانچواں دست پر دست پر ہوا کے جا رہے تھے۔ شاعرانہ انداز میں منجئے ہوئے جہلوں میں مختلف ملکوں کی شاعری پڑھائی شرب کی طرح آتی تھی۔

جہان کی گزری آج کل اور دوسرے دن تھیں گویا جہان فنا ہو گئے اور منجلی کو انور بنگلان۔ ہم دونوں کا کرنا ہوئی کے دست و پیر میں دونوں میں ایک دوسرے سے اس شدت سے گفتگو ہوئے اور اتنی دیر تک گفتگو رہے کہ وہ صبح کی طرح کچی قلم سے بھرنے والے عرصے کے بعد ایک دوسرے سے بدل خواست جدا ہوئے تو قلم سے رو کر دوسرے ملکوں کے کوئی ساظر سزا جہاں کا کرنا تھا اور چاک۔ گوہری اور منجلی کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے لیکن حواسے اور اگر ہر آنسو بڑھتی تھی شاید اس وقت بہت سے ملکوں کے دانشور کو اساس جہاں کو گوہر ایک دوسرے سے جدا ہو چکے ہیں لیکن انھوں سے انکار اور انکار وقت ہے کہ کسی طرح

نہیں تھیں سکا۔ فتنے نے اپنی دیب سے کاغذ کے پڑے ٹال کے دیکھے اور کہا "یہ دونوں مہمیں کہیں نہیں جیگی ہیں پاکستان میں ابھی نہیں میں نے پاکستان کی جی" پھر آخری بار دوسرے مصافحہ کیا اور بڑے مضبوط جہلوں میں ہوئے "یہ جہان کا دھڑی ہے دوست ہم لکھیں گے۔"

1971ء کی دہائی میں ان کی پانچویں کانفرنس میں فتنے نے ہم نے ان کا بہت اظہار کیا ایک بار بھی آیا کہ وہ اگر ہے ہیں مگر فتنے نے آئے اس دن پانچواں کی ان کی طاقت کے بعد میں ان سے کچی نہیں ہو کر اب گتا ہے وہ جہان کا دھڑی فتنے کی گزری آن پچھلی ہے کیونکہ گذشتہ پانچویں کی طرف اور ہر جگہ جہان کے بار جو کوئی ایک بار جہلوں کے بعد جہان نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی جس سبک۔ بھارتی اور پاکستان میں بہت بڑا امر ہے کہ کوئی خدائے محمدیہ کا کاغذ ہے اس لئے اس تقریر ہے۔

☆☆☆



اندر چلی دہائی کی انجمن کے مہمان کے ساتھ مصافحہ



شعرا میں انکے جن کی تخلیقات مائلی ادب کے بحر میں  
سرمائے میں شامل کی جا سکتی ہیں۔ جناب کے مددگار  
وہاں کے لوگ نگیست اور تاج اور وہاں کی مصوفیانہ  
ادب میں مسلمانانہ موقوف یا ایک مجموعہ اور تاجی جس پر  
طوا تعلیم یافتہ جنابوں نے غور کرنا کافی عرصے بعد  
سکھد چتا ہے بعد مثنوی اور پاکستانی جناب میں جناب  
تخلیغ کے فروغ پر ہم کو صاحب نہ ہونا چاہئے۔ حال  
یہ ہے کہ اگر فیض احمد فیض کی ادبی زبان بھلائی ہے تو  
وہ اس زبان میں انکی شعریوں نہ لکھیں۔ میں نے لے اور  
میں فیض صاحب سمیت جناب کی دانشوروں کے عوامی  
شاعر استاد لام دین اور استاد داسن پر بے انتہا غور  
کرتے پایا ہے۔ یہ اسانی موقوف بھی عمارے  
معاشرے کے ایک خصوصیت ہے۔ اقبال جب اپنے  
آپ کو کہانی کہتے تھے تو اہل زبان ان پر بیٹے تھے۔  
خود میں نے ایک مرتبہ فیض صاحب سے کہا تھا کہ "غیر  
ہوتیری بھلائی کی" میں بنیادیت بہت ہے۔

1974ء میں سورما محمد حسین آزاد نے کرلی  
بارہوی کے بیان پر اور میں ایک مختصر سے کی بھلائی  
انگریز کی اسانی سخت علمی ہر صوبے کے لئے مختلف حق  
دہائی جنگ و جہنم میں انہوں نے مسلمانوں سے  
حکومت چھینی تھی۔ بعد کے بعد مسلم معاشرے کو برباد  
اور برباد کر دیا تھا۔ یہاں مسلمان تہذیبی طور پر حاوی  
رہے تھے لہذا ان کو برباد کیلئے کے لئے سرانجامی منکذا اہل  
نے اردو ہندی کا جھوٹا کڑا کر دیا۔ جناب میں  
حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی انہوں بعد مسلم مسکن  
جنہاں کا طرز زندگی بہت حد تک یکساں تھا۔ بھلائی  
مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فوج میں بھرتی کرنے  
کے لئے ان کی دہائی اور صحت بخوشی بھی منظور تھی  
وہاں اسودہ دہائی کی زبان بھلائی جس میں سرکاری  
محاکم اور جمہور اگر عوام سے انہوں نے گروہ کار  
ایسی طرز جناب کے انتظام اور آپاشی کی ضروری

کھودانے کے لئے پیچھے اسی طرح اردو پر مانتے  
والے ہوئی سے گئے اور جناب نے آج کا پاکستانیک عدد  
ظاہر اقبال پر بھلائی کر دینے اور ان کے بعد ایک  
سے ایک اگلے مسلمان اردو حکمران بن کر رہے۔

لیکن اہل کھنڈ اقبال کی زبان پر معترض ہے۔  
جس زمانے میں یو پی کے اردو دہائیوں کو کم روزگار کا حق  
نہ تھا وہ اور چار صد ان لاہور ایک دوسرے سے  
بکڑتے ہو چکی لا کرتے تھے۔ اب یو پی میں خواہ اردو  
کی جان کے الے پڑے ہیں وہ برباد و شاد کی  
سر مستیاں کہاں؟ جناب میں زبان دور لوگ اور تاجی  
گور تفریبا یکساں تھی۔ جناب بعد اور کھانا آج تک خدا  
کو بھلا دیتا کرتا ہے۔ یو پی کا حاکم بعد برباد کرتا ہوا  
میں پایا جانے لگا۔ 1957ء کے بعد اردو نے ان  
جنہاں فرقوں کو برباد ایک لڑائی میں برباد۔ صورت مائلی  
کا ایک بھلائی شاد یہ تھا کہ کم فرقہ دارانہ و طمانناحت  
آریہ سانچ اور مسلم فرقہ پرستی نے اہلی جناب دنیا میں  
زور پکڑا گو سارا آریہ بھلائی پر میں اردو میں قتل۔ آریہ  
سانچ اور سانچ دھرم دونوں گور تفریبا اردو میں شائع  
ہوتے تھے۔ آج تک برباد کی دہائیوں میں بھلائی

زبانوں کے لئے زبان اور دھرم کا تھاں اردو دھرم  
انکھ میں نہیں بھلائی تھی۔

ایک اردو دہائی بھلائی بعد اور کھ جس طرح  
اقبال اور فیض پر سر دھتا ہے اس میں دانشوری طور پر  
تاجی قمر، ایک اہلی کار ہے۔ جس طرح اہل جناب  
بعد مسلمان اور کھ فیض صاحب کے شہدائی ہیں یو پی  
اور بہار اور دہلی کے مسلمان اور بعد اگلے ہو کر کرلی  
وہاں ادبی شخصیت کے لئے اس طرح کی دہائیوں  
شخصیت کا اکتھار کر کرلی کے کیونکہ دہائی جنگ و جہنم  
کی اسانی اور تہذیبی ورستے میں اس قسم کی حشر کر  
پرست کی کھائی تھی۔ اس کی ایک مثال پر ہم چند کا  
معاہدے جس کے حقائق بعد اور اردو دہائی مستقل  
ایک دوسرے سے دہائی میں معروض ہے۔

لاہور میں محمد حسین آزاد اور کرلی بارہوی کے  
بعد "سورما" لاہور آیا۔ اس کے بعد کے دور کے حقائق  
فیض نے "سورما" دہائی کے دہائی میں لکھا ہے  
20" 30ء تک کا زمانہ ہے اس معاہدے اور  
بھلائی صورت کے بکھر چکے طرح کی بھلائی اسونگی اور  
دہائی گھنڈی بھلائی بھلائی میں اس بھلائی بھلائی



فیض احمد فیض اور محمد حسین آزاد



بذاتِ نمودِ اولیٰ بچاتے تھے۔ 46ء میں انہوں نے تین صاحب سے قربانی کی کہ وہ "اعترافِ حق" کا مقدمہ زیر کر دیں۔ پادری فریڈا سو فریڈا نے اپنے دور کی ترجمانی اس طرح شروع کی کہ لوگ چونک اٹھے لیکن کمالِ اسلوب ایک بار سے بعد کا شعری حوالہ اور شائستگی ہی کیا اور بہت سوں نے کہا مہولہ اقبال کے بعد اہم ترین شاعر ہیں۔

ہمارے ہاں ادب میں ایک غلط فہمی سے بڑا آنا ہے جس کے داڑے ہمارے ساتھ مغلطہ یعنی غلطی کا خطرہ سے چاکر لگے ہیں یعنی مہولہ اہم فلم کا ایک دوسرے سے موازنہ اور مقابلہ "ٹاکرڈا" یا "ٹالین" (ادب یا تھری) کی فوجیں، دونوں طرف صاف کرنا ہوتی ہیں۔ ایک جگہ سوچنا ہے ایک بڑا نفاذ کرنا یا نہیں کیونکہ کہتے تھے کہ جگر اقبال سے بڑا شاعر ہے یا اقبال فلاں سے بڑا یا چھوٹا ہے وہی فلم انٹرنی کی star rating والا معاملہ ہے۔ اسی طرح پاکستان میں ایک طبقہ جو کچھ بھی کہتا ہو نہ بولتا ہے لیکن مریدانہ فحش کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

فلم انٹرنی میں عوام کی پسند و ناپسند کے علاوہ ذاتی پسند اور بلیک ریلیشنز پر بھی انکسور دینے پر توجہ دے جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں ادب میں یہ پسند و ناپسند ذاتی پسند تو ایک کے زمانے سے شروع ہوئی اس سے قبل کھینچا سلہ پادری فریڈا نے دینے تھے اور انھوں کی ایک اتحاد جماعت بنی انھیں پہلی تھی۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں۔ چلی پیم چاند کے علاوہ کوئی بھی پروفیشنل ادیب نہ تھا۔ ذاتی پسند تو ایک کے ساتھ ہی اولیٰ تھریڈ سمیڈ ہوئی اور طرف دار بھی اس طبقہ ادب ذاتی جہاں سمیڈا کے دہانے سے ذاتی پسندوں نے ایک دوسرے کے حلقوں کو پسند کرنے لگے اور پھر انسانی cultura چارہا۔

ہم غریبوں کے منظر ادب میں اس طرح کی باطنی کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا جو مغرب میں بائیسویں ایک کتاب کا کچھ کرنے سے پہلے کرتے ہیں ساتھ کروڑ آبادی کا جھڑکا جس کا کڑوا پاکستان کی روک لیجئے اس میں ایک چارہ کا باطن ایک کتاب کا چھپتا ہے اس کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ملزم جنگ ہو گئے ایک چارہ کے باطن کے لئے کون عامل بنائے گا۔ جو کہ موازنہ کا طاقتور چارہ ہوتا ہے نہ ہاتھری ہی کر لیجئے ہیں تو ان کا ہم کیسے نہ چارہ دھتے ہوں سے ملتی ہے۔ شاعروں کا آکائیس الہوت کا ترانہ کہ ہمارے ہاں بھی خصوصاً صاحب سے اولیٰ انصاف کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ پتلی ایڈیٹنگ ریلیشنز کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں صوفی عام مصطفیٰ جیسے نامی استاد کے ذکر پر بھی کوہ مقام بدل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ تین صاحب نے کہا ہے کہ صوفی صاحب سے کم دے کے شاعر اور دانشور نہ ضرورت حاصل کر دی۔ ضرورت حاصل کرنے کی کوئی ہو سکی کے پاس نہیں ہوتی لیکن ضرورت خود اس بات کا صاحب دیکھتے ہیں کہ کچھ ملے ہو۔ جس اور حریف ضرورت کے لئے کیا کیا بدولت کرنا ہے۔ اس کے لئے وہ کام کرنے پڑتے ہیں جس کا علم ادب سے حاصل نہیں ہو ایک الگ فن ہے اور صوفی صاحب اس نئی سے متعلق نہیں۔

تاہم 40ء کے کنگ جنگ تین صاحب فوج ہوا کہ پاکستان واپس کے چھ ایڈیٹر ہو گئے۔ سید حسن اور سید بھائی بھی کیونست پائی کی طرف سے پاکستان چھوڑ دینے لگے۔ سب صاحب لاہور میں ایک بے حد سرباز سرفراز آبادی کی گروپ بن گئے۔ ٹکڑائی کو پڑی اس کو کہہ کا ایک وقت تھا اس قسم کا کوہ کہ اس وقت تک میں بھی کچھ تھا۔ ان حضرات میں سے اب کوئی مرے سے کوئی بھی کوہ نہیں رہا لیکن تین

صاحب کی پہلی فحش اس چر سے کار ہوئی ہے کہ جس دنوں سے ہمارے ذاتی پسند حضرات اقبال کو کھٹائی پکارتے تھے لیکن تین صاحب اس اچھا پسند کی کے خلاف تھے اور اس زمانے میں انھوں نے اقبال ہی کے کنگ میں اور خصوصاً چر تین تھیں۔

آپا ہمارے دہلی میں ایک غلامی نوہ تھیں آپا اور اپنی دہلی میں غلامی خواں کرنا۔ حلیان دہلی عقل سے آوار ہو گئیں دہلی تھیں دہلی کا تصویر نمود کیا تھیں چھری تھیں جو اس تک کچھ نہیں ہے اس کا گیت سب کے ہاں میں ہر گیا اب وہ چا پکا ہے وہ کھ گما لیا اور ہمارے اپنے دہلی کی راہیں اور اس میں چھری اب کوہ ہے کوئی اس کی اواز سے خاص وہ ایک تھیں چھریوں کے پاس ہیں اس کا گیت سب کے ہاں میں خیم ہے اور اس کی لئے سے متکثر وقت نکاس ہیں اس گیت کے تمام خاص ہیں اور وہ اس کا ہزار اس کا خوش اس کا سوز ساز یہ گیت عقل غلامی ہمارے دہلی اس کی ایک سے ہار کا کچھ گما لیا یہ گیت چھریاں دھت سر سے ہے غلامی یہ شاعری ہم کج کی آواز سے ہے غلامی ہاں انکسور تین صاحب سے طاقت ہوئی وہ کاروباری میں ہر سے چھڑا ہوئی اور ہر سید سید اور بھٹو سید کے ہاں آئے وہ تھے میں نے پھر لئے ہیں ان سے طاقت سہ ذاتی کا مال کیا تین صاحب چاہے جے بھائی آج تک پاکستان میں انڈیا کرنا نہیں کہ کچھ انڈیا کرنا نہیں۔

آپا ایک باہت دانشور تھیں ان کی انگریزی طرح اس کو بھی شعر یاد نہیں رہے۔ انہوں نے تین





کسی فرسخت شاہری فیلڈ صاحب کے  
ظاہر و باہر کی ہر شکایت؟

[illegible]

ایلیس فیض سے امرتا پریتم کی باتیں

اس طرح انہیں انکیا انکی صاحب سے کہہ دیا  
 کہ کل صبح تمہارا بھائی نے مجھے انکسٹنٹ میں بتایا کہ تم  
 انکسٹنٹ میں میری بہن سے مل رہی ہو۔ میں نے  
 انکسٹنٹ میں میری بہن سے ملنے کے لئے  
 1938ء میں انکسٹنٹ میں ملنے کے لئے  
 1938ء میں انکسٹنٹ میں ملنے کے لئے

ابن۔۔۔ ہاں، امیر تر میں ملی تھی، امیر تر  
میرے ساتھ ہی کہ امیر تر میں ملی تھی۔

امرتا۔ تم اسے وہاں نہیں جانی تھیں مگر شعلی  
کی شامری سے عشق کیا کر رہا ہے؟

ابن۔۔۔ امرچا گئی بات تو ہے کہ میں آج  
 کچھ فیصلے کی شہسوار کی گھڑی کو نہیں چاہی تھی، اور اس  
 گھڑی کو کچھ لینا اور بات ہے، لیکن پھر یہ تہذیب کو جاننا  
 اور بات ہے۔

۱۸۰۳ء میں لکھی گئی تھی۔

ابن سنان نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ وہ اس شخصیت کا ایک حصہ ہوتا ہے کیونکہ ایک شاعر کے ساتھ ادبی ہمرکز ہوتی ہے اس لئے بھی اس کا بہت کچھ جانتا ہوتا ہے اور میں نے جانا۔

امرج — مجھے سے کتنا عرصہ بعد شادی کی  
حاصل ہوئی؟

ابن — تقریباً دو سال بعد اسے یہ انگارہ ملی  
 لے گا کہ نقش کے دائرہ میں سے منظر کی جاسے حتی  
 کیسک ایک خوشگوار احوال کے بغیر ہم زندگی نہیں کر  
 سکتے تھے۔

امروز شادی کی رسم کہاں شادی کی تھی؟  
ابنیں کھینچیں مہمان بے تحشر نے اپنے کمرے میں  
کاٹیں ہیں شادی کی رسم کے لئے دیا جا اور شادی مہمان  
نے شادی کی رسم کہاں کی تھی۔

امریکا: کہاں کھانا کھا رہے ہیں؟  
ایس۔۔۔ میں تھوڑے دیروں کی رہائش گاہ

فقیہوں کو دوسرے ان کے بڑے بھائی ابو جعفر نے ان کے دوست فخر بن ابی یونس سے کہا کہ تم میرے لئے فقیہ صاحب سے پہلی بات پوچھا۔

”یہی انکی دعا ہے کہ میری قبر پر“  
”یہی“ انکی بھی دعا ہے کہ میں اس کی“

میں جیوں ہو گی کہ انہی کا ساتھ ملے  
کہاں سے ملے یہ پتہ نہ کہے۔

”میں اپنے ساتھ لے آؤں۔“  
 اسی طرح چاروں کے ہاں کے کدلی

پاکیزہ ملکوں کی ضرورت جانتی ہیں۔ ایسا طریقہ  
تدارک کے وقت مفید ہو سکتا ہے؟

انہیں۔ یہاں ہوا کا پہلے کھانا بیچ رہا تھا۔  
انہوں کی بیوی کے ساتھ کھانا بھر رہا تھا۔ ہزاروں

2. 4. 1. 2. 3. 4. 5. 6. 7. 8. 9. 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 8

ہر ایک کے لئے ایک نیا عالم ہے

ایک شخص نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کو دیکھ رہا ہے۔  
 آگے بڑھ کر دیکھا کہ وہ ایک شخص کو دیکھ رہا ہے۔

addition of

ایس سرچھ کر گولکھٹ کال کر  
امرت ایان سے آکا گولکھٹ اٹھانے کی

ابنیں۔۔۔ ہاں! عورت! حاجی کے مردوں کی

سہیلی تھی۔  
 اہم سہیلی تھی۔

کپڑے  
انہیں کیا تھا اور انہوں نے میرا نام کس قسم

کتابخانه ملی افغانستان  
موزه ملی افغانستان

اس گھر میں نقش کے نیچے سے اس کا  
انگریزی کوئی حصہ سے ملے گا۔

امروزه این دست نگارهای پرکار و خوش  
نویس را "سبب پادشاه"

ہمیں دہائیوں کے لیے چھوڑا۔  
 لیکن اس نے اپنے لیے عشق کی داستان

عزیزوں میں سے حضرت "عقلمدار" کی تصویر بھی  
 تھی۔

پاکستان دھکڑے لوان آیا تھا۔

گازی کے بارے میں اس کا کہنا تھا!

ابن - ہاں امرتا دہلی کی اور اس کے بعد کی  
دو تہائی بھی لیکن کچھ بھی میری زندگی پر اثر انداز نہیں  
ہوئی۔ لیکن ایک جہان ہے اپنے آپ میں، لیکن کی دنیا  
اپنے ساتھ ہے، کاغذ و قلم کے ساتھ۔

امرتا - یہ قلمی کرفٹس صاحب کے پہلے  
الفاظ کیا تھے؟

امرتا - لیکن آپ نے کبھی لیکن کی زبان  
کرائی تھیں؟

ابن - وہ چپ ہو گئے تھے شاید دل بھرا آیا  
تھا۔

ابن - میں تو نہیں دیکھ کر اپنی میں فکر نہیں  
کرتا ہے لیکن جتنی سوچتی ہوں لیکن کو تو لکھتا ہوا ہے۔

امرتا - یہ کچھ ہے جس کی دنیا اپنے ساتھ ہو  
اپنے گھر کے ساتھ اپنی تخلیق کے ساتھ اس جیسا  
دعا اور کون ہو سکتا ہے۔

امرتا - لوگوں کا کیا وہ یہ تھا؟  
ابن - یہ کہ لیکن کو یہ پڑا نہیں لکھا جاتا ہے

ابن - ایک اور کام اچھا ہے ہے لیکن اور صوفی جسمانی کر  
پیشہ کی شاعری کا اور ترنہ کر رہے تھے۔ صوفی جسم کا

ابن - یہ تھیں برس گزر گئے ہماری شادی  
کہ

ابن - لیکن اب خان کا تار آیا کہ وہ اپنا لے سکتے ہیں۔  
اسی طرح کے اور تاریکی موصول ہو لے مگر دست

کرنے کا ہے اور یہ کام نہیں۔ دونوں کام ضروری  
ہیں۔

امرتا - پاد پاد اور پچھم کا یہ آپ کہاں پڑا؟  
ابن - یہ ضرور کہ کئی ہوں کہ وہ مختلف

مبارک اور ہے آگے بڑھوں آیا کہ اس حالت میں  
لیکن ہاں کہ اس کو کہیے کہ سکتے ہیں۔ انکھ نے ہوائی

امرتا - ہاں لیکن اور ان دونوں سے بڑا  
ضروری کام لیکن کی زندگی کو بچانے کا ہے۔

علیہ علیہ سر نہیں کے سر وہاں جب شادی  
کرتے ہیں تو میرا خیال ہے سر کی کچھ صورت کے دیکھ

ہمارے سر سے مل گیا ہوا تھا اس لئے کچھ کو ساتھ لے  
کہ لیکن نے گازی سے اور سے گازی تک کا سفر

ابن - ہاں لیکن کی حالت کے بارے  
میں

میں رہا آسان نہیں لیکن صورت اپنے مرد کے دیکھ  
میں رہ سکتی ہے۔ لی حرقی نے مائل کو اپنا لے کی

کہا۔ مگر مسودہ ہی چار سے لیکن تک اور مگر بھڑا سے

اس میں وہاں ہی ہوتی ہے۔ مختلف چند یہ کہ ان کو کی  
شادی آسان ہاں تھا۔

امرتا - تمہارے دو بچے ہیں؟

ابن - دو بیٹے سید اور میزور۔ سید مسعود  
ہے اور میزور لی دلی پڑا ہوا۔ دونوں نے وہ بچائی

مبارک اور ہے آگے بڑھوں آیا کہ اس حالت میں  
لیکن ہاں کہ اس کو کہیے کہ سکتے ہیں۔ انکھ نے ہوائی

ہمارے سر سے مل گیا ہوا تھا اس لئے کچھ کو ساتھ لے  
کہ لیکن نے گازی سے اور سے گازی تک کا سفر

کہا۔ مگر مسودہ ہی چار سے لیکن تک اور مگر بھڑا سے

اس میں وہاں ہی ہوتی ہے۔ مختلف چند یہ کہ ان کو کی  
شادی آسان ہاں تھا۔

کہا۔ مگر مسودہ ہی چار سے لیکن تک اور مگر بھڑا سے

اس میں وہاں ہی ہوتی ہے۔ مختلف چند یہ کہ ان کو کی  
شادی آسان ہاں تھا۔

کہا۔ مگر مسودہ ہی چار سے لیکن تک اور مگر بھڑا سے

اس میں وہاں ہی ہوتی ہے۔ مختلف چند یہ کہ ان کو کی  
شادی آسان ہاں تھا۔

کہا۔ مگر مسودہ ہی چار سے لیکن تک اور مگر بھڑا سے

اس میں وہاں ہی ہوتی ہے۔ مختلف چند یہ کہ ان کو کی  
شادی آسان ہاں تھا۔

کہا۔ مگر مسودہ ہی چار سے لیکن تک اور مگر بھڑا سے

اس میں وہاں ہی ہوتی ہے۔ مختلف چند یہ کہ ان کو کی  
شادی آسان ہاں تھا۔

کہا۔ مگر مسودہ ہی چار سے لیکن تک اور مگر بھڑا سے



مبارک اور ہے آگے بڑھوں آیا کہ اس حالت میں

## فیض کی مقبولیت اور جیل

کہہ "میں کیسٹ پائی کا تجربہ نہیں ہوں" تو کہیں نے یہ کہہ کر گورنر انبال رکھا انہیں ملازمت میں لے لیا۔ اس بات سے یہ چھٹ ہو رہا ہے کہ جیل کے خلیات کا کالج کے زمانے سے ہی اشتر کی نظریات کے حامل ہو چکے تھے۔

1941ء میں ان کا پہلا مجموعہ نظم "فریادی" اور سے شائع ہوا تھا۔ پھر مہدی نے لکھا ہے "مجموعہ کام ایک آتش کی طرح چھا جانے کے بجائے آگ کی طرح رونو رونو شاعری کے سطحوں میں جھول ہوا۔ ان کا اس زمانے کے ہر شاعر پر جھل کی آواز کا دھواں ہوتا تھا" پھر ان کی اس بات سے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ انکے جھل کے پہلے مجموعہ کام کے آ جانے کے بعد اس کے کی آف ٹرائس (off shoots) علی سردار جعفری، کنتی، اعلیٰ سائر، ساجد حیات، اور بہت بعد میں قصیر کاظمی، کرشن موہپ، چٹا ناہ آبادی (مستقل زندگی، پیر، دیو، اسی اگر پہلے ہونے نظر آنے کے تھے۔ جھل کی شاعری کے اثرات شاعروں کے ساتھ پھیل کر گاندی پر بھی چڑے کہ انہوں نے ان کی انھوں کے کئی مصرعوں سے اپنی کہانیاں کو عنوان کی حد تک نظر اٹھایا۔ جھل نے اپنی پہلی پہلی پہلی جھل تھکت کے لیے انہی کے اشعار سے بنیادی خیال مستند لے لیا۔ پھر راجھو ملک کے ناول "گرم کلاہ" 1962ء میں ان کا اس میں ان کی پہلی نظم کی کوٹا صاف صاف سنائی دیتی ہے۔ ان

نے پہلی نظم یا نثر کہ کبھی جی نہیں پڑا ہے کہ وہ کالج کے زمانے سے شاعری کر رہے تھے جھل بہت دیر سے میں ذرا تعلیم تھے۔ اور اسی زمانے میں انہوں نے اشتر کی نظریات قبول کر لیے تھے۔ کالج ہی کے زمانے میں انہوں نے ایک پارڈاکسمر اقبال کے ساتھ اپنا کام بنایا تھا اور ان کا اقبال نے انہیں بہت دیر تک۔ پھر برسوں بعد اقبال کی شاعری کے بارے میں اپنی یہ رائے دی تھی "جہاں تک شاعری میں شمس ثانی (Sensibility) زبان اور اس کی محتاجت کا تعلق ہے ہم تو ان کی ناگہان بھی نہیں ہیں۔ خاصہ (اقبال) بہت دیر سے شاعر ہیں۔ اگر وہ اشتر ایت کے معاملے میں ذرا عجیب ہو جائے تو ہمارا کچھ شکلاں ہوتا۔"

دوسری جنگ عظیم 1939ء میں شروع ہوئی تھی جو 1945ء میں ختم ہو گئی۔ پھر اندیشہ کی تعلیم پوری کر کے جھل امرتسر کے ایک کالج کے مدرس بن گئے تھے۔ پھر وہ امرتسر اور چلے گئے۔ وہاں بھی ایک کالج میں چار سال رہے تھے کہ ایک روز اپنے ایک دوست بھکر ملک کے کہنے پر فوج میں ملازمت پانے کے لیے ایک کرنل جیڑا کے ساتھ انڈیا کے لیے جہاز پر ہوئے۔ کرنل جیڑا کے دل میں ان کے لیے ایک ذمہ کوٹا موجود تھا۔ انہوں نے فیض احمد جھل کے ساتھ ایک سرکاری گاڑی کا راز جاتے ہوئے کہا۔ "اس میں راج ہے کہ تم کیسٹ ہوتا تب جھل نے

امرتسر یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ قومی یا بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے کے لئے جیل جانا ضروری ہوتا ہے جھل کی بڑی شخصیتوں کی حمایت مقبولیت کا سلسلہ ان کے سلاطین کے پیچھے چلے جانے کے بعد ہی شروع ہوا ہے۔ سہائی لوگوں کے بارے میں تو یہ بات جرات سے کہی جا سکتی ہے۔ اگر جی رہا ان کے خلاف آزادی کی جدوجہد کرنے کی کے نتیجے میں مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ کئی دوسرے حضرات کو شہرت ملی۔ جواہر لعل نہرو نے ان کا انگریزی اقبال کو ایک اور بھی نیک نام قرار دیا۔ دیکھا اور اور دو دوسرے بین الاقوامی سیاست میں ایک خاص رد عمل کی پیدائش اور انگریز کی سازش کی وجہ سے قدم بہ قدم اس مقام کو پا گئے۔ ان کا انگریزی اقبال اپنی ہم عمری نظر پڑا تھا۔ قصور پاکستان کا خاکہ پیش کرنے کے سبب سے اپنی شناخت پا گئے۔ یہ بھی نہ بھولا جاوے کہ انہی اقبال نے مارے جہاں سے چھاپا اور جہاں جارا ان کے کارڈوں کی جہد و جدوجہد ایک دینی راہی ہیں لیکن ان کی نہ بچھنے والی آگ پھر ایک جہی اور اس نظم کو آج اور سے ملک میں ایک قومی ترانہ کا سا دور حاصل ہو چکا ہے۔ جہاں میں اس مطلق کی حمایت اور حمایت میں کئی شاخیں جھل کی جا سکتی ہیں اور اس وقت ہمارا کام فیض احمد جھل کے ہماری سچ پر مشتمل ہو جانے کے لیے انہی اسباب کا پتہ لگانا ہے۔

جیسے یہ بات تو ایک ایک جھل نہیں معلوم کر جھل



اندر گوارہ ہو، خاں خجورہ، بریگیڈیئر مصطفیٰ خاں،  
بریگیڈیئر لطیف خاں، لطیفیٹ کرنل چتر ہار دھاپ،  
لطیفیٹ کرنل بیٹا دالہ پری، شہر اعلیٰ عمر، منو حسن خاں،  
کینٹین نظرائف پرنسپل، کنشلی صدر میاں سید ہاشم علی اور  
مہر حسین عطا راہ پٹھی، راجش کپس میں گرفتار کیے  
گئے ان کے ساتھیوں میں تھے۔ نظرائف پٹھی نے لکھا  
ہے کہ ہم سب بپ دھ سے کی افلاں کے لیے عدالت  
جاتے تھے تو آتے جاتے ہوئے نقش کا نشان میں لکھا  
ہوا پتہ لکھا کرتے تھے۔

ہمارے دل میں اب تک دن سب ہاتھ مارے جائیں گے  
تک اپنی مزا کو نکلیں گے، تک اپنی ۱۲ لے جائیں گے  
اے تاک نظیر اٹھ بیرو، وقت قریب آجیگا ہے  
بہت قریب آگے جائیں گے، بہت جلد آجیگا آجیگا ہے  
خلف، جیلوں میں بھی لگے گی جیل کی کڑی گھیس  
بہت حضور ہو گئیں بلکہ ان کے قریب بھی کی سہولت  
ملاک میں کیے جانے چاہئے ہیں اور ان کی اہمیت و سرف  
حرم میں ہے، بلکہ اب میں بھی انہیں پورا پورا احترام  
ملا ہے۔ پروفیسر ایل اے سرور نے ان کی قید بندی کی  
گھنٹوں کے بارے میں لکھا ہے: "نقل کو آؤں  
ناؤں کی قدر آؤں گی، میرا اس نے انہیں جھکا  
نہیں، بلکہ ان کی شخصیت کو قہور میں ان کی شاعری کو  
بہت بڑا ٹکڑی ہے۔"

مسودہ اب کی سخت پابندیوں کے خلاف  
احسان کے طور پر نقش سے گھیس لکھی تھیں۔

غار میں جیری گھیسوں پر اسے دل میں کہا  
جلی ہے دم کو کوئی نہ سراہا کے چلے  
ہو کوئی چاہے وہ طواف کو لے  
نظر چرا کے چلے خمد جاں چاکے چلے۔

☆☆☆

جے ہیں اہل ہوں مدلی بھی منصف بھی  
کے دیکھ کر کہیں کس سے حسنی جا ہیں

مگر گزرنے والوں کے دل گزرتے ہیں  
ترے طلاق میں ہیں مجھ، شام کرتے ہیں۔  
☆☆☆

بجاء جو مددیں زلفوں تو دل پہ سمجھا ہے  
کہ میری داکم ستاروں سے میری ہو گی  
چمک اٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جاتا ہے  
کہ اب مگر تیرے زلف پہ گھر گئی ہو گی۔

ہم جو چارک دھاروں میں مارے گئے۔  
لاکھتے زلفوں کی ایک کھج، زلفوں کی ایک شام،  
شیشوں کا سیرا کوئی نہیں، دھیرے دھیرے انہیں انہی میں  
میں درد مند کی بھی ہے اور ایک فی کج کی آس بھی۔  
اپنے ملک پر فوجی نظام کی لکھائی ہوئی اقلیت کی  
پابندیوں کی طواغیت سے ذرا دل ہو کر دیکھا ہے۔

حنا لون، دھم چمن گئی تو کیا خم ہے  
کہ خون دل میں ڈھل لی ہیں انگلیاں میں نے  
لوں پہ عمر گئی ہے تو کیا کہ دکھ وہی ہے  
ہر ایک حلقہ، دلچر میں دہاں میں نے  
ایک جھٹ آیا کیا نقش پاکستان بھڑ کر بھی

دہاں، ابھی بیرو، ابھی لندن، ابھی کینیڈا میں برسوں  
تک گھر سے باہر ہے۔ اپنے ملک سے باہر رہ کر بھی  
انہوں نے بے شمار گھیس لکھیں کی تھیں، کہاں جاؤ  
گے، شام، یہاں سے شہر کو دیکھو، دوا لہو کا سراغ،  
سوچتے دوسرے بھڑکتے دل سے پاس دوناہات  
ایک خم، ذرا خم، نہ گرد و غبار۔

دارلہت آئیے گے، دل میرا جاسے کا خم نہ کر  
دل میرا جائیں گے خم نہ کر  
دل لکھنے کا خم نہ کر  
دست دہل جائے گی خم نہ کر

1978ء میں بھارت آئے تو انہوں نے ایک  
علم، دل میں سارا سمن، لکھی تھی جو جلیں ہے۔  
مرسلہ مرسلہ

ہوا بھر سے گھسار،  
کہوں ہیں دردوں ہم تم  
دیں گی لگی ہوا نہیں  
کر میں دیا گھر گرا  
کہ مرانا کوئی پائیں  
کس زار دھار کا  
ہوا کہ انہی سے پہنچیں  
جو چھتا ہے مگر کا  
مرکھنے کا شام  
بھگدھان سے بات کرنا  
نگہاں سے بات کرنا  
بھگدھان سے بات کرنا  
جھیں کیا کہوں کہ کیا ہے  
شب خم رہی ہے  
ہیں یہ بھی خفا تیرے  
جا کوئی ستارہ  
ہیں کہ نہ اٹھا سرا  
آکر ایک بار دہا

اور نقل بہ اپنے گزرنے تو اس مرتبہ کی  
لے انہیں گرفتار تو کیا انہیں دوا چاک چلی ہے، اپنے  
دل کی گھیس پر غار ہو گئے اور ایسا کر کے دوا دوا  
میں بیٹھ بیٹھ کے لیے احسان اور طواف کی ایک زلف  
پاکہ و طاعت ہو گئے۔

☆☆☆



اپنے ہی وطن میں جا وطن کر دیا گیا ہے

کہ ہم بندہ راج چاند

تھو کہوئی سے بھی خوف ہیں

انکار عارف کے گھوڑے "نور و نغم" میں بھی

مرکزی صنعت "بے گمری" اور "تہجدی" کی ہے

اور اس موضوع کو غزل اور خیالات کے اعتبار سے  
انہوں نے بڑی مہارت دی ہے۔

مرے خدا مجھے اتنا تو مست کر دے

میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

طالب یہ بھی کسی اور پر نہیں آیا

کہ ایک عمر چلے اور گھر نہیں آیا

ہر اک سے پوچھنے بھرتے ہیں تیرے خانہ بدوش

طالب درہدی گم کے گھر میں رکھا ہائے

قلمی ذکر بات یہ ہے کہ کشور تاجید اور انکار

دارل جیسے شعراء کے کلام میں نہ صرف موضوع بلکہ

فیض کے اپنے خطرے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

مغرب میں رہنے والے دوسرے اردو شعراء کا

ہر کلام دستیاب ہے اس میں "بے گمری" "جہاد وطنی"

اور اس سے بچا ہونے والی تہائی کے موضوعات عام

ہیں۔ ہر اشعار سے گھر کا پتہ پوچھنے کا فیض کا انکار

غیب الرحمن کے یہاں بھی ملتا ہے۔

ہر وطنی سے بچے وہی نکلتا رہ

نور و نغمہ شعر کو گم کر کی خبر کہیں؟

غیب الرحمن سے مراد

اک ناول ہندوں کا ہے اور شام کا سحر

زیسے میں خیال آیا کوئی گھر نہیں اپنا

انتقالی مہیں۔ کیپٹنا

اپنی دغا کے ہر آباد گھر کو دلچ کر

پہلی اپنے گمری برہادی کا اندازہ ہوا

پہلی ایک پوری۔ بے طاقیت

سفر ہے خم گھر ہے گمری نہ جانے کی

تارے گھر سے یہ پتھری نہ جانے کی

شائع۔ کیپٹنا

کشور تاجید "عارف" لطیفہ ریاض اشفاق

میں اور دوسرے شعراء کے یہاں اس "بے گمری"

کا احساس موجود ہے لیکن ہر ایک شاعری جمالیاتی

خصوصیت کے مطابق اور حالات زندگی کے پس منظر

میں احساس کا رنگ بدلتا ہے۔ ان سب شعراء کے

یہاں "گم" اور "بے گمری" کے استعاروں کی کافی

معنویت پائی جاتی ہے۔ تہذیب شاعری کے تہذیب میں

جہاں عاشق نے دغا کر دیا اور گھر واپس کو نواں اختیار کیا

"بید" شعراء کے یہاں ہجرت بلور۔ جدی کی گھوڑی

پہلو دیا جاتا ہے۔ عصری سماجی صورت حال کے لحاظ

سے یہ صرف شاعرانہ جدی نہیں بلکہ سیاسی جد و جہد

ہے۔ اس جد و جہد کے حقیقی معنی کا اظہار فیض کے

لفظوں میں "نواں گھر سے غم سدا" کے وار پر زیادہ

وضاحت سے ملتا ہے۔

بے گمری اور بے وطنی دو الگ موضوعات ہونے

کے باوجود جدا شعراء کے یہاں ان کو جڑو کر دیا ہے

اور آج کل کی دنیا میں انسان کی تہائی "عاشقی اور

اداسی جیسے احساسات کا سطر میں پاتا ہے۔

فیض کا دوسرا موضوع جو گمری اور گم گم کی تہائی

کی تہائی کرتا ہے وہ وطن کی تہذیبی اور گم گم کی تہائی

پر مبنی ہجرت کے گم گم کا آئینہ دار ہے۔

ہجرت اور غربت کے موضوعات سے وہی

شاعری بھی آگیا ہے۔ انیسویں صدی میں یہ تہائی

لیڈر موقوف جیسے عظیم ترین شعراء نے گم گم کی

تہذیب کے لحاظ سے آواز دی تھی اور ان موضوعات پر

بہت شاعرانہ جہتیں لکھیں۔ بیسویں صدی میں جو شعرا

بھی سہی اور مکی انفرادی جہ سے مغرب میں جا

وطن نہ گئے انہوں نے بھی بے گمری کو اپنی شاعری کا

موضوع بنایا ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ جہاد وطن اور بے گمری کے

موضوعات ہمارے مہم کی شائستگی کی عالم گیریتوں

میں شامل ہیں۔ ان دونوں کی اپنی ایک جگہ جڑی اہمیت ہے۔ اس

اعتبار سے جہاد اور شاعری عالم ادب کے ایک اہم

دھارن کی طرح بدلتی جاتی کرتی ہے۔

(بائیں)

☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



## ”دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں“

ہے بلکہ وہ فن کے شعری اظہار سے بھی باواسطہ یا باواسطہ سہرور ہیں۔ اس سے یہ ثابت کچھ بچتا ہے کہ ان کے ہاں تخلیق کی زبان اور روایت کی قدر جاننا اور تخلیقیت کی ہر گہری نگاہ ہے۔

فیض نے دوسری جنگ عظیم میں ہندوستان کی برطانوی افواج میں شامل ہو کر حصہ لیا مگر جنگ کے بعد سے وہ ہندوستانی عوام کے جذبات و احساسات کے شاعر اور ترجمان بن گئے۔ وہ برطانوی عظیم کے ایکٹ کے مطابق پاکستانی تھے مگر ان کا دل کل ہندوستان پاکستان بلکہ پورے برصغیر کے عوام کا اس کے ساتھ جڑ جڑا تھا اسی لیے اس وقت دوسری جنگ ارض میں لڑے اور انکی شعرو شاعری سے لگاؤ ہے وہ فیض کا بھی طرح پرست اور بچا جاتا ہے۔

فیض نے نہ صرف عوام کے اندھ کو بڑی حس اور پاموری کے ساتھ کاظم رکھا بلکہ ان کی زبان میں لکھے۔ جب انہوں نے مولانا پاکستانی فلسفہ کی عادت سنبھالی تو اس حیثیت میں انہوں نے نظم و نثر دونوں طرح سے اپنی عمارت اور سماجی انصاف کی حمایت میں آواز اٹھائی اور اس طرح وہ علم و ادب کے خلاف کے طور پر بچکانے ہانے لگے۔ سچی سچی اپنی تخلیقیت میں انہوں نے حکومت کی دشمنی مولی لی اور 1951ء میں گرفتار کر لیے گئے۔ سزائے موت کے فیصلے سے وہ چار ماہ بنے۔ چار ماہ قید و بند کی

تجربہ کرنے کی گنج اور ان کے شعری کلام کی دولت کے علاوہ کچھ بھی نہیں پڑا تھا۔ انہوں نے ہونے میں یہ کامیاب شروع کر دیں۔ وہ سہارا قوت کیا جس نے اس بند خالی گلی۔ موت ’بہاوتات شاعری‘ تخلیقیت کی اعلیٰ تکرر و تفسیح کرتی ہے ہر چہ کہ اس ملک میں فیض کی شاعری سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں تخلیقیت حال اس کے برعکس ہے۔ صرف وہاں کے بچان لوگوں بلکہ بہترین مصنفین نے برسوں ان کی شعری کاوشوں کو ترجمانیت میں لایا اور سزا ہے۔ جب کبھی انہوں نے مضامین کو درست لکھی چھاپیں پچاس ہزار سے لاکھ لوگوں نے ان مضامین میں مسرت کی حقیقت سے شرم کی۔ یہ شاعر ہے ہائے نقوش کی پادشاہ کرتے ہیں۔ جب نانی گرائی شعرا ان اپنی شعری تخلیقیت پر حقائق کی قضا نے ان کو اپنی معرکہ میں سے نکال دیا۔ سچے تھے۔ ہمارے گھر میں شاعری کو خاص مہنگوں پر ہی مہنگی میں ماحول جاتا ہے کہ تک اس کو آت کی دنیا میں بلکہ شاعر جاتا ہے۔ عام لوگوں سے اس کا دور کا ہی رشتہ ہوتا ہے۔ بند و مسلم دنیا کی روایت بلکہ ہمارے۔ ہمارے ملک میں کاروائے نام پڑھے کئے لوگوں میں شہر ہوتا ہے وہ بھی فیض کی شاعری سے کامیاب واقف ہو جے ہیں۔ اس لیے انہوں نے سزاوارتہ اور کے اپنے سے ان کے کیت ان کی شاعری میں رنگ

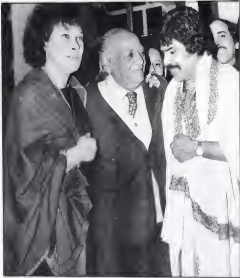
فیض احمد فیض صرف پاکستان کے ستارہ و شہر شاعر بلکہ ہندوستان اور برصغیر کے سب سے دور کے انہائی نامور شاعر 20 دسمبر 1904ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ اپنی لکھیے میں ’سہری ان سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔ ہم ان دنوں لندن میں آگیا کام کر رہے تھے۔ ہمیں کم و بیش پندرہ مہینوں کو اگر جی زبان میں ترجمہ کرنے کا سلسلہ چل چکا وہ بڑے مثالی مثال اور چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔ مجھے ایسا ان کی حسرت کا خیال داسی یاد رہتا تھا۔ انہیں صحت مند و یک کر بڑی طاقتیں حاصل ہوئی۔ مجھے یقین تھا کہ میری ان سے وہ بارہا لندن میں ہائے بھر یہاں لے جایک میں ’اور انہوں تو پاکستان میں ضرور طاقت ہوگی تاہم ان کو اس کرتے ہوئے ہندوستان جانے کے منصوبہ بنا کر مارتے تھے۔

اب ایسا کبھی نہ ہو سکے گا اب مجھے بھلا ان طاقتوں کی یادیں کو کرتے ہوئے ہندوستان کو ان کی شاعری کو تین چار گرجی زبان میں منتقل کرنے کا مرحلے کرنا ہو گا اس شعری فن کی گفتگو پھر دہائی کے لیے مجھے دوام مگر انگیزہ و خیال ملزایں ہائے دہائی میں رکھ کر آئے ہندوستان کا ’بڑھو سے اور ان کے درمیان وہاں تو فکا شاعری سے حلقہ مختلف انواع موضوعات ’خصوصاً ان کی شاعری کے بارے میں ہوتی رہی تھیں۔ اب میری یادیں کے دامن میں

بطولی ہانے ہیں کہ فیلکس کو وقت کہاں نہیں گئے؟  
 فیلکس انہیں لوگوں کے پاس سے آئے تھے  
 جب بخاری 1979ء کی ایک سرورشاہم "آن سے بخارو  
 میں طاقت ہوئی۔ ہم دلوں کو "ایست و پست منتر"  
 کی طرف سے بھیہنہ افواہی اور پی کاٹکٹس میں حرکت  
 کی دعوت دی گئی تھی۔ پھر اس میں افواہی  
 اور پی کاٹکٹس میں شریک ہونے والے مسند بھی کا  
 سرکاری فوٹو گراف بھی ہے۔ فوٹو گراف میں گل چوہ  
 شریک ہیں مگر جوں تک میرا خاکہ ساتھ رکھا ہے اس

آسانوں سے ملکر ہو کر زندگی گزارنے کے قابل ہو  
 گئے تھے اور اس اس اس نے انہیں عوام کا درجہ دیا  
 جا رہا اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ جب میں نے بخارو  
 لہو کی طاقت کے بعد خاکہ ساتھ کئے ہوئے ان سے  
 ان کا پتہ ملکا تو انہوں نے سگراتے ہوئے کہا "اس  
 انقلاب کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ صرف فیلکس"  
 پاکستان گھوڑی "خدا مجھے ملی جائے گا۔" اس کا بخارو یہ  
 ہے کہ پاکستان کی پولس پرمیں فیلکس ہی کی شانہ دہ  
 حکومت کا کر ہے۔ یہ لوگ ان کے ساتھ لوگ ہیں۔ وہ

خفیوں میں بخارو ہیں۔ پھر انہیں خلی پہنچا کر انہیں بخارو  
 وقت انہیں بخارو تھا کی میں دکھا گیا۔ جن لوگوں کا میں نے  
 ترے کے لیے انقلاب کیا ہے ان میں سے اکثر و بیشتر  
 اس بخارو تھا کی میں گھسی گئی ہیں۔  
 فیلکس نے عوام کے جذبات کی اسی طرح سے  
 ترہائی کی ہے کہ وہ یہ خدمت انہوں نے صرف عوام  
 بخاری کا عظمیٰ کا بلکہ عوامی اصل کر کے دیا وہ دیکھ  
 کے ڈر رہی انہیں ہم میں دی بلکہ اپنی پوری زندگی  
 بخارو عوام کی تعلیم و تقیم میں گزار دی۔ وہ اصل



نئی دہلی میں فیلکس اور بخاری

اولی کا ٹرنس میں اس سے زیادہ لوگوں کا اجتماع تھا۔ اس بار ہی کا ٹرنس میں اسٹریٹیا ٹیڈزی لینڈ کی "مناویا" جوتی کوریا، جاپان، ٹھیکس، بنگلہ دیش، بھوٹان اور پاکستان کے نام سے شامل تھے۔ اس کے علاوہ بحرہلال کے ساحلی ممالکوں کے چار ممالک اور امریکہ کے متحدہ ہی بھی شریک تھے۔ اس فوٹو گراف کی زیریں پٹی پر اعلیٰ حروف میں لکھا تھا "عرب میں حلقہ ٹھیکس کے اثر و نفوذ پر دو کتاب" "ہم سب کے سب مجرور کی تھلا میں تھے۔ ہم میں سے کما کے اٹھنا" ہر خطفہ کی مسکراہٹ بھی گھس گھی۔ برے بھرے لان پر آگے پیچھے دو صفوں میں کھڑے سب ہی عجیب و غریب آ رہے تھے اور سب ہی موسم گرما کی چٹان اور قمیص میں لباس تھے۔ فیکس اگلی قہار میں تھے۔ ان کے چہرے پر سلیو کی کی پر چھائی بلکہ ٹھیکس ابھری ہوئی تھراؤ سی تھی۔ اس کی ہوا اس سے سچ کے پتلے ہوئے سورج کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے ان کی قمیص زما ہی پھر گئی ہوئی تھی۔ قمیص کی بیب میں گرم لٹکا ہوا تھا۔ اس کی پٹائی لٹکاؤ اور دھو گئی۔

وہ جائزات جو قصہ میں تھیں۔ میری پادشہ  
میں اس طرح زندہ جاوید ہیں۔ اور کچھ پہلے سے  
مناظر کے "پلیٹے" ستر۔ سامے "دھندلے دھندلے  
سے نفوس" ہوتی ہیں گزرتے ہوئے اس ایک صفحے  
کی دلچسپی اور اوجھاٹا تھا۔ اظہار عقائد اور ایسا جب  
عراقیاتی چیز تھی تو ایک ذہنی کاغذ پر نہیں بلکہ  
پہلے وہ ستر کی دھندلی "اداس" لکھی ہوئی  
تھی میں بھولے بھولے ہوں اور ستر میں ذہنی  
بسطوں میں اور پھر اس کے نظر آتے ہیں۔ غریبا  
مطالعہ اور دور دورہ "اداس" اور دھندلی یا تھیں کوئی  
جس کی شخصیت کے وہی جو دور سے حائر ہوں بغیر  
وہ ستر کچھ جلد میں نے نہیں اپنے کہہ پا رہا  
پھر اس کا قصہ کہہ کر۔

ہنگامہ کار کا حکم دے دے دل کے جواں کو بچا لیا۔  
 دلوں کی گہرائیوں میں اتر چلا گیا۔ جب اس نے  
 محسوس اور متوجہ انگریزی زبان میں روانی اور  
 جذبہ یافتہ لہجے میں شعر کہی تھیں اور دماغ کے ساتھ

تہ پہلڑ کا کہہ جاتا کہ کافر نے بائبل دی اور ہم عام طور پر گھبراہٹ میں اور پانی میں دوسرے شخص کی چھائی کھانے پینے کی ضروریات اور شام کے چنگاموں کے ساتھ آگے بڑھتے رہے اس بات کا خیال نہ کیئے ہوئے کہ



اسی کتاب کے ہی پروردگار تعالیٰ نے اس کی تائید فرمائی ہے۔

ہاں خروار کیا میں عزز و کرامت کی دعا  
کاغذ کی کے ان لکھنوں میں بھی ہم ایک  
دوسرے کو اچھی طرح سمجھ گئے۔ اور اس صوفی  
خیر سے گاجری قلم حاد سے لیے دلدادہ و داد  
سرزمین میں بدل گیا۔ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ہم  
دونوں ایک لٹھ جڑا اور بہت سے لوگوں کے ساتھ  
مسند کی چھری ہوئی سوجوں میں چھپے ہوئے زندگی  
کا حسل اور گری کاظم رکھنے کی کاوش میں ایک  
دوسرے کا مشعلی سے بکڑے ہوئے ساتھ ساتھ ہے  
چلے جا رہے ہیں۔ پہلے ہی دن سے ہمالیہ دار سے  
شرواں کی کرتے شروع کیا گئے تھے۔ تھوڑا دیکھ پاگلی  
پان میں خروار نئی جا رہی تھی۔ سوسلا حاد میں  
بھاگتے رہتے ہمالیہ پہاڑ اور تیز و پیمار کا  
دوسرہ میں کیا تھا۔ پانی ہمارا راقی ہو رہی کے ساتھ  
سینے سے ستر کا خود کا فوارہ نہ گئے تھے ہاتھوں

خود بخوار رہے کے چڑے بچے گھیرے لٹے ہوئے  
پانی کے تجزیروں کی ارد میں نہ آ جا سکیں اس امتیاز  
کے باوجود یہ پانی کے پیچھے لگے کھائے اور ملی سے  
تھری کی گاس میں جلی کر ڈال دی گئے۔  
میں لپٹ کر دو ہات درجی پانی دیا۔ انہیں اس  
کی ضرورت لگی تھی۔ ہمیں ایک اور ہڈی میں کمرے  
وچے گئے۔ مجھے اپنے کمرے میں پہنچنے کے لیے تھکی  
سڑکیں چڑھا چڑھا تھکی کمرے میں سر کرنا ہوا  
جو جاتا تھا ان کی سانس بکھڑا دے کھینچ کر دیا۔  
کبھی کھار تو انہیں آسے نہ تھے کے لیے دم لینے کی  
ضرورت نہ ہوتی تھی۔ میں نے کی بار کوئل کی کہ  
انہیں کراؤ نہ ہو کہ کمرہ مل جائے اور میں اس میں  
کاہلی ہوگی۔ ایک شام ہم بیت دیسے ستر کے  
کراؤ پر رات کے کھانے پر جا رہے تھے۔ کھانا

کھانے کے بعد ان ہم نے لے کیا کہ ان کی شاعری کا  
انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیے۔ اس وقت تک مجھے  
معلوم نہ تھا کہ جین کا شمار دنیا کے بڑے  
شاعروں میں ہوتا ہے۔ میں جین کی شاعری کے ان  
ترجمہ کو بڑھ بھلی تھی جو انکا کیڑن نے کیے تھے۔  
میر سے دینی میں دور، اور صرف ایک ہی سوال کو لے کر  
تو کیا میں تر تھے میں وہ بات ہے اگر سکھ کی جو اصل  
میں سمجھتا ہے؟ کیا میں ان کی شعری کاوشوں کو  
انگریزی زبان میں منتقل کرتے ہوئے نہ چند اور  
جان ذہل سکھ کی جو وہ زبان میں ہیں بطور غلط  
سمجھا ہے۔ میں نے دلی ہی دل میں کہا "کوشل  
کرتے میں کیا جاتا ہے۔"

کا شاعر ہوا گیا۔  
اس کے بعد سے ہم ساتھ چہ دھور کا کہیں  
چلتے۔ جب بھی فرصت ملتی انگریزی کی مصروفیات سے  
قراغت نصیب ہوتی، ہم ہر جاگ کہ میر سے یا ان کے  
کرتے میں متعلق تھے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ  
بیٹھ جھگے اور ایک باضابطہ کام اور بات کے مطابق  
کام کرتے رہے۔ جین نے اپنی تمام تر شاعرانہ  
لے جان کا توں لکھوایا۔ اس کے بعد ہر کام شروع ہوا  
گیا۔ میں نے نظم کے متعلق سوال کیے۔ مجھے کیا کوشش  
کی۔ پوچھا "آپ نے یہ پہلے پہلے پہلے پہلے پہلے پہلے  
یہ استفادہ یہ کیا ہی کیا کیا چاہا؟ ان سے آپ کی کیا  
مراد ہے؟ اگرچہ حراج کا اضافہ وہ چاہاں میں جاں  
تھا۔ جو جی مراد لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے  
نہو امریکی قادی کے لیے لے لے لے لے لے لے لے لے لے  
برائی بات ہے برا پیدا لکھوایا کی شاعرانہ خیال بندی کے  
دوسروں اور مراد کو ہوا نہ لکھوایا کی لکھوایا کی لکھوایا  
انتہا "برجوت برائی بات کی سمجھت کی انہوں تک  
لکھوایا لکھوایا تھی۔

مجھے نہ تھے کا شاعر شاعر کی ایک طرح کی  
حاشا ہر ایک قسم کی جین کا اصل لکھوایا سے ہم تھا۔  
میں مجھے کی تھی کہ میری زبان اور میرے ادب کی  
دہانت کیا کر سکتی ہے اور کیا میں کر سکتی ہوں؟ جی جی  
کی تھی کہ میرے بعد ترجمہ کرنے کے ساتھ میری  
ادب کا سمجھت بھی ہے۔ اس کا اضافہ مجھے اس لیے  
بھی تھا کہ میں خود شاعروں اور تخلیق کے بعد ان میں  
میر کا ادب اور فرما ملے سے گذرتی رہی ہوں۔  
میں نے یہ بھی لکھوایا تھا کہ کیا کرنے میں تھی اور  
تھا وقت نکلا ہے۔ نظم انگریزی زبان میں اچھے  
اچھے کئے مراحل سے گذرتی ہے۔ کئی مختلف طریقوں  
کئے چلے اور ہمیں دے لے کے بعد عمل ہوتی ہے کہ  
اسی عمل سے "میں انگریزی زبان میں شاعری کرتے  
ہوئے گذرتی ہوں۔ نظم کا ترجمہ کرتے ہوئے مجھے اس  
بات کا بطور خاص خیال رکھنا ہوا کہ نظم میں وہی معنی  
یہ اور نہیں، چنانچہ وہی روحانی خیال اور فہم اور ہم ہے جو  
فعل کے پہلی نظر رہی ہے۔ اس میں وہی بندہ وہی  
ہو "وہی لکھوایا ہوئی اس اس کی گری، دعا سے وہی  
دھمکی دھمکی ہے اور وہ میں وہی سبک خزانہ اور نہی  
ہو اور سب سے بڑا کہ انگریزی تر تھے میں وہی بات  
یہ دلی کی تھی اور نہ میں چاہی کہ ساری ہے۔

میں بخوبی جانتی ہوں تیرا کارو ہے اور  
کاکاٹ "الفاظ اور مشق سے استفادہ سے اور کاکاٹ"  
بات کہے کا وہ فعل اور ترجمہ اور پھر ان تمام حواس میں  
وہی گری اور شوق ہے کہ اس اور اس کو توڑی ورتہ  
سے بڑا کرنا جو اصل میں موجود ہیں کئے جو کھوں کا  
کام ہے اس کا لکھوایا کہ کوئی مشق کہاں چاہاں  
ہوتی ہے اور کون سا مصدر اور شوق کی گنجائش ہے  
بڑی فرقہ بندی اور حوصلہ خالی کا مطالبہ کرتا ہے۔  
کی لکھوایا کہ کہاں چاہاں ہمیں ساتھ لے کر چلا جاتا

ہے۔ کہیں ان سے بھلاہ اس میں کہ جاتا ہے اور کہیں  
ان کے لکھوایا نہیں!  
تخلیق کے عمل کی طرح "تر تھے کے عمل کو چاہاں  
کہنا بھی بڑا لکھوایا کام ہے۔ اس کے چاہاں کرنے کا  
کوئی لکھوایا چلا لکھوایا چلا لکھوایا چلا لکھوایا چلا لکھوایا  
ہر سے میں لکھوایا اور شاعری کرنے میں بہت بڑا فرقہ  
ہے۔ لکھوایا کہ سا کہہاں سے ہر سے لکھوایا  
یہ شعری ہے اور نہ دوسرے کے شعریات کا ہے۔  
ہو تو لکھوایا سے سامنے ہے۔ پوچھا "آپ نے لکھوایا  
ہے۔ اگر لکھوایا کا کام شعری کو شوق اور دوسرے کی  
چاہاں لکھوایا لکھوایا میں لکھوایا کہ جاتا ہے تو شاعری  
بڑا چاہاں ہے۔ میں صرف لکھوایا کہ لکھوایا کہ لکھوایا  
کہ شعری کو شوق لکھوایا بہت اہم ہے کہ لکھوایا  
لکھوایا لکھوایا دیاں ہے۔ میں لکھوایا کہ لکھوایا  
یہ شاعری کے چاہاں وقت میں دلی لکھوایا ہے۔

سب سے پہلی نظم جو تخلیق لکھوایا تر تھے کے  
لیے لکھوایا اور نہ لکھوایا کی یہ دلی نظم، لکھوایا  
Spring comes; suddenly all the  
time returns  
all my young days that expired  
with our kisses,  
that have been waiting in  
Limbo, come back  
every time the roses bloom with  
your fragrance,  
and the blood of your lovers.  
All my misery returns,  
all my melancholy of suffering  
of friends,  
drunken after embraces of  
women beautiful as the moon.

بہت مشکل فلم تھی۔ یہ فلم فحش کے قبرستان میں جا کر  
واپس آنے کے بعد لگی گئی۔ دراصل 'نشر' کا مقصد  
کیونکہ 'نکاح' کی منافی صورت گئی، انکشاف کا رویہ  
کے ساتھ یہ فلم بھی ایک ایسی فلم ہے جس میں کسی  
بڑے ناظر تمام ناگہان یا باہر سے نکلتی نظر نہ کیجئے

On cold stone slabs  
greystone slabs  
flowers are sprinkled  
like a smattering of fresh, warm  
blood.  
The stones are all nameless

melancholy with the suffering of  
friends,  
intoxicated with embraces of  
moon-bellied beauties,  
All the chapters of the heart's  
oppression return,  
all the questions and all the  
answers between you and me.  
Spring comes, ready with all the  
old accounts reopened.  
"میں نے کہا میں جنگی قبرستان سے گئے کے لیے

The book returns replete with  
the heart's suffering, the  
questions left unanswered.  
Spring comes.

یہ فلم بھی ایک بڑی حد تک ایسی ہے کہ انھیں خاص قسم کے  
دور کی کہیں میں ادنیٰ ہوئی ہوگی۔ ایسے دور کی دکان  
میں ادنیٰ ہوئی ہوگی کہ کسی خاص چیز کی خاص سب سے  
کسی خاص موسم کے لئے وہ دن بعد 'آخری بار' پائی  
قوم تریاں کے ساتھ خود کرتے۔ اس فلم پر لکھے  
بڑی کھوکھلی کرنا چاہی۔ ہر ایک 'پیر صورت' پر تھیل کر  
خصوصی فلم بنانے کی اسلوب کے اعتبار سے زمانہ  
تعداد یہ کہ چار تا گشتے جڑیں ہی گری ہو  
حرارت پائی، ہے بارود میں رہی کی کھلی گئی ہے۔  
میں نے جس سے پوچھا تو اس طرح میں  
Book سے کہا تو ہے "انہوں نے کہا" وہ کہو  
جس میں تو ہے کہ کیے جاتے ہیں۔ "اس فلم کا بار  
تھیل کرنا تھا تو اس طرح۔ جس طرح یہ گئی

### Spring Comes

Spring comes; suddenly all  
those days return,  
all the youthful days that died  
on your lips,  
that have been waiting in  
Limbs, are born again  
each time the roses display  
themselves.  
Their scent belongs to you; it is  
your perfume.  
The roses are also the blood of  
your lovers.  
All the torments return,



کو لیا گیا تو پورے ہی کے مجھے میں تو امی لیزر کے مشغول ہو گیا ہوں

and the eye (eyes) become  
restless in sleep over the timeless  
land of isolation morning begins  
to dawn.

On some distant horizon a wave  
of light is playing,  
a snatch of song, a whiff of  
perfume, a glimpse of a  
beautiful face

pass by like travellers  
bringing the disturbance of hope.  
I fill the cup of my heart  
with my morning drink,  
mix the bitterness of today with  
the poison of yesterday,  
and raise a toast of my boon  
companions  
at home and abroad

"to the beauty of earth, the  
ravishment of lips."

اس فطری ترشے کے اس اعجازِ فنی کے تمام جملے  
اور تراکیب تو میں ستر دہائیوں کی فکرِ کرم اور اس کی  
خواہشات کو گہروں کیے گہروں میں نے لاجتہاد سے کام  
لے لیا ہے۔ ان میں سے کچھ دیکھ کر اپنی اصلیت  
پاکش میں اختیار کا فاضل سمجھتا ہوں۔ ترشے میں  
دائے ہیں۔ یہاں یہ جان کر دانا بہت ضروری ہے  
کہ فطرت نے اس نظم کو لکھنے سے پہلے اسے دیکھا ہے  
وہ فطرت میں قدرتی ہے اس طرح سے اس نظم پر  
گورے بھی ہیں اس نظم کی پہلا تیار خصوصیت اور  
سب سے اہم بات اس کی غیر معمولی عداوت اور  
مخاس ہے۔ اس کی کل چاشنی جس کا نہ جذباتی

flowers and the woman carved  
in granite.

She is their mother now;  
she makes them all small again,  
watches them sleep forever.

Only she is awake, draped in  
her hard garland, weaving and  
reweaving

her other garland of sorrows.

ایک فطری دشواری جو فطرت سے زبرد  
کرتے ہوئے بار بار اپنی آواز مچاتی رہتی ہے کہ وہ نظم  
کے تمام جملے، تراکیب کا خصوصی خاکِ عام طور پر نظم کا  
باجی تھا جس کی وجہ سے فطرت کی شاعری میں یہ  
صورتحال اور بار بار دہرائی جاتی ہے کہ یہاں کی  
زبان مرید اور ذاتی مصادر و مسکات سے ماری  
ہے۔ اور صورت کی مثال کاہلی میں حسن و جمال کی  
علم بندی سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ چنانچہ فطرت کا  
زبرد کرتے ہوئے مجھے اختیار کا فاضل انداز اختیار کرنا  
پڑا۔ دوسرے یہ بات بھی تھی کہ اس زمانہ میں اصل  
جملوں کی عداوت اور فطرتی سادہ پنکھ اور ہے جیسے  
صورتحال تھا جس کاہلی انداز کی گہر سمجھوں کی جگہ کرم  
کی طرح کے جملے اور ان کی عداوت اور جزیاتی زبان  
کے لیے قریب اور بخشی ہے۔ میں نے زبان کی اس  
عداوت اور ان جملوں کی سادہ پنکھ کو گہری زبان کے  
فاضل خصوص اور ذاتی قبائل تصور۔ جملوں اور  
تراکیب میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

نظم "تہجدی" کا فطرتی ترشہ ہے۔

On some distant horizon a  
wave of light begins to play  
and in my sleep the city of pain  
awakens

but every flower carries the  
name  
of some unknown sleeper  
and someone weeping in his  
memory  
Finished with their blood  
Shrouded in their blood  
All the sons are fast asleep  
The mother alone is awake  
weaving the garland of her  
sorrows.

وہ پہل کیا ہے؟ ہر پتھر، لیلیٰ، گلہب۔ وہ  
ان کوں ہے؟ وہ ایک بہت قدیم زندگی سے بڑا جو  
قبور میں دفن، سرور، پیچوں کا ایک ہوا ہے۔ وہ ہر  
پتھر کا کار کیا ہے؟ سنگ تراشی کی مثال کا ایک  
حصہ مجھے اس تاثر کا ہی حصہ کے ساتھ نظم کی بہت  
میں ہر گز نہیں کرتا ہے جس طرح فطرت نے اصل نظم  
میں دفن کیا ہے۔ نظم کی فاضل کل یہی

The War Cemetery in  
Leningrad

These dabs of living blood  
are carnations and tulips  
sprinkled on the ice-cold stone.  
Each flower is named for one  
of the unforgotten dead,  
and of someone who weeps for  
him.

These men have finished their  
work;  
there is the testament of the

اور اُجھلی میں سے کوئی علاقہ ہے اور نہ اس میں  
 "سکرین" کی طاقت ہی محسوس ہوتی ہے۔ یہ مٹاس  
 یہ کھٹکی کھٹکی چٹکی جس میں حزن و غم کی لہر لہکتی ہو مگر  
 مادی کا شائبہ نہ ہو۔ کھٹکی کی شامری کی نظر ادنیٰ شان  
 ہے۔ اور یہ ان کی سنسنیلی ہوئی خصوصیت اور کٹھن دلی کی  
 لطافت کی کرتی ہے۔ وہ غم ویراں میں بھی استقامت و  
 پامردی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی ان کی شامری کی  
 سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ مٹاس لے لے لے چاک  
 بکریا۔ لب لہم کا حق تو میرا غرض ہو۔

### Solitary Confinement

On the distant horizon a wave  
 of light  
 begins to play; in my sleep I live  
 in the city of loss. My eyelids  
 flutter in their restless dream  
 as morning moves forward  
 over the loneliness, the country  
 without borders.

A wave of light is dacing  
 over that distant horizon.

The merest retain, the ghost of  
 perfume,

the beloved face glimpsed for a  
 moment,

fortune me with hope, the final  
 disturbance.

They arrive and leave,  
 travellers who have no time to  
 stay.

I fill the cup of my heart  
 with my morning drink, today's

gall  
 mixed with yesterday's  
 bitterness.

I raise a toast to my friends  
 everywhere:

"Let us drink, my dear ones, to  
 human beauty,  
 to the loveliness of earth."

اور اس کے بعد یہاں کی چوڑی کھٹکی کھٹکی کھٹکی  
 کے بعد کھٹکی اور میں یہ سوچ کر ہار لے کر آج کیوں  
 نہ شعلی بندوستان کی کسی رستوران میں کھانا کھلیا  
 جائے! ادنیٰ کا لٹریس میں آنے والے منہ میں کو  
 کھانے کی دھن صرف داریعہ الرعیہ بنتے تھے۔ شعلی  
 بندوستان کے رستوران میں کھانا کھانے کی بات حتی  
 نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن ہم "سائٹ ویٹ سٹو" کی  
 حد میں کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا  
 ہم نے یہ دیکھ کر کہ انور اپنی ترک میں رستوران میں  
 بیٹھے ہوئے دلی کھول کر باتیں کیں۔ کھانا کر  
 رستوران سے باہر نکلتے ہی والے تھے کہ شعلی کا نام  
 سننے لگا! ایک بھٹی لڑکا ہمارا کہا کہ آہا ہمارا چچا جی میں  
 ان سے بہت گیا۔ ہمارا تھا اچھے کا نام نہ کھل کی کام  
 کی طرح سادہ سے کھل گیا۔ دقہہ دقہہ ہم اس "بیس  
 ہائے" سے خائے ماؤں ہو گئے۔ اس کا نام انور  
 دھان تھا۔ وہ ایک مدت سے بازار میں بیٹھ تھا۔ اس  
 کی بھائی داریعہ شعلی تھیں۔ اس رات سے وہ مگر شعلی  
 کا ہفتہ کارڈ میں گیا۔ بھائی میں پاکستانی کیسٹی بڑی  
 قصہ میں مبتلا تھی۔ اپنے ہم وطن شاعر کو خوں آمدید  
 کہتے "اس کے ساتھ کھانے بیٹے" اس کے ساتھ گا  
 نکلیں سے ایک جا کر بیٹھنے کے لیے بہت سے لوگ  
 بیچ ہونے لگے۔ کھل اس لیے کہ اپنے محبوب اور  
 ہندوہ شامری آداس نکلیں۔

ایک لڑکھ "بب لڑکی آئی" کہ یہاں یہاں  
 بھائی میں چھڑا ہا ہے۔ پاکستان میں ڈائیکٹر شپ  
 کے ساتھ جب سٹریٹ کی پھڑکی ہانڈی کی گلی صاف  
 اور یہ صاف صاف انداز اظہار مشکل ہو گیا۔ چچہ وہاں کہاں  
 کے اصلی ناموں سے پکارنا مشکل ہو گیا تھا۔ دقہہ دقہہ  
 اکیلاکت و اشارتہ ضروری ہو گئی۔ اسی دور اظہار کی  
 ایک لہجہ ہے اور اس دور کے خائے کی امید پر لہجہ ہوتی  
 ہے۔ لٹریس تو یہ ہے

And then one day such-wise  
 autumn came  
 naked trees of ebony trunks  
 stood arrayed  
 with yellow leaves of their  
 hearts  
 scattered all round on  
 roadways.  
 Whoever willed trampled them  
 underfoot  
 and not even a moan was heard.  
 Songster birds of dreams,  
 imaginings,  
 when they lost their sons  
 became strangers to their voice,  
 fell into the dust all by  
 themselves.  
 And the bird-hunter had not  
 even strung his bow.  
 Oh, God of Spring, have mercy  
 Bless these withered bodies with  
 the passion of resurrection,  
 their dead veins with blood.

begins to sway  
in the bedroom of the beloved,  
and the tinkle of stars as they  
rush to depart  
can be heard on the silent  
windows.  
What will it be like, the day  
death comes?

Perhaps like a vein screaming  
with the premonition of pain  
under the edge of a Knife, as a  
shadow,

the assassin holding the Knife,  
spreads out with a wing span  
from one end of the world to the  
other,

Whichever way death comes, or  
whenever,  
in the guise of a disdainful  
beloved who is always cold,

there will be the same words of  
farewell to the heart:

"Thank God it is finished, the  
right of the broken-hearted.  
Praise be to the meeting of lips,  
the honeyed lips I have  
Known."

فراق کی شامی - فراق کی رات غم کی خدمت میں  
آپ نے غم کے دیوانوں کی سچائی اور حقیقت کی  
فہم سے بے نیاز ہے۔ کیا وہ لوگ جس کی شامی  
کے دیوانوں میں ہیں؟ اُسے یاد رکھیں کہ فراق میں  
کے دیوانوں میں زندگی ہے۔ یہ سب کچھ یاد رکھیں  
فراق زندگی ہے۔

☆☆☆

وہ شام جس نے یہ گھٹیس نکھیں 'وہ شامی' کی  
نیرودہا ہے۔ ان کوئی شامی نے اس کے سر سے کا  
سنگ مٹا دیا۔ میں آج بھی اس کا چلنی فراموشی فلم  
بھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میں جانتے کا کام ختم  
کر چکی ہوں۔ سب میں ایک ایسی بات ہے جو میں  
ان تیروں کی جہم نے ایک ساتھ دیکھ کر کہے ہیں۔ ہم  
ٹپ۔ شامی اور وقت کے بندھنوں میں ایک  
دوسرے کے ساتھ لڑنے والے ایک ساتھ ہم کیا کر سکتے  
ہیں؟ ہم ان کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔ وہ سب کچھ یاد رکھیں۔  
فراق کی شامی اور وقت کے بندھنوں میں ایک  
دوسرے کے ساتھ لڑنے والے ایک ساتھ ہم کیا کر سکتے  
ہیں؟ ہم ان کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔ وہ سب کچھ یاد رکھیں۔

اپ کے سال فراق کی آمد میں نے  
پڑھا ہے کہ وہ ایک ہے۔ آپ کے 'بے زبان' کی شامی  
فراق کی شامی ہے۔ فراق کی شامی کی شامی ہے۔  
فراق کی شامی کے نام ہی کے ساتھ اور وہ میں  
ہو گا۔ سب ایک ہی فلم جس کا وہ بجلی فنی زیر  
ہر سے پاس نہیں

The Day Death Comes

How will it be the day comes?

Perhaps like the gift when night  
begins,  
the first Kiss on the lips, given  
unasked,

the kiss that opens the way to  
marvelous worlds

while, in the distance, an April  
of nameless flowers agitates the  
moon's heart.

Perhaps in this way: when the  
morning,

green with unopened buds,

Let some tree flower again

Let some bird sing.

اس فلم کے جس سے کا ترور کرتے ہوئے  
سب سے زیادہ شامی کا ساتھ لڑنے والے  
کی شامی سطر سے لکھ کر وہی سطر یہ شامی ہے  
فراق کی شامی ہے۔

When Autumn Came

This is the way that autumn  
came to the trees:  
it stripped them down to the  
skin,

left their ebony bodies naked.

It shook out their hearts, the  
yellow leaves,

scattered them over the ground.

Anyone at all could trample out  
of shape  
undisturbed by a single moan of  
protest.

The birds that herald dreams  
were called from their song,  
each voice torn out of its throat.

They dropped into the dust  
even before the hunter strung  
his bow.

Oh, God of May, have mercy,

Bless these withered bodies  
with the passion of your  
resurrection:

make their dead veins flow with  
blood.  
Give some tree the gift of green  
again.

Let one bird sing.



”کیا روشن ہو جاتی تھی گلی جب یار ہمارا گزرے تھا“

20 نومبر 1994ء کے بعد سے اب کئی اہمیت  
کر رہا ہے لیکن اب بھی ملک بدل گیا اس حقیقت کو نہیں  
سمجھتا کہ اب فیصل احمد فیض زندہ نہیں ہیں کہ اب  
یاد سے انہار سے اپنے فیصل صاحب یا سکر کی نہیں  
تکیم کے غرضیوں کر کے اپنی بھاری آباد میں نہیں  
ہے کیوں ابھی اقلیت کہ کیا کوئی انہیں لے انہیں  
کو کر بھیج رہا ہے مسئلہ ہے آج کا۔

[illegible]

صاحبِ مہر نے اس آوازِ سماجی دوست اور بہت  
 ۱۶ افسانوں پر ہے۔

ہوا میں کہ ماسکو پور خود ملی میں غالب ملی کے  
 زمانے میں لیجے اور ادنیٰ شاعری سے شوقی ہمار پھر گھنٹوں  
 اور ملی میں جہاں میں غالب کی حیثیت سے زبان کی  
 مشق کیلئے تقریباً ایک ایک سال کیلئے بھی کی تھی میرا یہ  
 شوق چلتا ہو گیا۔ میں نے اردو شاعری کا سطا کر کے  
 اپنے کا فیصلہ کیا۔ 1957ء میں دہلی ماسکو میں میرا  
 غالب کی صد سالہ عربی سالے کی چوٹی شروع ہوئی  
 مجھے سے میرا غالب کی غزلوں کا انتخاب اور ان کا  
 عربی میں بھی شری کر کے کر کے کی جو دہلی کی تھی کہ یہ  
 میں ایک ایسا تجربہ کہ جو مجھ سے اس وقت کے معظم فن  
 میں دہلی غزل کے ساتھ میرا عربی بھی نہیں فرما  
 ہی تھی، اسی حکایت سے مدد ہوا چا کر کہ میں نے  
 طریقہ جو اس ہوئی۔ تب میرے ایک واقعہ کار نے  
 مجھ سے کہا ”آج کل فیل جو تھیں اسکا آئے ہوئے  
 ہیں۔ تم اس سے کیوں مدد نہیں مانگی؟“ پہلے میں  
 حیران ہوئی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہاں فیل جو تھیں اور  
 کہاں میں تھیں کی غالب اور مجھ پر اپنا مفتی وقت کیوں  
 ضائع کریں گے؟ اس وقت ملی میں فیل صاحب کا  
 وہ مشہور شعر پائی تھی جس کا ایک مصرع ہے ”وہ تو  
 صیب آتے ہیں، بالی، پر کرم آتے ہیں۔“ لیکن اس  
 وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ بالی پر کرم آتے والے خود  
 فیل صاحب ہی تھے۔ اس لئے میں نے بالی پر کرم کی تھی

نہیں ایمان غالب میں سے ایک سواغدا کا اکلاپ کرنے اور بکراں میں سے کافی اشعار گنگے میں بھی شکستہ و قافیاں موزون ہوئی تھیں۔ اس میں فیض صاحب جیسے غالب شناس سے بجز کون میرا ہاتھ بنا سکتا تھا؟ اور بکراں سے بڑے ساڑھے گھنٹے کا شوق بھی بہت تھا۔ میرے استاد خواجہ نے فیض صاحب سے گئے کا انتظام کیا۔ اس کی جگہ تک پہنچے وہاں کہیں کہیں قند، گھبرائی ہوئی، اشرافی ہوئی فیض صاحب کے حضور آتی تھی۔ اپنے حقائق کے سارے افلاک و امارت سے نکل گئے اور یہ کہہ کہہ کھینچے چار کیا کیا حقیقی کا ہے؟ کاے کاے کی حمد بھی۔ سب کہہ کہہ بھول گئی۔ بڑی مشکل سے "I am very glad to meet you" قسم کوئی اگر جی جملہ میرے حوالے لگا لیکن فیض صاحب نے میری حالت کو گواہ کیا بھی نہیں۔ سہمکتا ہے ہوئے کہ "قسم غالب پر کام کرنے والی جو نا؟ درود تو آتی ہو گی؟ قسم اپنے ساتھ غالب کا کوئی چارچاں لائی ہو؟ کونسا ہے؟ لیکن سہمکتا ہو؟ سہمی احمد میں فیض صاحب نے بکھیر دیا، بکھیر بکھیر میں نے جواب دیا، میری ساری گھبراہٹ "ساری پر چلتی کلاہ ہو گی تھی۔" ساری بات چیت کلاہ ہو گی تھی۔ میں بھول جاتی تھی کہ خود فیض پر فیض سے بات کر رہی ہوں یہ کہہ کر ان سے پہلی بات ہے۔

ہاں ”وہ“ آئے تو یہاں کہ جیسے ہمیشہ تھے مہربان اور  
 خوش خلق ہے اس شعر کے دوسرے مصرعے کا جو مضمون

ہے مجھے اس کا تجربہ بھی نہیں ہوا۔ چلی دعوت کے بعد بھی فیصلی صاحب نے مجھے بہت وقت دیا تھا۔ انہوں نے مجھے صاحب کی طرفوں کے احکام کے مناسبات میں اصول بتائے۔ غالب کے مشکل اعداد چھانسنے میں ان کی خاص ٹھوس پیمائش اور تہذیب دہانی اور انجمنی طور پر اور شجاعت پر بھی مجھے بہت سبق چھانسنے۔ اس طرح کے سبق لینے دینے کا 17 برس کے دوران اخلاقی وقت فراغت صاحب ہوا۔ اس لحاظ سے میں اپنے آپ کو بے حد فاضل قسمت سمجھتی ہوں اور اس لیے فیصلی صاحب کی عمر بھر اس میں مصروف ہوں گی۔

اس بار 1967ء میں پاکستان سے جانے وقت فیصلی صاحب نے مجھ سے کہا تھا: ”کیوں اپنی اپ غالب سے تہذیبی دوستی ہو گئی ہے؟“ ان میں ہار دیا ہوں۔ ”فیصلی صاحب چلے گئے انجمن کی ان باتیں ان کے لئے اعداد ان کے لائق۔ سب مجھ پر سے ان پر منتقل ہو کر رہ گیا۔ اس وقت سے میں بڑی بے حالی سے باقی پر کمر ہاتھ دے رہی تھی۔ اسی طرح میرے علاوہ پاکستان میں اور بہت سارے لوگ تھے جن کے لیے فیصلی صاحب کا آغا ایک تحریک سے آگاہی ہو تھا۔

13 فردوسی باغی ساگرہ داروں فیصلی صاحب نے کی ہار پاکستان میں گزرا تھا۔ فیصلی صاحب کی 70 ویں سالگرہ بھی بیکس پاکستان میں منایا جانے پر بڑی اہم و عام سے منائی گئی تھی۔ ایران، عرب میں سب سے شاندار جلسہ ہوا۔ ہار داروں کو ان سے کچھ کچھ ہوا تھا۔ فیصلی صاحب اپنی انجمنی اہمیت میں خاستہ رہے اور وہاں کے بڑے بڑے شاعرانہ انجمنوں کا بڑا بڑا ترجمہ چھ کر خاستہ تھے۔ اس جلسے میں فیصلی صاحب نے ایک تقریر بھی کی۔ اس دن فیصلی صاحب کو دیکھتے اور سنتے وقت کسی کو بھی ان کی عمر کا خیال تک نہیں آتا تھا اگرچہ یہ ان کی 70 ویں سالگرہ کا جشن تھا۔ ایک

بڑا جانی زندگی دل انسان بڑے مشکل انداز میں جاتی اور دنیا کی باتیں کر رہے تھے۔ میں بڑی بڑی کٹی گئی تھی اور سلیپ وائر خیال کا انہماک بھی۔ فیصلی صاحب نے پاکستان کے بارے میں بہت اچھے اور بڑے غلط الفاظ کہے تھے۔ ان کا مفہوم مجھے ابھی تک یاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح کا ”اسکو میرے لئے ایک مزید شرم دار۔ پاکستان بھی مجھے عظیم محنت اور حق سے محنت کا سبق سکھایا۔ اس دور میں سے محبت کا رنگ اور خود سے محبت کا سبق۔ پاکستان میں ہی میں ابھی طرح تکوین کا اس سے نہ صرف محبت کرنی چاہئے بلکہ اپنی کھیلے بہرہ دہی کرنی چاہئے۔ اس کی خاطر مستقل اور غیر مصالحتانہ جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ یہ جدوجہد ہر انسان دار انسان کا فریضہ ہے۔“ یہ کئی فراموشی کا نہیں تھے اس حقیقت کو بال میں پیچھے والے لوگ ابھی طرح جانتے تھے۔ ان کے ایک بڑے خاص محرکات نے جو

ایک سوشلزم کا لہر۔ اس طرح کے جتنی کو شام کو اور چاکر پاکستان اور سارے سوانہ سے لیکن شام کی لوگ جانتے تھے اور یاد کرتے تھے۔ ایک عام خیال ہے کہ فیصلی صاحب کم گو آدمی تھے۔ لیکن نہ مجھے اور نہ ہی پاکستان میں رہنے والے فیصلی صاحب کے متحدہ دوستوں کو اس بات کا کبھی احساس ہوا تھا کہ وہ کتنا بے یاسی لئے کہ فیصلی صاحب نہایت کم وقت کیلئے عازر سے یہاں آتے تھے اور زیادہ وقت مصروف رہتے تھے۔ ان کو خاموش رہنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ ان کو پاکستان میں فیصلی صاحب کو سطر کے کام گھر لیتے تھے کسی کا لڑکی یا اجلاس میں شرکت کرنا کسی افراد یا سارے کیلئے مضمون کو ”روٹو یا پالیسی“ دینے پر فکر کرنا۔ ”وہابی انجمن کی ٹینک میں جانا“ 1973ء سے ان سب کاموں کے علاوہ ”فولس“ کا کام بھی سنبھالنا تھا۔ کیونکہ فیصلی صاحب ”طرح و پالیسی



فیصلی صاحب میں سرگرم رہیں۔ ان کے علاوہ ان کے دیگر ساتھیوں کی تصویریں۔

فیصلی صاحب کے دوست تھے۔ ان کے بارے میں کہا تھا ”فیصلی نے ایک انقلاب کی حیثیت سے خود اپنی زندگی کو ایک لمحے میں نہ حال لیا اور لٹھے کو جدوجہد کا

خود کو دے گئیں اور فریضہ سکھیں لکھی گئیں۔

لیکن ان سب مصروفیات کے باوجود فریضہ صاحب اپنے دوستوں کیلئے فرصت ضرور نکالتے تھے۔ بات کرنے کا فریضہ صاحب کا اپنا انداز قدر شاہیہ بولنے کے مقابلے میں وہ سننے زیادہ تھے۔ کچھ سچ میں اپنا ”اچھا“ کا ”کوہ“ نکالتے ہوئے۔ لیکن وہ اس طرح سننے تھے کہ گویا ان کیلئے سکھام کی باتوں سے زیادہ اہم اور دلچسپ کوئی بات تھی ہی نہیں۔ فریضہ صاحب کسی کا علم دلی اور کسی کا علم روزگار سننے تھے کسی کی پڑسٹل حال کرتے تھے کسی کا مشورہ دیتے تھے۔ سو دیتے اور یہ مشاغل ان کے سر میں طبعاً آ جاتی تھیں۔

فریضہ صاحب سے اس مسئلے میں ایک نہ حق کرنے کی برأت کی تھی۔ میں نے ان سے کہا ”فریضہ صاحب حسد نہ کر کے شعر رانے کا آپ کا طریقہ حقوں کے زمانے کے مشاعرہ میں نہ پہنچا ان مشاعرہ میں شاید ہی دلدی جاتی“ فریضہ صاحب ہنس کر بولے ”اسی لئے میں نے سویری صدی میں بیجا ہزار یادہ غنیکہ سمجھا“

فریضہ صاحب کی حاضر جوابی ان کی پرسش شخصیت وہ مخصوصیت تھی جن پر سارا سکھہ تھا۔ سکھوں فریضہ صاحب کی زندگی کی سطور یاد



فریضہ صاحب کے ساتھ

اور ہندو جاتی، لعل صاحب سے ملنے کے خواہاں تھے۔ سب کیلئے فریضہ صاحب جنت نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ انہوں نے کھانچا گچھا کیا تھا۔

”سکھ میں سے کیا ہم نے طاقتور کیا“

وہ شاہیں بھی ناقابل فراموش ہیں جب کسی کے یہاں محفل تم ہتی تھی اور فریضہ صاحب بات کچے نکلی اپنے کلام سے دے جے تھے۔ فریضہ صاحب کا اپنے اظہار جانے کا انداز یہ کہ جب طاقتور اس میں دوا اثر نہیں تھا جو ان کے اظہار میں تھا۔ ایک بار میں نے

میں ان کی ہم قدمی ان کی ہم نیل اور ہم غم میں ان کی لم خوار اور ان کی وہ باتوں شاعری کی کردار تھی ”فریضہ صاحب کی شریک حیات انہی صاحب سے طاقت ہوئی۔ اس سے بہت پہلے بھی جب میں اپنی ایک بڑے چھوٹے کتاب ”آہستہ عیا“ لکھتی تھی تو اس کے اقتباس پر میری فکر دیکھ کر کیلئے رک جاتی تھی“ سکھ کے پاس ”لوہار جب اس طرح کے اظہار دیتی تھی اس قدر، چارے سے اب جان جہاں دکھائے دل کے دشا، پاس طاقتور کی پلا سے طاقت

ہوں گاں ہوتا ہے کچھ سے ابھی کچھ فریق داخل کیا نظر کا دل، ابھی کی ہل کی بات تو دل میں اس طاقتور سے ملنے کی ہدی تھی جس نے ابھی جاتی تھی جس نے قلم کے ہل میں اس قدر جیسے ہڈیاں ہڈیاں سحر و سکون کا گہا کر کیا۔ ایک دن فریضہ صاحب انہی صاحب کے ساتھ دستخط کرتے ہوئے میری ”ٹی مراد“ جاتی۔ لیکن میں انہی صاحب سے طاقت ہوئی ”اس طاقتور“ انہی صاحب کے ہل میں ”ابھی“ کیلئے جب میں ان کے ہل میں پہنچتی تو ان کے کمرے میں میرے کاغذوں کا کچھ اذیر رکھا ہوا تھا۔ میں نے بیچڑی انہی صاحب کو اس میں کسی نہ کسی کام میں مصروف پایا، عام طور پر یہ فریضہ صاحب کیلئے کوئی کام ہوتا تھا۔ انہی صاحب پر طاقت فریضہ صاحب کا ہاتھ نہ پائی رہیں۔ وہ ان کی صلاح کار نیکراری ”آہستہ“ لکھ رہے ہوتی تھیں۔ یہ طاقت کے وقت انہی صاحب کو فریضہ صاحب کے کام ان کی صحت میں سے سب ان کی گھول اور آستانوں کی طاقت ”باہر جہاں کی گھولوں“ کی ”اپنا لکھ کر“ جاتے کرتی تھیں۔ لیکن انہی صاحب کی طاقت میں۔ جب فریضہ صاحب کچھ باہر کے ہوتے تھے اور انہی صاحب کو صحت تھی میں نے جی مشکل سے ان کو خود اپنے بارے میں سمجھتا تھا کیلئے تیار نہ تھا۔ پہلے تو وہ اپنے سکول کے بارے میں لکھتے تھے وہ وہاں ہر میں چلائی میں لیکن وہ طاقت انہی صاحب کا ”پاد کا کوئی اور انداز نکلا“ اور میں نے فریضہ صاحب سے ان کی کچھ طاقت ”ان کی شادی“ اور لکھ رکھا تھا اور صاحب کا سامنا کرتے ہوئے ”فریضہ صاحب کے ساتھ“ زندگی کی دلو پر طاقت جتن قدم دھانے کے بارے میں وہاں لکھ کر لکھتی تھی۔ لکھتے ہوئے ہے کہ ایک دن انہی صاحب کو ”لوہار“ کو ”لوہار“ پر ”ڈرٹی“ رقم کریں کی ”اپنا لکھ کر“ ”ٹی“ کی طاقت میں نہ تھی۔

کچھ انگریز خیال آتا ہے کہ فیض صاحب ایک انگریز قانون نویس نے فیض صاحب کو اپنا کران کے وطن کے دسم دراج زبان زبان کن کے طور پر چنے بھی اپنا ہے "اس قانون کی derivation" ان کی وفاداری اور محبت کا ایک ہی پیمانہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ ہے خود فیض صاحب کے شعور۔

ہم نے سب شعر میں خواہے ہی ہم سے چتے خلی نہادے تھے رنگ و خوشبو کے حسن و خوبی کے تم سے تھے چتے استفادے تھے انیس صاحب سے ملی کر میں خود فیض صاحب کو ان کے خیالات اور احساسات بجز طور پر کچھ بھی اور دانشور ہے یہ بات ان کی شاعری لکھنے میں بھی مددگار ثابت ہوئی۔

فیض صاحب سے میری ملاقات سے کافی عرصہ پہلے ان کا نام سویت یونین میں حضور پر چکا تھا۔ ان کی امیری کے بارے میں ان کی چند جہد کے بارے میں کیا اور وہ خلی مرگیاں کے بارے میں الزام اور اور رسالوں میں اطلاعات و خبر و آتی راقی تھیں۔ پھر فیض صاحب کے استفادہ بھی تبر کے جانے لگے۔ پھر ان کی شاعری کا مجموعہ شائع ہوا اور سویت یونین فیض صاحب کے کام سے واقف ہوئے۔ اس کیلئے سویت یونین میں ایک صاحب کی پہلی حرم مریم سٹاک نے جاکا سہرا پیام دیا سویت ملک کے شعر شناسوں نے فیض میں ایک عظیم شاعر کو پہچانا۔ یہ فیک ہے کہ فیض صاحب کی عظیم اور فزنیسی دہی ترستے میں بڑھی جاتی ہیں اور فیض کے استفادے سے شکیبہات اور ان کا حسن دوسری زبان میں منتقل کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے پھر بھی کام فیض کے زیادہ تر قصوں کو ایک لکھنؤ کی سربانی کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ بہتر جیسویت شاعر بڑی فزنی

کے ساتھ فزنی کے کام کا ترجمہ کرتے ہیں کیونکہ فزنی کے اور خدایان کے خیالات اور احساسات بڑی حد تک ہم آہنگ ہیں۔ سویت شعراء نے فیض صاحب کی شاعری کو کچھ اپنا اس کے انوکھی جوتی، دلوں اور اس کے حسن و شفقت کو محسوس کیا اس کی متعلقہ ہی اور یہ سب کچھ خود اپنی زبان کے مطابق، واضح کے ذریعے خوبصورت لکھوں میں ادا کیا ہے۔ اس طرح سویت یونین میں بھی فیض صاحب کی تعداد بڑھ کر دو ہزار سے گریز آگئی اور ہر ایک کے دل تک پہنچی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن میں میں فیض صاحب کی شعر بڑی کیفیت سے کام کر رہی تھی، فیض صاحب کو صحت کی کوئی شکایت نہ تھی۔ میں ان کو ڈاکو کے پاس لے گئی۔ جب میں ڈاکو سے عرض کیا کہ وہ فزنی کے لکھے تو ڈاکو صاحب نے میری بات کو مطلق کر کے کہا "آپ مجھے اتنا جہل نہ کیجئے کہ میں دیکھ لی شاعر کو نہ پھوٹوں۔" اس چوٹی کی مثال سے وہاں میں فیض صاحب کی شہریت کا اعتراف کیا جا سکتا ہے۔

اسکو میں فیض صاحب کی کوئی کتاب لے کر اپنا ہاتھیں بڑھاؤں میں آئے عواموں ہاتھ پر ایک ہاتی ہے۔ فزنی صاحب کی ادبی سے استفادہ کر کے ان کے ذریعے ہی مجھے 1977ء میں شائع شدہ ان کے کام کا انتخاب ملا۔ جب میں اپنے آبائی شہر لکھنؤ گرا کی لڑی کتاب اپنی ماں کو پڑھنے کیلئے دیا، جب ایک دن دوستی کر لکھنؤ کی عیسائی چورہاں میں میں نے دیکھا کہ وہ پیچھے آتے ہوئے چلے رہی ہیں۔ میں بہت پریشان ہوئی اور چھاپا کی بات ہے ان کی انہوں نے کچھ کہے بغیر کتاب آگے بڑھائی۔ وہ اس مسئلے پر کھلی تھی جس پر ایک چوٹی کی علم کا تبر قد کرم تھی "لکھنؤ گرا کا گھر حجاز۔ ہر سویت انسان اور خاص طور پر ہر لکھنؤ گرا ڈالے کیلئے یہ جگہی جگہ ہے۔ یہاں وہ لوگ رہاں ہیں جو دوسری عالمی جنگ کے زمانے میں

کام سے کے 900 خفاک۔ ہاں کے دوران شہید ہوئے انھوں اور دوسری سے ہو گئے۔ خطر کے پہاڑوں کا راستہ دیکھتے ہوئے اپنی جائیں ڈار گئیں۔ ہمارے خاندان سمیت لکھنؤ گرا ایش کوئی خاندان نہیں بنے گا جو جنگ کے زمانے میں اپنے کی حوزہ سے گم نہ ہوا ہو۔ اسی لئے لکھنؤ میں تعلیم سے کتنی حذر ہوئی۔

مرا وطن پر نہ دلوں میں تازہ کر چلوں کی صورت لکھنؤ کے پیچھے ہیں۔ کتبے سب بے نام ہیں لیکن ہر ایک پھول پر نام لکھا ہے۔

فاضل حوئے ڈالے کا علم میں رہنے والے لکھ شاعر کے دل نے اس مقدس جگہ سے وابستہ ہوا۔ سویت ادب کے چڑ بے کھوں کا "اپنا اور وہ ایک حذر کی علم کے وہاں میں وہاں ہوں۔ ہر کران کے لیے لکھنؤ شاعر میں ہے۔

فیض کی ساری شاعری ہم سویت لوگوں کیلئے قابل فہم ہے اور ہمارے دلوں کو چھوئے والی ہے۔ اس اور آزادی 'ترقی اور انصاف کے فیض کے قصوں سے حلقہ ملی نصب ابھیں اور ان کی شمل آوری کے عمل استخراج میں فیض کی شاعری کی جان بھل وقت اور اس کی وقت کشش کا بھی راز ہے۔

فیض صاحب ساری عمر سیاں اور خلی میں ان میں سرگرم مل رہے۔ ہم اور انصاف کے خلاف ساری دنیا کی قوموں کی آزادی کی خاطر ہر سر پر کار رہے۔ ہر عظیم شاعر کی طرح فیض صاحب کا ہوا دیا کی لکھنؤ پر رہا تھا۔ ہر وقت وہ زمانے کے ہم خوا رہے تھے۔ وہ دیکھنے کے مشاہد نہیں بلکہ ان میں شریک تھے۔

"جہاں انسانی کی دنیا کی چورہاں کا اور ایک اور اس جہاں میں صوبہ فزنی شریک نہ کی کا کھانا ہی نہیں ملتا کچھ خاص ہے۔ لکھنؤ کی دنیا کی ایک جڑ



## قطر میں فیض ایوارڈ..... ایک رپور تاثر

قدت کا بھی لب لباب ہے۔

بہتر ہے۔ یہ شہرت کی طلب سے ہے ہر  
رہے ہیں مگر قدت اس کا دامن شہرت اور شہرت  
سے ہر دیتی ہے۔ نگہ بجا دار ہر وقت شہرت کے  
تواؤں میں گئے رہتے ہیں جو خود کرتے ہیں انہی  
دار کے صفوں سے آتے تھے کی کو شش کرتے ہیں اور  
انہی صفوں کا کثرت ہونے کے لئے بھاگتے تھے  
رہتے ہیں انہی قدت ناموں شہرت دیتی ہے۔

فیض ایوارڈ فیلن ان فوٹو نمبروں میں سے ہیں  
جس پر قدت میراں رہی ہے اور شہرت و شہرت اس  
پر فائز ہوئی رہی ہے۔  
یہ گزشتہ برس کی بات ہے۔

”فیض“ کے خاص نمبر ”فیضی“ ریاستوں میں  
اردو کے لئے ایک تقریب اور (فخر) میں منعقد کی  
گئی۔ یہ تقریب کی عنوان سے ایک یادگار اور یاد  
عالم بن گئی۔ یہ تقریب اردو ادب کی سہولت اور ستار  
خصیت مصیب الرحمن نے اپنی منظر تنظیم کس فروغ  
اردو ادب کے ذریعہ اہتمام منفرد کی تھی۔ مصیب الرحمن  
نے جس طرح ”فیضی“ میں رہتے ہوئے پہلی انجانی میں  
اردو شعراء کو جو شہادہ و سراج بنی ہے اس کی  
مثال اور کہیں نہیں ملے گی۔ ان کی تحسین کے لئے کم گفت  
ہی بہت تھے کہ سحر اوف ہے۔ اور افلا ہوتی میں جس  
سے اردو کی سہا میں گئے ہوئے ہیں ”مگر“ ”بیوا“

کائنات کی انہیں کوئی طلب نہیں کہ وہ شاعر ہیں نہ  
ادب اس امداد سے بہت کر کے دالے اور اسے  
زادہ سے زیادہ جاندار اور پائندہ رکھنے کی کو شش میں  
مصور ہیں۔  
”فیضی“ کے خاکہ کا خاص طبعی ایک اور  
انوار یہ ہے کہ اس کا سرورانی میں افواہی شہرت  
یا قدت مصور دلی دلی سے خوش ہیں کہ قدت۔ سیر دلی اپنی  
تمام عظمت اور شہرت کے باعث دماغ کے  
سرورانی میں دانی۔ انہیں اس طرف ”فیضی“ ہی نے  
داعیہ کیا تھا۔ ”فیضی“ کے لئے خاص تقریب ذہب  
دی گئی تو سہم نے سیر دلی کو بھی فخر میں دھر کر  
لا۔ میراث کی ادب پر وہ شخصیت کے اہل دارک  
سائی بھی ”فیضی“ سے فخر رکھنے کی حد سے اس  
مضمون تقریب میں دانتے گئے۔

یہ جس منظر ہے فیضی اور ذہب کے اجراء کا۔  
”فیضی“ کی تقریب کے صدر فخر میں پاکستان کے  
سیر دلی حریف کمال تھے۔ مامور و سیر دلی  
اس طبعی ہوتے ہیں۔ کسی بھی ادبی تقریب میں  
آئینہ کو شہروں کو انہیں کو شہرت کے ذریعہ حالات  
دے کر چلے جاتے ہیں۔ جناب حریف کمال نے تو  
جہاں کر دیا جب سب لوگ سیر دلی سمیت اعتبار  
قبال کر چکے۔ ”فیضی“ کی مددات کا اعتراف ہو گیا  
قرآنوں نے ایک امداد کر کے چھوڑا۔ سیر دلی  
کی سحر کی نے ایک ایسی رحمت کو ختم دیا ایک جادو

دکایت کا آواز کر دیا۔ یہ سہم کے کمال میں تھا۔ سیر  
دلی نے خیال کیا ہوا کہ ”فیضی“ کی طرف سے کوئی  
اعتراف دیا گیا تھا۔ اس قدت کی سحرانی کی ایک اور  
جھلک سامنے آئی۔ فیضی کا سہرہ ہوا تھا۔ سحر دلی  
نے طبعی کی کو شش طلب اور فائز کے فخر کی سحرانی  
میں جہاں حریف کمال نے کہا۔ ”میں فخر میں  
اجرا دہانی کر رہا ہوں۔ فیضی اور ذہب اور فائز۔  
فخر میں انعام حاصل کرنے والے پاکستانیوں میں  
مضمون فخری کا مقابلہ کرنا چاہئے گا اور جو بلی اور بچہ  
اول نمبر پر آئیں گے انہیں سحر دلی کی طرف  
سے پاکستان جانے آئے گا۔ کمال نے کہا کہ وہ بچہ  
وہاں جہاں دہاں دہاں فخر شعراء کے بارے میں زیادہ  
سے زیادہ جان سکیں۔ ان کے خدایوں دہاں کو شہرت  
اور شخصیت کے فخر چھوڑوں سے آگاہ ہوں۔  
دہاں دہاں میں جا کر ان کے فخر پر کہیں ہوئی کتابوں  
سے فخریہ ہوں۔“

سیر دلی پاکستان حریف کمال نے کہا ”سیر  
خواہی ہے کہ جناب مصیب الرحمن یہاں فخر میں اور  
جناب فخر دلی جہاں پاکستان میں ہیں اور ذہب کی تحسین کا  
داخل کر دیا۔ اور ذہب کی فخر کو ان کی سحرانی کی  
فخریوں کو سحر دلی نے کمال فخر اور فخر کے پیغام کو  
دہاں دہاں کیے کا میلہ دہاں دہاں۔“

فیضی سے بہت زیادہ دھڑکنا سامنے آئی۔ فخر  
دہاں دہاں میں آئے۔ ان دہاں کے لئے میں نے

انگلے میں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ۔  
 صبروں۔ عیب بانی تو انھیں ہمارے تعلق کہ  
 کر ہی جاتے ہیں اور عیب بانی کا بھی بظاہر ہے  
 نیاز تو بھی انتہائی دوستانہ رویہ لوگوں کو مٹا نہیں کی  
 طرح کھینچ لیتا ہے۔ تعلق سے ان کا بڑی رشتہ دار  
 ایک طرف اور تعلق کے کام کے ساتھ ہی نہیں ماضی  
 بھی ہیں اور تعلق سے بھی انھیں غمراہ دوست ہی سمجھا  
 فی کھور میں سٹاک اور من اہم کے سبب دوست کی حد



جو مونا کو گرجا گئے تھے ان پر ظہر میں غم پاکستانی  
 جان کے مضامین تھے۔ ہمارے میں ایک کھلی سارا  
 مضامین میں سے چھائی کر کے انھوں میں ایک مضامین  
 پاکستانی لکھوائی ہے۔ اس کا سارا انتظام بھی مصیب  
 اراکین کرتے ہیں۔ گویا سفارت خانے کی طرف سے  
 یہ فاصلہ بھی ان کے گھر میں ادا کیا گیا ہے۔  
 پاکستان میں اقبال ایوارڈ کے لئے مصنفین ہیں ادا کر  
 اور سونے ڈاکٹر خورشید کرپا کا انگریزی ہندو متوان  
 تھا۔ "اقبال کا نظریہ نوئی" یہاں پاکستان میں ہر قسم کی  
 ذمہ داری لکھی ہی سہی گئی تھی۔ تعلق پر لکھے جانے  
 والے مضامین کے لئے عنوان تھا۔ "تعلق کی شاعری  
 میں وطن کی محبت" اور یہاں مصنفین ہیں۔ ممتاز مصنفی  
 آئی اے اے "معارف افسانہ نگار اور مصنفی سید اختر  
 اور تعلق میں اقبال کی شہرت پانچ سو سالہ عید بانی۔  
 تعلق ایوارڈ کے مصنفین نے جو فیصلہ دیا اس  
 کے نتیجے میں تکی ایوارڈ صاحب ہماری کے مضامین  
 پہلے لکھ پڑے۔ نے یہ تھا کہ تعلق ایوارڈ کی تقریب  
 مسلمانوں سے ہوگی اور ان کے تعلق تعلق سہ سے اور  
 صحت باب ہو گئی تو انھیں بھی دوست میں نہ کیا جانے  
 کا مصیب اراکین کے پر کام میں ایک سید اور تعلق کا  
 ہوتا ہے اور باقیہ ان کی ہر تقریب میں خوشی میں  
 بے مثال ہوتی ہے۔ تقریب کا ادا کیا گیا تو سید  
 بانی "توشیحہ کی طرح گرفت میں نہ آتی رہیں۔ بھی  
 مصروفی کی ذائقہ میں شرکت کے لئے بھی جگہ رہے  
 کے لئے اور بھی دامن کا تعلق میں شامل ہونے کے  
 لئے "نو توشیحہ" مسعود اور ہمارے ہائی رہیں۔ مصیب  
 اراکین چاہیں بے لے رہے (کہ دیکھ بے لے کے  
 ساتھ ساتھ) اپنے سعادت قرار میں آئے تو عالمی  
 سیاست نے ڈراما بدلایا اور جنگی راستوں کے لئے  
 پاکستانوں کا خون ادا تعلق طور پر دھک دیا گیا مصیب  
 اراکین کو مسعود اراکین تقریب 2001 بھی میں حاضر

بکہ مصیب اراکین کا رنگہ رنگہ اور جگہ جگہ  
 کمال کا سہارا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ میں سید بانی اور  
 عیب بانی بھی تھے کہی "سیر" آگے ہیں۔ اس  
 کے پس منظر میں بھی تعلق سے بہت اور بانی کا کوشش  
 ہی حلقہ رہا تھا۔ جس پر کہہ کہ وہ بچے۔

خواتین میں (اور مردوں میں بھی) اپنے ذاتی تعلق  
 جہز کی جیسے سید بانی تو پائل تعلق تھیں ہیں۔ وہی ہے  
 سادہ ہیں وہی دیکھا کر دل میں اثر جانے والا  
 اور کسی کو تعلق بانی میں ہیں اچھے رہیں  
 سے ذاتی اور یوں تعلق بانی ہیں جیسے کسی تعلق کا

اس میں بھی پانچویں سوار کی طرح مرد لڑا اسی شام کو  
 سعادت خانہ پاکستان میں کانرا عظم پر ایک جھگڑا ہوا  
 بعد میں معاملہ ۔ دونوں جیل تکبہ ہوا تھا ۔  
 آج کی شب جب وہ اپنے جانیوں کو لے کر نکلے  
 اور "اس لو" سے دودھ چٹکا رہا "جسکا رہا"  
 عارف کمال کو مٹانے کا چنکا ہے اور مصیب الرحمن کو  
 بھی انکسوں کا چنکا ۔ مصیب ہائی تو میں ہی لکی  
 اوتوں کے دنیا اور پھر کی نگہباز کمال چہ طور  
 پر سید ہائی سے آست کی باتیں کرتی اور سختی رہیں۔  
 ان کی نظریں تو بڑا کھارہ مصیب ہائی کی سست میں لگی  
 تھیں۔

دل چند کھائے کھائے کے لئے ہار چکی اور کئی  
 خدمت کار بھی لاہور سے جانے ہوئے تھے۔ یہاں  
 نظارے کے حوالے سے عید الاقبال کی شیبہ ہائی  
 کے لائق دوستوں میں شامل ہو گئے۔  
 فقیل احمد کی تقریب کا اہمیت کا وہاب  
 دچے کے لئے مصیب الرحمن نے بہت بڑا سر پر ہاتھ  
 دیا۔ انہوں نے اپنے لائق نگار خانے سے فقیل کی  
 آواز اور نور جہاں کی شوکاری کو فلم کر لیا تھا یہ ایک  
 یادگار فلمی فلم ہی کہ۔ جیسا صحت کی اس فلم میں نور  
 جہاں نے لپک لپک کر دکھایا ۔

چلی کیا "مگر یہ گزرا بھی لگائی کر فقیل اچھی کے نہیں"  
 اور آپ کے بھی قریبی تھے۔ جادو سے دل اور بار  
 میں وہ کسی اور ہی جادو سے غریبوں ہیں۔ سید ہائی  
 نے فقیل کی شوکاری فقیل کی شوکاری دور دور گشتی اور  
 میں جاتی "کو کس طرح فقیل میں بھی فقیل شوکاری  
 کرتے اور بھول آگئے۔ ہے۔ عارف اور مصیب کے  
 لئے فقیل نے اپنی ایک فلم کی طرح کی فقیل اور فقیل ہی  
 کے ساتھ ساتھ میں سو جھڑپیں اپنے صندوق میں سید  
 نے اسے بھی دیکھ دیا۔ مصیب ہائی کے چٹکے چٹکے  
 نکلتے تھے اور وہ بڑی بڑی گریہ کر رہے تھے۔  
 انہوں نے کہا فقیل کو میں اچھا نہیں اور کے ہزار  
 میں راجھی صوفی تو نہیں کچھ گھڑی کی شامی صوفی  
 ہے اپنی دولت کی لگی کر کے انسان کی خدمت میں کرنا  
 صوفی ہی کا کام ہے۔ سید ہائی عارف کمال نے  
 اقبال اور فقیل کی ہم آہنگی انسان دینی اور دہلی سے  
 محبت کا احوال بیان کیا۔ انہوں نے ظاہر اور مصیب  
 الرحمن نے بھی اشارہ کیا تھا کہ وہاں بڑا بڑا کرچہ  
 سعادت خانے کی معرفت شروع ہوئے ہیں مگر انہیں  
 اپنے المصوب دے دیا گیا ہے کہ یہ قسمی غیر سرکاری  
 واقعہ ہیں گئے ہیں اور انہیں اپنے اطمینان اور ہی  
 محبت سے ہادی رکھا جائے گا۔

☆☆☆

میں نے ایک ایسی تقریب کی بھی لکھی تھی "میں میں  
 نور جہاں نے سعادت خانہ کے اپنے چننے کا مظاہرہ کیا تھا"  
 اور ان کے ساتھ ساتھ ان کو واپس دیتے ہوئے  
 سویتار نو شاہ بھی دیکھی۔ دچہ وہ فقیل کی آواز  
 میں فقیل کا کام ماحول کی بھی اسی اور بہت سادہ صاف  
 دے گیا۔ فلم کے اختتام پر قبل باغیچہ میں رہا۔  
 لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے  
 یہاں کا فقیل آج بھی اسی طرح سامنوں اور  
 ہزاروں میں بیٹے ہوئے ہیں۔

مصیب الرحمن نے نہایت شائستگی سے تقریب  
 کو سنبھالا دیا۔ کہہ "بیشتر بچوں نے اپنے مضامین  
 کے اختتامات خانے اور پھر ان کے دہلی بنگی اور  
 چٹکے کو سعادت خانہ پاکستان کی طرف سے پاکستان  
 جانے آئے کے گئے۔ ہے۔ سید نے اور مصیب نے  
 فقیل کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی بہت سی  
 تقریبات میں فقیل کا بہت بہت سادہ رنگہ کا شکرانہ  
 کے اپنے خیال میں اتنی محبت بھری اور ایسی محترمہ  
 تقریب پہلے کی نہیں لکھی ہوئی۔

میں نے فقیل احمد کا بانی شہر اور چلی شہر  
 جان کا سید ہائی اور مصیب ہائی کا گھر اور عارف

پاکستان انکونکیشن سٹریٹیاں خطی اور ہے "ہو  
 سعادت خانہ پاکستان کی طرف سے چننا ہے۔ یہاں  
 کے بے ٹیکل، عارف صوفی پہلے اور میں بھی ہی کا  
 کے بے ٹیکل اور چٹکے ہیں۔ پانچویں سوار کی شام میں  
 سکول میں کم و بیش ساڑھے تین بڑے اور چھوٹے  
 چلتی ہیں۔ اور سید نے نور انگلیں میں ہم میں اور  
 غرضیہ حضرت، حضرت عارف اور عارف کے قریب  
 ہے۔ وہاں دیکھ کر بچیاں تھیں مگر فقیل کے ہم پر  
 آدھے سے زیادہ عارف سید اور بہت ہی عارفیت اور  
 عارفیت کے تھے ان میں سے کسی ایک نے فقیل احمد  
 کے لئے مضامین بھی لکھے ہوئے تھے۔ اس تقریب کو  
 صحیح فقیل کا نام، دیا گیا۔ جس بچوں نے فقیل کا کام  
 ختم سے کیا اور وہ فقیل اور ایک مرد اساتذہ نے  
 فقیل کی شامی پر مضامین پیش کئے۔ یہاں فقیل کے  
 بیٹھان ان سے اور بھی حور ہو گیا۔ سید ہائی اور  
 مصیب ہائی نے بھی خطاب کیا۔

انکے روز اور کے شکرانہ میں فقیل احمد  
 کی تقریب تھی۔ یہ تقریب عارف سے سمیت منتقل  
 ہوئی۔ شکرانہ کے بغیر جیسے اقبال لاہور کے رہے  
 دے لے ہیں انہوں نے لاہور اور پاکستان کے





تکثریات جنات سے ہم آہنگ طرز فکر Great men think alike کے صدیقی ہے۔ عام خیال ہے اگر زندگی اقبال سے صرف ایک ہائی اور بڑھ کر تھی تو 1935ء میں قائم ہونے والی انجمن ترقی پسند مصنفین سے وہ اس حد تک ضرور متاثر کرتے جس حد تک وہ ان کے ذہنی لحاظ سے متاثر ہو جاتی۔ اقبال نے ہر کسی کی اشتراکیت کو صرف اس کے انکشافی پہلوؤں کے قاطر میں غولی آہ پکا ہے۔ کیونکہ وہ اسلام کے بنیادی فلسفہ معاشرت "مساوات برائی" سے مکمل طور پر ہم آہنگ نہ تھا۔ یہی حد تک اس کے قریب ضرور ہے۔

انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام سے فنی و آراء شاعری کی کھانسی، جامعہ اپنی انکاد اپنے والی یکساہت ہے۔ رنگ نشاد انگریزی اور سنی کلمہ مساوات کے مساوت حقیقت کو بھی گئی۔ سرمد کی مصحفیت اور مائی کی جدہ شاعری کی تمام کے اس کی رہی تھی سا کا بھی شمع کر دی۔ مائی مصحفیت سرمد جہیل ہو گیا۔ سرمد اور مائی کی انجمن نے تمام کے ملحق اب ہی کائنات کے شاعری و فنی مل کئی ہوں کر دکھایا۔ مصحفیت فنی کا آوری بن گئی۔ نئے نئے رجحانات سامنے آئے۔ علم و عقلیوں میں حقیقت نگاری نے دھماکا دیا۔ سرمد کی تحریک کے بعد اردو کی دوسری نئی تحریک تھی۔ اس کی ایک سکڑے اثر کی اشتراکیت پسند نظریات قائم ہوئے۔ جن کا غریب و افلاس کی جنگی میں پیسے ہونے کوئی نے دیا خیر مقدم کیا۔ کسانوں سمیت کھنوں اور مزدوروں نے ان نظریات کو اپنی جان سے پٹھو کر دیا۔ تو انہوں نے انہیں اپنے مستقبل کی حفاظت کرنا نہ دیتی پسند تحریک کے سبب اردو شاعری کو زندگی سے سرحد موقوفات نصیب ہوئے اور اردو شاعری کی ہر اس اپنے مٹی والی جہر سے بال بال ہو گیا۔ انہی کی پہلے کی دہائی میں نظیر

نہیں ملتی۔ جاتی، فنی، مل سرمد یعنی 'مہاراجہ' اس کی مصحفیت 'ساتر اپنا حیدر کھانا' بدلتی 'ساتر' ہاں تار افتر اور دوسرے دھنوں شعراء اس تحریک کے علمبردار ہوئے۔

ہر چند ترقی پسند شعراء میں فنی ہم آہنگی تھی مگر اسلوب بیان کے اعتبار سے ہر ایک نے اپنی ایک رنگ افتر حقیقت قائم کی۔ جام فنی کے علاوہ بھی دھنوں ساتر اسلوب سے اکرنے سے صاف ہے۔ فنی کے طرز حکم نے ایک صراحت کے لیے اپنی گرفت میں لے لیا کہ وہ عالی فنی پر طاقت مادی یا فخر مادی کی سلی بد بات سے مبرا نہ تھی۔ اس میں فنی خادہ اور مادی کی ہا ہوں تھی بلکہ مائی کی بات کی کہ مائی شاعری تھی۔ سب سے بد کہ فنی کے اسلوب شعری کشش کا راز اس میں مائی صراحت کا ہے انہوں نے اپنے بد بات کے رنگ و آہنگ سے ملو پایا۔ غالب کے بعد "میں نے یہ جانا کہ گویا بھی میرے دل میں ہے" کی اگر کسی کی شاعری نے صراحت پائی ہے تو وہ غالب فنی ہیں۔

وہی ہے دل کے قرائن قائم کہتے ہیں وہ ایک فنی کے جسے حیا نام کہتے ہیں یہ کہ طقت نگاری ہے طوں دل کی کشید گراں سے لب کے سے دل قائم کہتے ہیں فنی ان کو کہے نگھانے و قائم سے جنہیں آہنگ کے نام سے یاد ہے پگانے کا نام زندگی کیا کسی فنی کے قہ ہے جس میں ہر گزری درد کے چھٹ گئے جاتے ہیں زردار کی تربت پہ بھی گویا کی چادر ہار کی سمیت بھی حقیقی ہے گئی کو اردو طوں کی ادبیت ہم جہاں کے اعتبار سے دہشت ہے۔ تو دہشتوں سے ایمان اردو طوں میں اسی ایک لم کی کوئی خنے چے آہ ہے۔ اس

حوالے سے اساتذہ فنی نے اعتبارہ جاتی کی تمام تر انجمنوں کو چھو لیا تھا۔ ان کے غرض بھی انہی کے چاہنے ہوئے فانیوں پر انکاد کر چکے تھے۔ بنیاداً اردو فنی پر ایک جن کی کنیت خادہ ہو گی اور فنی کا رخ ہر کسی کو رخ کی بدلتی حقیقت کی توار ہے کہ دل و دماغ سے گزرنے لگی تھا۔ جب خادہ کی ایک حیران جہت پہنچی نے دھنوں پر حد تک ہی تو دھنوں نے جاک ہوں نہ چڑھائی اور جب ترقی پسند مصنفین نے فلم روزگار کو طوں کا فنی ساتھ دیا تو اسے بھی انہوں نے گوارا کر لیا۔ لیکن جب فنی نے شعری مبالغہات کو مجروح کیے بغیر فنی جہاں فلم دور اس دور مصحفیت کی دوسری کو ایک کا فنی کر اپنی شاعری کے آئینے میں فنی کی تو فنی کی فنی کی شاعری چم پہن لیا گئی۔ فنی میں فنی کی زندگی کے ہر شے کا فنی ساتھ تھا ہر چاہہ کر کہ چادر گری سے گزرتا تھا وہ فنی ہاں دکھ تھے بہت ادب نہ تھے ہوشی سمیت انجمن دہی ہے علم سے فنی نہ ان کی دہی ہے نہ اپنی سمیت ہی ہوشی سمیت نکالے ہیں ہم نے کسی سمیت ہوں نہ ان کی ہادی ہے نہ اپنی سمیت ہی وہ ہاتھ مارے فنانے میں جس کا اگر نہ تھا وہ ہاتھ ان کو سمیت نگار گزری ہے 1857ء کے بعد برصغیر ہند پاک پر برطانوی سامراج کا ظلم صرف ایک تاریخ کے اختتام کا غلط آغاز تھا بلکہ ایک جدید کے شعور کو ہندو کر نے کی پہلی ضرب بھی تھی۔ سامراجی طاقتوں نے اس جدید کے پیدائش کوئی کے قہ اور فنی کے قہ نہیں نا کر اپنی دہشت گردی 'سیا جبر' جدید کئی' فانی جہت گری اور فنی کی پائی کے جو ہر روز اور دہشت فنانہ طور سے ان کے خلاف دہان ہے دہانی سے احتجاج کرنا بھی ہر جہاں۔



فیض احمد فیض  
 ڈیرا گھاٹو  
 خدایا کی آمد کی آمد  
 انجمن اعلیٰ  
 انجمن اعلیٰ  
 انجمن اعلیٰ



پاک و ہند  
 2001ء  
 خدایا کی آمد  
 خدایا کی آمد  
 خدایا کی آمد  
 خدایا کی آمد  
 خدایا کی آمد  
 خدایا کی آمد



فیض احمد فیض  
 ڈیرا گھاٹو  
 خدایا کی آمد کی آمد  
 انجمن اعلیٰ  
 انجمن اعلیٰ



لکھے یہ کہ کہ اب نکلا گیا ہے

کہ عیسا زرد چہرہ ہوتا ہے

ترقی پسند شعراء نے نہایت پامردی سے اہل

زباں ہندی کو قزو اعظم جہاں لسانی، اتصال اور سادی

و ساد شرفی جہاں سادی کے خلاف احتجاج کی ایک ایسی

طرز غلاں ایجاد کی جس نے انکار کے اہلوں کو

حوالہ کر دیا۔ اس غلاں کی سب سے زیادہ بڑا درد

انگریز اور ان آفریں سے فطرت کی فحش ہے جسے عام و خاص

کی ہر سطح پر شوریات نصیب ہوئی۔ فحش کے لیے میں

ایک طرف ہاؤس اور ہاؤس متواتر ہونے جاتی تھیں گرج

فحش تو دوسری طرف دلگداز ہونے اور دوسرا دھماکا

ہیں قزو قیام پاکستان کے بعد دہلی عزیز پر مسلط

آمریت کے خلاف بھی ان کی حواشی شامی کا یہ

اسلوب پادری دیکھو اسلوب قدامت کے ایک نصف

صدی کو اپنے طعنہ ڈال میں لایا۔

دھس سے بھر کر ساز کی لے بھر کر

سوئے بھانڈا بھیان قوم آتے ہیں

قل گاؤں سے بھی کہ ہمارے علم

اور فحش کے عشاق کے قاتل

جن کی راہ طلب سے تارے قوم

ظفر کر چلے درد کے قاصد

کر چلے جن کی خاطر جہاں گیر ہم

ہاں گوا کر قری داری کا ہم

ہم جو چارک راہوں میں مارے گئے

ستم کی دیکھیں بہت جس جہاں جس دہی انجمن سے پہلے

سزا اٹھانے نظر سے پہلے کتاب گرم فحش سے پہلے

ہر ہاں سکو تو چلو کہ راہ و قاصد ظفر ہوئی ہے

مقام ہے اب کوئی نہ حوالہ فراز داروں سے پہلے

\*\*\*

ہل کر اب آدھ جیسے

ہل دیاں اب تک تیری ہے

تیرا خواں قسم ہے تیرا

ہل کہ ہاں اب تک تیری ہے

دیکھو کہ ان کی دیکھو کہ

تو ہیں شیطانی ہے انہیں

کھینچے گئے گھلاں کے گداہے

پہلا براک دیکھو کہ اس

ہل یہ تیرا وقت بہت ہے

ہم وہاں کی موت سے پہلے

ہل کر گئے اندوہ چاہ تک

ہل دیکھو کہ کہتا ہے کہ لے

فحش کا احتجاجی رویہ یا سیت و توقیت کے

اصولیات و جذبات سے پاک ہے۔ ان کی تمام تر

شاعری، روایت، امید و ہم اور خوش اسحو شعل کی

بشارت سے ملو ہے۔ شاعر کی زبان کا داس لہو بھی اس

لے پند ہے کہ وہ اس دولہندی پر رنج نہیں ہوتا۔

و یہ بھی انسان فطری طور پر بات کو اس لیے کہہ کر

ہے کہ اس کے بعد ان کا ہے۔ فحش انسانی نفسیات

کی اس دھر سے تخیلی آگاہ تھی۔ لہذا حقیقت حال

پر ہند بھی نہیں ڈالتے اور دھس بھی نہیں ہونے

دیتے۔ یہ ایک ایسی ہی ہے جو فحش کے عناصر میں

سے کی کوئی نصیب نہیں ہے۔ اپنی روایت ہندی

کے حوالے سے بھی فحش دھس پر حکومت کرتے ہیں۔

دھس کہیں بھار کے امکان ہونے تو ہیں

گھٹن میں چند چاک کرپاں ہونے تو ہیں

ان میں لو جلا ہو تھاکہ چہاں و دل

محل میں بیکہ چراغ فرداں ہونے تو ہیں

دل نا امید تو ہیں، ناکام ہی تو ہے

بکی ہے تم کی تمام مگر تمام ہی تو ہے

دست ملک میں کوئی تقدیر تو نہیں

دست ملک میں کوئی قیام ہی تو ہے

لیکن اب علم کی عیاد کے دن تھوڑے ہیں

اک ذرا صبر کر قریب کے دن تھوڑے ہیں

یہی تاریکی تو ہے قازد دھار عمر

میں ہونے ہی کو ہے اسے دل چاہ ظہر

فحش کی مقبولیت کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ

انہیں نے ترقی پسند انقلابات و انقلاب کو اس میں

خوبی سے شل کیا ہے کہ وہ برآمد کے ہونے نہیں

تھے۔ فحش دیکھو کہ انگریزات کے یہ چاک تھے، جو

بلاشبہ ہندی تہذیب پر دھت کے لیے بنی تھی۔

یہی نا انگریزی پسند شاعروں کے یہاں

ایک حب احساس، اہلیت کی کار فرمائی ہے۔ کوہاد

دھس کے انتہائی شراکت کی فطرت ان قدر کہ

شاعری کی اہلیت سے ہم آہنگ نہ کر سکے ہوں۔ مگر

فحش نے اپنی اپنی صورت کے شل ہوتے ہاں تھاکہ

شاعری تہذیب و روایت کے جزو انشک کے طور پر

فحش کیا ہے۔ اس گل میں انہیں نے کہیں بھی شاعری

عصابت کو کرنا نہیں ہونے اور ہندی کی کسی فکر

کوہانے کی اہانت دہی ہے جو ہندی تہذیب دھن

سے جھڑوم ہو۔

چلتا بچتے ہوئے کوچہ و بازار میں جنم

خاک میں استخر سے ہونے خون میں نہانے ہونے

لوت جاتی ہے دھس کو بھی ظفر کیا بچتے

اب بھی دھس ہے قرا حسن مگر کیا بچتے

اور بھی دھس ہیں زمانے میں محبت کے سا

راجہ اور بھی ہیں وطن کی راحت کے سا

مجھ سے بکلی ہی محبت میری محبوب نہ تاک

اس رو میں جو سب پہ گزرتی ہے وہ گزری

عجا میں دھس، بکلی دھس ہر بازار

گرتے ہیں محبت شمع سر کوٹہ سر

کڑکے ہیں بہت اہل علم ہر دم دہاد  
پھونکا نہیں غیروں نے کوئی ناک و نام  
پھولی نہیں انہوں سے کوئی طرز حاست  
اس مشفق، نہ اس مشفق پہ نام ہے مگر دل  
بر داغ ہے اس دل پہ پہر داغ غامت  
ماڑی بھی غریبوں کی حمایت بھی  
پاس و حرمان کے دکھ درد کے معنی نیکے  
دہر دوستوں کے مصائب کو سمجھ سیکھا  
سرد آہوں کے داغ درد کے معنی نیکے  
آلود شامی میں سہاوی رنگ کی آمیزش جاتی  
فعلی (تجربہ) آبادی اس کا شکل برنگی اقبال اور جنتی نے  
کی۔ فحش کے یہاں پر رنگ جب شام و صبح اور  
فعلی بدال کے ساتھ موجود ہے۔ دراصل فعلی کو  
دہر اس خاندان میں چلا پڑا لہذا انہوں نے تمام تر  
سہاوی تجربات و مشاہدات کو آپ جنتی کے طور سے پیش  
کیا ہے نہ الگ بات ہے کہ ان کی طرف لکھی نے  
اسے جب جنتی کے فعلی و دہر سے متاثر کر دیا  
ہے۔ قید و بند کی مصروفیات نے ان کے سہاوی شعور میں  
مزید گہرائی اور گہرائی پیدا کر دی۔ ہمارے اپنے  
عصر میں لیکن ہم گہر سہاوی تجربات کے فعلی انہیں  
میں اتفاقی شہرت نصیب ہوئی اور دہر نے ان کی  
شامی کی عظمت اور افکار و نظریات کی اصابت کے  
اعتراف میں انہیں "نیلین لہذا" سے نوازا۔ عام طور  
پر یہ دیکھا گیا ہے کہ سیاہی افکار و خیالات کی ترجمانی  
شام و صبح کو عادت کر دیتی ہے اور شامی ایک  
سہاوی شعور ہی کر دہاتی ہے۔ تاہم یہ تمام جنتی کے  
کلام میں نہیں ملتا جہاں سنگ لہجوں نے لپٹاے دہر کے  
مشقی اور اپنی محبوبہ کے مشقی دہروں کو اس خوبی سے  
فعلی و دہر کے ساتھ میں ڈھالا کہ شعر میں  
رنگ دہاد ہو گیا۔ فعلی کے یہ وہ مشقی ہیں کی شعری  
نظریات کے ترجمان میں کرنا سہاوی جنتی ہیں اور یہی وہ

صاحب ہیں جو انہیں اپنے عہد کے نوجوان شعراء کا  
انجیل بنا دیتے ہیں۔  
جو تاج تھو ہے وہاں توکل ہم ہیں کے  
یہ رات بھر کی چھائی تو کوئی بات نہیں  
گر آج آج سے ہے طالع رقیب تو کیا  
یہ ہمارے دن کی نہائی تو کوئی بات نہیں  
جنتی لوح و قلم جنتی کی تو کیا فلم ہے  
کہ فہم دل میں نہائی ہیں انہیں میں نے  
لوں پہ ہر گئی ہے تو کیا کہ دکھ وہی ہے  
ہر ایک طبقہ و فحش میں لوں میں نے  
دہر میں فحش جنتی کے اسے وہی کہ جہاں  
جنتی ہے دم کہ کوئی نہ سہارا کے چلے  
ہر کوئی چاہتے وہ طوطا کو نکلے  
فحش چا کے چلے جسم و جاں چا کے چلے  
یہ داغ داغ مہار، یہ شب گزیرہ سر  
یہ افکار فحش کا یہ وہ سر تو نہیں  
یہ وہ سر تو نہیں جس کی آواز سے کہ  
چلے تھے ہمارے دل چاہنے کی کہیں نہ کہیں  
فحش کے دہر میں تاروں کی آخری منزل  
فحش کی شامی نے اپنی اہماد و تحقیر فحشیت  
اور فحش آمیز صوفی آہنگ سے جنتی شامی کو اپنی  
طرف کھینچا ہے۔ وہ ایک بھر متعلق کی طرح مزاح  
الفاظ کا انتخاب کر کے لکھی ہیں چاہے جنتی سے انہیں  
ترجیب دیتے ہیں کہ ان کے ہر مصرع اور ہر شعر میں  
سہاوی شامی کی ہی دہر پر دہر کھلتے ہیں اور جنتی ہے۔  
بکروں کی فحشیں اس پر مستزاد ہے۔ فعلی کی قرا کیپ  
اور مرکبات فحش میں بھی ایک شام و صبح ملتا جاتا  
ہے۔ خاص کر ان کے استاد نے انہیں یہی دہر میں

دہر دہک، دہک لہذا فحش کرتے ہیں تو فحش ہائے  
تجربہ کوئی شامی کی کا اس میں جنتی دہر  
رنگ، جہاں کا، خوشبو دہر لہا کے نام  
موسم گل ہے سہارے نام، آنے کا نام  
بھر نظر میں پہلے جگہ دلی میں بھر نہیں جلیں  
بھر تصور نے اس نام ہر دم میں چاہنے کا نام  
بھر صبح دل آہ کی جنتی دہر جگہ ہو گی  
وہی خوبصورتی انہیں وہی کمال کی بھر  
رنگ دہار پہ ہر سادہ سادہ سادے کا خوار  
صوفی ہاتھ پہ دہائی کی دہائی کی فحش  
اپنے افکار کی شعور کی دنیا ہے جنتی  
جہاں مضمون ہے جنتی شام و صبح ہے جنتی  
اب سہاوی کا دہر میں جہاں کا مضمون ہو بھی چکا  
تاروں پہ کندہ ہو بھی ٹیکہ چکے جہاں پہ جنتی ہو بھی چکا  
اب دہر کی فحش کے لیے ان انہیں سے جہاں کیا کہنے  
کہ فحش کو بھولنے انہیں سے جنتی دہر جہاں کہنے  
فحش اب جہاں دہر، اب فحش کا دہر کوئی نہیں  
شامی دہر، فحش فحش کا دہر کوئی نہیں  
اس دہر کے دہر میں جہاں  
اس نام کی جنتی جہاں  
جس میں دہر دہر کوئی نام  
سے جنتی فحش کی دہر میں جہاں  
جنتی دہر دہر  
اور جہاں جہاں جہاں جہاں  
ان جہاں کا جہاں جہاں  
ان جہاں کے جہاں جہاں  
جہاں جہاں جہاں جہاں  
دہر جہاں جہاں جہاں  
پاس آئے دیکھنے کی ہر گز

یہ نسبت کہ اپنی کا بھروسہ

یا اس کی کہ اپنی کا لگن

اپنے شعور و بہت کہہ سکتے ہیں کہ یہاں جو کچھ  
علم نگاہ میں ہوں وہ اسے غزل گو بھی۔ لیکن کو یہ  
خصوصیت حاصل ہے کہ وہاں ایک صاحبِ طراطم  
نظر ہیں وہاں ایک انتخابِ آخری غزل گو بھی ہیں۔  
غزل ایک عالمِ صفت فن ہے غزل کے قلوب سے  
کاغذ بھرتا ہوا ہوش ایک لڑائی کھر ہے۔ چہ جائیکہ  
اس میں کوئی انتخاب پیدا کرنا یہ اس وقت ہی پیدا کرنا  
کو حاصل ہے کہ اس نے زندگی کا جو موضوعات سے  
نہ غزل کو درپاس کرنا۔ مگر ان موضوعات کو قفا داد  
بہت سے استعمال کر کے غزل کو علم کے چاروں پر  
دست لگان دیا لیکن کا کاغذ پر علم نگاہ  
آج تک کی غزلیں عام طور پر غزل سے مادی ہوتی ہیں  
تکہ فنی کی غزلوں کی نمایاں خوبی ہی غزل ہے۔ فنی  
واقعیت کے حوالے سے بجا ہے کہ غزل جو ہے  
بہت حد تک اپنی پہلی کے لگا کر ہے۔

غزل نگار، دھار یاد کی سماعت  
غزل قرار دال ہے قرار کا موسم  
دھڑ دھڑ و ساقی تو کس صوف  
طرام ہو سر کو ہمارا کا موسم  
یہ دل کے دانہ تو رکھتے تھے ہوں بھی پر کم  
یہ کہ اب کے اور ہے ہر دن یاد کا موسم

ہم پودوں کو دھم کرتے رہیں گے  
جو دل پہ گزرتی ہے دم کرتے رہیں گے  
اسبابِ فحشِ حقیقہ ہم کرتے رہیں گے  
دروانی دہان پہ گرم کرتے رہیں گے  
باقی ہے کہ دل میں تو ہر ایک سے پیدا  
رنگ لب و دھار صم کرتے رہیں گے  
رقیبِ شاعری شاعری خصوصاً غزل کی روایت کا  
اہم لہجہ ہے۔ مگر ان کے یہاں رقیب کے حوالے

سے ملاحظہ میں کیا تھ چلی جاتی ہے۔ لیکن بات  
انہوں نے رقیب کا شعور لایا ہے اس کی کردار لگتی  
ہے یا پھر اس کے خلاف قلابت کا لہجہ اختیار کر کے  
محبوب کو اپنا صوا جانتے کی سعی کی ہے۔ لیکن نے  
رقیب کے کردار کو ایک سے دس سے بھی کر کے غزل  
کے حوالے سے اپنی انتہائی سوچ کا مظاہرہ کیا ہے  
وہ قابلِ ذکر ہے۔ انہوں نے رقیب کو اپنی بہت ہی  
بے کراشتی کے برابر لکھا ہے۔ لیکن نے رقیب  
کو اپنے خیالات کا ترجمان جاننے سے بھی گریز نہیں  
کیا ہے۔ نظریات کے بار بار رقیب کا حاشیہ کردار  
غزل کی ایک نئی روایت کی نشاندہی کرتا ہے جس کا  
سواشبہ لیکن کے سر ہے۔

آ کہ بہت میں اس میں کی ہوتی تھی  
جس نے اس دل کو ہی غبار کا کھانا  
جس کی راحت میں ہمارا کئی قسمی دیا ہم نے  
اور کو اور کا افسانہ بنا رکھا تھا  
تو نے دیکھی ہے وہ وہ چلتی اور غبار وہاں  
زندگی جن کے قصہ میں لادائی ہم نے  
مجھ پہ چلی ہیں وہ کوئی دہائی سارا آئیں  
تھو کو مضمون ہے کیوں غرضاتی ہم نے  
ہمارے خیال میں لیکن کی شاعری کی بنیادی  
غزلیں صوری آگئی ہے۔ یہ ایک مضمون ہے کہ اپنے  
ہمد کا شعور شاعر کا اپنی سوجھیں کرنے میں بنیادی  
کردار کرتا ہے۔ لیکن کو لیکن ان کے صوری شعور  
نے دیا ہے۔ وہ اپنے ہمد میں سانس لیتے ہیں اور گرد  
و حق میں رہنا ہونے والے واقعات و حوادث سے  
صرف نظر نہیں کرتے۔ مانی سچ پر وقار پانے ہوئے  
والے حالات و واقعات پر بھی اس کی نگاہ رہتی ہے۔  
اس کا شعور میں انہوں نے اپنی شاعری کے کہیں کو  
دست دی ہے وہاں شاعر کی ہے۔

آجہاد میں نے دھول سے باقا لکھا لیا  
آجہاد میں نے پھیل دی انگلیوں سے لمبی چھل

آجہاد میں نے وہ سے باز چھڑا لیا  
آجہاد میں نے توڑ دیا ہے کسی کا بادل

اب کوئی طبل بجے گا نہ کوئی دھواں  
مجھ دم صحت کی دھول کو دھواں ہو گا  
اب کوئی جگ نہ ہو گی، نہ کبھی راحت کے  
خون کی آگ کو انہوں سے بچنا ہو گا  
کوئی دل دھڑکے گا شب بھر نہ کسی آنکھ میں  
دم نہیں ہوئے کی طرح آنے کا  
ہم غزل و دھڑکے کی طرح آنے کا  
اب کوئی جگ نہ ہو گی سے و ساغر دا  
خون لکھا نہ کبھی ایک بچا ہو گا  
ساقیا رقص کوئی رقص مہا کی صورت  
مطربا کوئی غزل رنگِ حیا کی صورت  
اگر ایک جگہ میں لیکن کی شاعری کا احاطہ کیا  
جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ لیکن کی شاعری غزل میں کی  
ایک ایسی اگر استوار کرتی ہے جس پر ہل کر ملک  
اُٹھار دیتی اور اپنی دہائی طوں پر عزت لگے۔ آزادی  
اُٹھار لگتی ہے نہایت، اسب دہائی دہائی اقتدار  
کی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔

ہمیں اس موقع پر اپنی طر اور صاحبِ نقد و نظر  
سے اٹھا کر ہے کہ اقبال کے ہمد اور دھڑکے کا  
تاج کی کے سر پر رکھتے سے پہلے یہ ضرور سوچیں کہ  
اگر لیکن نہ ہوتے تو آزاد شاعری کے ارتقاء میں فصل  
پیدا ہو جاتا۔ لیکن اقبال کے ہمد شاعری کا کوئی ایسا  
واضح دھان جاننے نہیں تھا جسے دوسری صدی کی  
نوجوان نسل اپنا آدرش بنا کر مشقِ فن کرنی راستہ اپنی  
شاعرانہ منزل قرار دیتی، لیکن نے اپنے دھان ساز  
اسلوب سے ایک صدی کی شاعری روایت کو خدای  
ہونے سے بچا لیا۔

☆☆☆☆





ہے۔ ان کے کام میں وہ ان اداکار کی پالیسی اور  
دھپ ایک دوسرے سے دست بردار ہیں۔

دل کی ہے سو تپ جسم کی دلیں پھر  
پتہ روز اور سری ہاں اٹھا پتہ ہی روز

فیصل کے کہ حکم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ  
دانت روز دشمن کی طرح سماں کو پھانسی ہے کہ فیصل کے  
خیالات "تنگناٹ" موسموں کی ایک ہی فکر کے گرد

گھومتے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں۔ "انسان۔" غم جہاں ہو  
و غم وہاں "دل میں جھوٹ کے لیے آواز بلند

کریں اور میں اتنا ہی سچ کہ ان کے عشق تو ذکر و حال  
جائے میں طریقہ کا حوصلہ بلند کر رہے ہوں اور اپنی

ظہار و ظلم کی اندھیری رات میں گھٹن بیکار کا گانے کا  
دوسرے دے رہے ہوں اور غلط فہمیوں کے "جواہر" کو

داہنی، چپا کے نگارے کی راحت دیتے ہوئے ان  
کے "چند اربابوں" کو اپنے غلوں کی چارہ گری کے غلام

و غل کا حجام دے رہے ہوں ان کا بڑا ہوا موسموں  
صرف اور صرف انسان ہے۔

فیصل کا انسانی سے بڑا عنصر انسانی ہے۔ وہ  
یہ وہ کیے بغیر تمام عالم کو سرب کر رہا ہے۔ "سہرا

پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے" پر یقین رکھتے ہیں۔  
انہیں صرف اپنے گرد و پیش اپنے شعرا اپنے ملک کے

واقعات اور بد نظمیوں ہی خون کے آنسو نہیں دلائی  
بلکہ ہر ملک، ہر قریب، ہر جہاں جہاں انہیں غم

کے سامنے آتے نظر آتے ہیں وہ بے اختیار پڑھتے  
ہیں۔ ایران اور طریقہ پاکستان کو داسر کہ ان کے

لے سکی ایک ہے۔ غیر ملکی واقعات سے متعلق ان کی  
جو گفتگوات ہیں ان میں بھی ان کا ہی سراور اثر ہے جتنا

اپنے ملک کے حالات پر غور ہے میں وہ اشتہاری  
سراپہ ہادی اور خاص طور پر مشرقی سماج کی بے بسی

پر غلوں کے آنسو جھاتے ہیں۔ اس مسئلے میں ان غلوں  
میں جو درد درد جاری ہے اور خاص طور پر جہاز پانیاں

دی جاری ہیں ان کو کھانا دے دیا کرتے ہیں  
میں تو مجھ جیسے اس دل سے کہ جس کی غم

م نے اس دانت کے پائے چہر کی قبر  
جس کے دل میں میں پھر رہے کے ساتھ ایک ہی دنیا

م نے اس دشت کو ضمیر لایا خود ہی ظہیر  
میں میں جو صوبہ غلوں سر ہاں ایک ہی دنیا

انہی آئی گئیں سے پھر گناہ جتنی زبانوں کی  
ظہار میں بھیاں لہرا بھی پھر سے زبانوں کی

ظہم ہونے کی گردن غم کے پاسوں کی  
کھا ظہام زبانوں کا، گئی بولی زبانوں کی

طریقہ میں آواز کی دلوں میں اپنی باطنی زبان  
کرنے والوں اور اشتہار پرستوں کے درمیان جو

کیا دل بدلی ہے اس سے جڑا ہو کر کھینچے ہیں  
آواز میں نے سن لی تیرے دھول کی ترنگ

آواز، مست ہو گئی میرے لہو کی حال  
"آواز بھرچے"

آواز، میں نے دھول سے دھوا اٹھا لیا  
آواز دھول نے پھیل دی آنکھوں سے غم کی پھل

آواز، میں نے درد سے پتہ چھڑا لیا  
آواز، میں نے فوج دیا ہے کسی کا جال

"آواز بھرچے"  
ظہم "کارہیک" دلوں میں داسے بھگے" کے

حقوق "زبان جڑے" کے دھپ سے میں بھگنا  
جنوں نے قید و بند کا زیادہ غمراہ فیصل صاحب کی

واقعہ میں گزرا دیا کچھ ہے۔  
"اس غم کی آواز تیرے غم پر غم ہے۔ اس

نے صدیوں کو پات کر رہا ہے اور زبانی میں کی  
سراپہ ملے کر کے ہر ملک کے غلوں کو ایک صف

میں لاکھڑا کیا ہے۔ یہ ظہم کہ "پلائی سرنگ ظہم" دھکی  
جہاں "خان گدا" کیلئے "سراپہ" میں بھی

سے حلقی مسلم ہوتی ہے۔ وہ جو ان کراچی اداکار  
اور ملایا کے خون میں لت پت کھانا سب ایک ہی

پانچراہہ ہوتے سٹائی رہتے ہیں۔  
گلی گلوں سے جن کو ہمارے علم

اور غلوں کے مٹان کے قافلے  
جن کی راہ طیب سے ہمارے قدم

ظہم کر چلے درد کے فاصلے  
"اپنی غلہ کے نام" میں ان طلبہ کو خراج

حسین پٹی کی کا جو اس لہر آواز کی کا جدوجہد میں کام  
آئے اور اپنی غم سے سہل کرتے ہیں۔

یہاں جہاں ہیں اور غم  
یہ کھانا

جن کے مسوں کی  
جرم و جہاں کی کائنات

یہاں ناک شبہ دے رہا ہے  
کیوں فوج کے کسٹ پاس پیگ ہے

یہاں کو چکر چکر ہے  
اسے دھکی گم سے دھکی گم

ان آنکھوں نے اپنے ظہم  
ان ہفتوں نے اپنے سراپاں

ان ہفتوں کی "بے گلی ہادی  
کس کام آئی کس ہتھیار؟

فیصل کم کو کائنات پسند اور عالی حوصلہ انسان  
قد غلوں کے جو ہری غری کال اور سانی ہال کے

تاہذا افریقہ کے بے پناہ درد و غم میں دھکی گم  
غلوں میں دھکی گم "غلوں سے لکی دھکی دھکی

بھائی کا کہہ پانچوں میں داخل ہوا تو غلی جہاں  
سے بھگنا ہو کر جہاں بھائی آباد کرنے لگا۔ فیصل کے

جد کا وہ درد اپنی زندگی کو غلوں سے بے کاشت کے  
ساتھ آواز دھکی گم۔ ان غلوں کی زندگی کا غلوں کی

زندگی کی زندگی کے ساتھ درد و اشتہار کرنے سے بچا ہوا

ہے۔ فحش نے انسان کے حوالے سے اپنا سرخوشی جو فراہم کیا۔

یادوں کے گریباؤں کے راز  
دل کی گزر کب ہوتی ہے  
ناک بلیہ اور چہرہ ایک سیا  
ہوں مگر سر کب ہوتی ہے

فحش انسان کے ہر روپ سے محبت رکھتے تھے۔ تم جہاں ہو کر یاد رہا یہ قسم وہ ہر ایک کے ہاتھ سے فراغ ہاں کا پاد کے سو جوتھے۔ فحش کی زندگی میں انسانی کردار بھی کچھ ایک خاص اور خندہ داری اور عشق و محبت سے محبت ہے۔ وہ مگر نہ بھٹکے کچے در کے دل پہ چلنے والی آ رہی کی دھاتیں رقم کرتے رہے۔ وہ محض دھاتوں کی سے جھانکی کو بھڑایا۔

تم جہاں ہو نرنگ پار ہو کہ وہجہ عود  
سٹوک جس سے کیا ہم نے عاشق کو کیا  
ان کی زندگی سٹوک سے محبت تھی۔ ان کا کام پاندی بستی کی آگہ نگاری سے آتا ہے۔ ان میں انجان ہی اظہان ہے۔ پاندی ہی پاندی ہے۔ وہ وقت اپنی مسکراہٹ کی بارش سے انسانوں کے دلوں پر بھی گودیت کی شکل کو جسے میں سرور ہے۔ وہ اور ہر دلوں کو بھی غموں اور غرقوں کے زہر کو حوائے کے لیے مسکراہٹ کے ترقیاتی کا مشورہ دیتے رہے اور کہتے رہے کہ جہاں دھاتیں گزر گئی ہیں جہاں جھانکیاں دیت بھی ہیں جسے صرف سے عورت دلوں کو متکد کر رہے ہیں انہیں اعلان دی۔ وہ جہاں دھاتیں انسان پر گزر رہی ہیں۔

کوئی ان کی دھن جانی  
کوئی ان کا گیت گائی  
چلو ہمارے مسکرائیں  
چلو ہمارے مسکرائیں  
فحش ایک گھڑائی اصول پاندی اور ایک قسم کی انسانی انقلابات کے مظہر رہا ہیں۔ ایک اور غریبی جو

انہیں اپنے ہم خیالوں سے بھی متاثر کرتی ہے یہ ہے کہ وہ اس کا مظہر ہیں۔ ان کی انسانی ہمدردیوں کا جو انداز اظہار میں رہا وہاں ہے وہ ان کے ہر اعلان و فحش پر بنیاد نہیں رکھیں بلکہ فحش پر استوار اور پختہ اور دو ٹوٹی ہے۔ انسانی ہمدردی کے روبرو وہ اصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے فحش کے کام خطرہ اور پیچیدگی کے درمیان باقیہر اظہار محبت رہا ہے۔

محمود یہ فحش یہ قسم ہم کو گوارا  
تم جہاں دلوں کے اہم کرتے رہیں گے  
دلی سو پار کر کے خاک ہوئی  
دلی خاک آتشاں ہے وہی  
فحش اپنی دیتے کے پیشہ سلا ہیں وہ اپنی

فحشوں کے باہر جہاں خلاف نہیں۔ یہی پیشہ سازی ذرا پختے ہوئے انداز میں فحش کی غزلیوں میں بھی لکھی ہیں۔ فحش عشق و محبت کے پرستار تھے مگر انہوں نے اپنے فحش کو محبت کے محرم انسانوں کی طرف فحش کر دیا جو ان کے محبوب دلوں کے غریب انسان تھے وہ جھگڑا و پراس کی بددی ہوئی دنیا میں صبر خواہ اور صبر خواہ کی ایک ہی حقیقت نہ مانے تھے۔ وہ خیالی طرز پر فحش کو اپنی زندگی کا محور بنانے کے لیے چارہ نہ خیال

اور بھی دیکھ جی نہانے میں محبت کے سما  
راشیں اور بھی ہیں اصل کی راحہ کے سما  
فحش نے جس انسان کو اپنی خاموشی کا موضوع بنایا اس کی زندگی کا رازچہ انسان کی آزادی کے ساتھ مشرب کیا۔ اس اعتبار سے فحش انسان کی آزادی کا خاموش ہے اور ایک ایسی دنیا کی صورت اور دریافت کا خواہش ہے جہاں آزادی اپنی بھرپور صورتوں کے ساتھ نکلتے ہے اور اس طرح جہاں انسانی فحش کی تائید کرتا ہے۔ فحش نے اپنے عہد کے جس انسان کو دریافت کیا وہ انسانی اقتصادی حالات سے اور پار

ہو انسان تھا۔ اس انسان کے دیگر دھوکے انہیں اور پاندی کی فضا دکھائی دیتی ہے۔ فحش کی خاموشی جہاں انسانی دلوں کی کشادگی کرتی ہے وہاں اس صورت حال سے فحش کی صورت کی طرف بھی متاثر کرتی ہے۔ اگر وہ نگاہ فراہم کیا جائے اور جھوک سے جو امراض پیدا ہوئے ہوں ان کا علاج کیا گیا ہاں تو شاید انسان کا گھبراہٹ ہو جائے۔ فحش کے شعری نقطے اس اعتبار سے ماحول اور ظہور انسان کے باہر رہتے ہیں مرکزی حیثیت اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ماحول کے ایسے تصور میں برصغیر اور برطانوی استعمار کو حوالے کے طور پر مثال کیا جاسکتا ہے۔ جھوک پاندی اور انہیں انسان کے ابتدائی مطالعات کی کشادگی کرتے ہیں۔

کیوں دلوں میں ہمیں نے طلب کی برا کیا  
ہم سے جہاں شہر کھڑے تم اور کیا نہ تھے  
ہر چادر کر کو چادر گری سے گریز تھا  
وہ ہمیں جو دکھ تھے بہت دور نہ تھے

کوئی سمجھا نہ اچانک عہد کو پہنچا  
بہت عیش ملی تھی عام ہوئی وہی  
جو کچھ بھی میں نہ چاہتی تھی ان کے یادوں سے  
تو دیکھوں سے دلوں کو سلام ہوئی وہی  
جب ہر طرف دکھ دور اور ٹریب کا دیو ہوئی  
کھیل رہا ہو۔ اصل و اصل کا پار کریم ہو اور اتریم  
جھوک سے جھوک رہی ہو آزادی کے انصاف کے خواہشوں  
پہ کالے ناگ بلیں پھیلائے بیچ رہے ہوں ناگوانی  
اور غربت جہم بنی جائیں اور دولت و اقتدار قر  
خداوندی بن کر انہیں کے گھر دلوں میں جانتی کی  
ہوئی کھیل رہے ہوں ایسے میں جہاں شاعر اور ناخبر  
انہیں کچھ خیالی تیکڑوں کے چٹوں میں چڑھ کر  
دلوں کی دھڑکی کی دھانکیں ناگ بلیں سکا ہے اسے

اصلی گھوڑوں سے بھی رخصت کر دیا جتنی ہے اور  
مگر کیا کریں اپنی نااہلی ہوا میں  
کہہ کر سہولت کرتا جتنی ہے عقل کے ہونٹوں  
سے وہی پاسری لگی ہوئی ہے جو کہ محبوب میں امن  
کے ساتھ جی اور امن کی لے بھی وہی ہے مگر نئے بدل  
گئے ہیں اور وہ اس پاسری پر پیار کے نہیں انھیں انھیں  
کے گیت گاتے ہیں۔ یہ پاسری ان کے گزیر شعری  
کی حیرت ہے یہاں وہ عقل اس پاسری پر۔

مجھ سے عقل ہی بہت میرے محبوب نہ مانگ  
کاغذ کشاں گئے تھوکر زندگی اب رہشدر کی  
جنت نہیں بلکہ وہ بھی ہے۔ انسانی شخصیت میں اس  
قدر کدو پیدا ہونے کا کھیل عشق سے طاریت حاصل  
نہیں ہوتی۔ اپنی ذات میں چھپ رہی کا منصب اور کتا  
پڑا ہے۔ عقل نے عقل کا کھیل شخصیت کا جو ڈرامہ

اپنی عقلیں کر رہا ہوں میں  
وہ تھوڑے تو کچھ کو پیدا نہیں  
جہول واکٹر مہمانی "عقل کے پاس الجھا ہوا  
کسی انفرادیت سے انجمنیت کی طرف ایک ارتقاء  
ہے۔ علم ذات کا کلمہ کائنات ہوا چاہتا ہے۔ عقل  
کسی فکر سے حیات کے حامل ہوں ان کی انسانی  
بصیرت اور احساس سے وہی قابل نہیں ہے۔"

عقل اس کی تلاش میں قادر و امن میں  
برہانی اگادے "بھل نکلا دے۔ آزادی انصاف"  
مصالحت کے چرے پکڑا دے۔ غلامی اور جہالت کا  
مات کو نہ ہو۔ ہر طرف فرطانی ہو برہان سے وہ ایک  
بہت بڑے آئینہ صاف ہے جو نہونی کو ہونی خانے  
کے لیے سرگرم مل رہے۔ ہانکائے "بھگوانے نہیں  
بلکہ دھتکے دھتکے انداز میں اس سورہ کی راہ سمجھ  
رہے جو گھنٹی گھنٹی گھنٹی گھنٹی گھنٹی گھنٹی  
اس سرکار کا پتہ ہے کے لیے جگہ آ رہی، جگہ گھری  
ہے کوئی کھیل نہیں ہے اسے دل۔

غمین جاں ہیں گنگی سارے کے سارے قابل  
یہ کڑی رات بھی یہ سارے بھی۔ تنہائی بھی  
اور اور جنگ میں بلکہ کھیل نہیں ہے اسے دل  
اور سگلا کوئی جوش غضب کا انکار  
میں میں گری بھی ہے حرکت بھی توانائی بھی  
ہو نہ ہو اپنے قیلے کا بھی کوئی فکر  
خطر ہو گا اگر میرے کی فیصلوں کے اور

ان کو سطوں کے رجز اپنا پتہ تو دیں گے  
غیر ہم تک وہ نہ بچیں بھی، مہدا تو دیں گے  
وہ کتنی ہے ابھی صبح کا تو دیں گے  
عقل انسان کی انسانی ہمدردی کو زندگی اور  
فل کا قہقہا سمجھتے ہیں۔ وہ سب کے ابتدائی میں  
نہیں گے۔

"حیات انسانی کی انسانی ہمدردی اور ایک  
اور اس ہمدردی میں حسب ذیل فرات زندگی کا ہی  
نقشہ نہیں ملے گا بھی کاغذ ہے۔ اس ہی زندگی کا ایک  
جزوہ انسانی ہمدردی اور ہمدردی کا ایک پہلو ہے۔"

جو بھی سکھو جا کر وہاں رہا بہت خطر ہوئی ہے  
مقام سے اب کوئی نہ متزلزل فرما دارو دلی سے پہلے  
کے کوئی حق کا نظارہ اب ان کو یہ بھی نہیں گوارا  
ہند سے قابل کہ ان کی فکر جو جسم و دلی سے پہلے  
عقل کی خاموشی سے غول کے پہلو پہانی ہے اور  
دلی تو میں سے ہولناک شیطانی ہو گئی ہے۔ بلکہ دلی  
زندگی اور سے انعام کی ہمت نہایت دھیمی لے میں  
وہی ہے۔ جس میں ایک رہتی ہوئی اور مدنی اور  
کائنات میں سے ہونے غول کا گہوارہ ہے۔

کب کب محبت سے ملتی کی  
وہاں میں خالی ہوئی ہیں  
ہاں یہ بھڑ بھڑ رہے ہیں  
ہاں ساگر ساگر ہوئی ہیں

کھوکھل ہیں جو اس دولت پر  
پہلے نکلتا پھرتے ہیں  
ہر پہلو کو ہر سار کا  
نظام جو حالت پھرتے ہیں

عقل عقل کی اس گری تک غریب ہی قدر حیات  
انسان وہی کے لڑے پیچھے اگر ان کو انسان سے  
انہی محبت سے وہی تو وہ ایک مشہور مدانی شاعری  
زندگی کی کر ایک صرف مدانی شاعری سے  
جائے۔ مگر وہ انسانی محبت کی پہاڑیوں کتنی میں چڑھ  
کر کھم کے جہر ہانوں میں اڑ گئے۔ اس طرح ملکات  
میں ہر کے کھولے اور ہوئی تو فہم رات کو ہی غور  
آزاد نہیں۔ عقل علم انسانی کے آئین سے سارے  
توجہ کر بلکہ اور پیاس کی بادی ہوئی انسانیت کے  
قدوس میں اگلا چاہتے تھے۔ وہ انھیں کے  
پہاڑیوں کو کائنات میں کرنا انوں میں اصل کرنا اور  
آدم کی کھنڈی اور حکم کر گئی کے آنسو پھینکا چاہتے  
تھے۔ وہ وہی دیوار زمیں سے مگر وہاں کے لیے  
دانشوں کے غلاب دیکھتے رہے۔ وہ اپنے آسمان کے  
تیلے سے کوئی کا کام لیتا چاہتے تھے۔ فلم "سم جو  
تاریک دہلیوں میں مارے گئے ہیں فراتے ہیں۔  
جب کئی جبری دہلیوں میں خام ستم  
م چلے آئے اے جہاں تک قدم  
اب پہ حرف غزل، دل میں قدرتی لم  
بہا فلم تھا گویا میرے حسن کی  
دیکھ قائم رہے اس گویا پہ م  
م جو تاریک دہلیوں میں مارے گئے  
کلی کھوں سے جہاں کر مارے فلم  
اور فلمی کے علاقے کے قافلے  
جن کی دلو طلب سے غلاب قدم  
خطر کر چلے اور کے قافلے  
کر چلے جن کی خاطر جہاں گھر م

ہاں گناہ کر فرائی دہلری کا مجرم  
 ہم جو تار یک دھاریں میں مارے گئے  
 فیلن کا محبوب کا فیلن میں اب بھی جیت کے  
 لطف جذبات میں ادب ہانے کی دولت دیا ہے۔  
 جس کا قلم دم دیر کے شجرے خار ہے۔ جس کی  
 صورت سے عالم میں یہاں کو ٹپت ہے۔ جس کا  
 حصول نگہ کو نگوں کو دے لیکن ان کی نظر جامہ دار  
 میں بکتے ہوئے اور خاک و غبار میں افسوس ہوئے  
 جسوں کی طرف لوٹ جاتی ہے بارود یہ کہنے پر مجھ  
 ہوا ہے ہیں کہ۔

لوٹ جاتی ہے اور کو بھی نظر کیا بکتے  
 اب بھی دکھ ہے جیسا جسے مگر کیا بکتے  
 فیلن کے اپنے دہم اور دکھ کو بکھاتا زیادہ  
 جیسے نئی جہاں اٹلی اور جہاں سے قوم قدم پر جان کا  
 ساتھ دیا تو یہ کوئی گیب اور انہی بات نہیں۔ سر  
 سرادوں کے ہی بکتے ہیں۔ فیلن دہم کھاتے رہے  
 منکراتے رہے اور سوائے اسے نہ کھانے کے دست  
 دہاؤ کو کھرت گئے۔ لیکن بھر انہوں نے اپنی بھرادی  
 اور بڑائی کو بھلا کر اپنی رام کہانی یہ کہہ کر بھلائی کہ  
 "میں جیسا بھی ہوں اچھا ہوں" فیلن اس بات کا  
 ثبوت کے ساتھ احساس ہو گیا کہ ان کی زندگی کا  
 مقصد صرف اپنی ذات کی کامیابی سے وابستہ نہیں ہے  
 بلکہ انہیں دے جانے فلوں کا چارہ کرنا ہے۔ پاپ کے  
 پسند سے اور غم کے بدھن کالے کے لیے انہیں آگے  
 بڑھنا ہوتا ہے اس لیے انہوں نے سوچا "کیا نہ جہاں  
 کا نام اپنا نہیں"

قلم ہر حالت میں جھک ہے  
 اپنا ہو یا اور کسی کا  
 دہاؤ دھونا ہی کو ہلا  
 ہیں بھی خاردار ہیں بھی خاردار  
 کیوں نہ جہاں کا قلم اپنا نہیں

بہر میں سب فوری ہو گئی  
 بہر میں سکھ کے چند دیکھیں  
 بہنوں کی قصیری ہو گئی  
 فیلن امر کی دولت کی تقسیم چاہتے تھے تاکہ  
 فرجوں کے گھون کا بکھدا دھونکے۔

یہ فکر سے دھن دولت والے  
 یہ آخر کیں خوش رہتے ہیں  
 ان کا سکھ انہیں میں ہائیں  
 یہ بھی آخر ہم جیسے ہیں

فیلن کی بہت اور انسان ہوتی ہے اور انسانی  
 کے انسانی قریب رہا ہے گئے میں گویا ہیں قابل  
 دی ہیں بھاری سے وہ خود سرگشتوں میں محبوب سے  
 ہانگنی کی یاد میں تازہ کرتے ہیں۔ ان کی غم "قریب  
 سے" پناہ کر عارفہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی طرح  
 فیلن کو مسلم کا کا جڑی و دھن کی کا اور کیا۔

م نے اس فیلن میں کیا کھویا ہے کیا سیکھا ہے  
 لا حیرے اور کو بھلاؤ تو سمجھا نہ سکے  
 ماجری بھیجی، فرجوں کی حالت بھیجی  
 پاس دھن کے دکھ دور کے معنی بکتے  
 دیر دھن کے مصائب کو بھٹکا سیکھا  
 سرا آہوں کے دہاؤ دور کے معنی بکتے

فیلن خار سے ایسے خاروں میں سے ہیں  
 انہیں زندگی اور اس کے شجرہ جس سے بہت ہے۔  
 اور اس بہت کی وجہ سے ان کا دھن زندگی کا بھٹکا ہی چلا  
 آتا ہے۔ بھلا آں خود سر۔

"فیلن کو آٹھ جاتوں میں دھن آج کی کر  
 اس نے انہیں چلا دیا نہیں بلکہ ان کی شخصیت کو توانائی  
 اور ان کی شادی کو بے وجہ ہلاک۔ فیلن نے اپنی  
 پیماری پر آنکھ فیلن کا بکھاتا ہے بکھاتا ہے  
 دیکھا دھن سے فیلن کا کام ہوتا ہے"

فیلن نے زندگی کو بچھا ہا۔ اس کے ارتقا اور

انسانیت پر انہوں نے ایک بھڑکائی کے جہاد میں  
 قیام دیا۔ دھن سے صبر اور اپنے خواہش کی خاطر  
 خاکوں سے بھرا کرنا ہوئے حسن کے دھن انہوں نے  
 جب کہیں جا کر ان کے کام میں فیلن ہیں۔ ایک  
 لکھی فیلن جس کی لے میں تمام انسانیت کی سسکیں  
 سانی دے رہی تھیں۔ دھن کی جہاد میں فیلن  
 لے انسانیت قریب ہے اور حسن فیلن کی شہر دھن کی۔  
 دھن نے دھن کی "جسین فیلن" لطف دھن کی  
 کھلاؤں کو بھٹکا اور کھلاؤں کو بھٹکا لطف دھن کی  
 خیال کا پار دے کر جسین اور دھن کا دھن۔ اسے  
 دھنوں کے فیلن میں دھن کے کوئی دھن فیلن کو  
 ہاں آسانی ہے۔

شب فیلن سے دھن بھٹکا ہاں فیلن کی دھن  
 شہر کو بھٹکا لیا دھن کی۔ دھن سے ہے کہہ  
 آج کی شب جب دھن کے دھن لکھی دھن کو  
 دھن صاحب دھن کی دھن کے دھن دھنوں  
 سے دھن کی دھن بھٹکا لکھی میں دھن لکھی کو بال  
 کھوئے دھن دھن دھن کے دل کا دھن فیلن میں  
 دھن فیلن دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن  
 شہر کی کھلاؤں میں دھن دھن دھن دھن دھن دھن  
 بھٹکا انسانیت کی دھن دھن دھن دھن دھن دھن  
 پر بھٹکا دھن ہے۔

فیلن انسان کو ایسی اور دھن کی ہے دھن دھن  
 فیلن کرتے بھٹکا کے دھن فیلن کی ایک سر دھن  
 دھن ہے۔ اگر وہ ایک فیلن کے دھن دھن کا دھن  
 کرتے ہیں تو دھن کی دھن دھن دھن دھن دھن  
 نے اپنی بہت کی دھن کی دھن دھن کی دھن دھن کے ساتھ  
 دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن  
 "ایک انسانی فیلن کی دھن دھن دھن دھن دھن  
 دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن  
 دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن دھن

پہنکی کا پیمانہ پائی عالم سو جرات سے اس کے جانی  
اور نہ جانی رشتے ہیں خاص طور پر انسانی برادری کے  
مشعر کو نکھودے کہہ بیٹھے۔

فیض کی شاعری اور زندگی دونوں انسانیت کی  
دشمن تو قوں کے خلاف ایک ہی عزم اور باعقل جنگ  
اور جدوجہد ہے۔ فیض نے یہ جنگ اس جدوجہد اور جدوجہد  
کے ساتھ لڑی کہ بالآخر ایک دن انسانیت کل طاقتوں  
کو کاٹ کر ہمارا ہوتا ہے۔ وہ طاقاتی تقسیم ہو جائے گا  
نسل کے اعتبار سے انسانیت کے ہاتھوں انسانی ہمارے  
شریکہ انسانیت کی پائی ہو یا اس عالم کو احق جنگ اور  
جانی کے مشاعرے فیض کی شاعری ان قوم قوں کے  
خلاف آواز بلند اور آزادی کا مہم کرتی ہے۔ فیض  
فرماتے ہیں۔

”مجھے یقین ہے کہ انسانیت جس نے کبھی  
کھستے تسلیم نہیں کی ہے آئندہ کبھی کبھی کھستے سے  
بھگتا نہیں ہوگی“

جسم پر قید ہے نہ جانتا ہر دلہری ہیں  
گر ٹھوس ہے کھنکھار پر خوریں ہیں  
لیکن نور انہیں دیتے ہیں ۔  
بھٹی ہاتھوں کا ہے نام گراں ہادرم  
آج سنا ہے ہمیشہ تو نہیں سنا ہے  
فیض کی شاعری سماجی و معاشرتی حقائق کی  
تعمیروں کو برخواستہ کرنے اور لوگوں کے ساتھ کئے  
گئے وعدوں کو بھانے کی شاعری ہے۔ دوسری بات  
اور غیر انسانی رویوں کو کہہ کر خوب اظہار ہے۔ لوگوں  
کو جو سے اہمیت کا یقین دلاتا ہے۔

دل سے عجم خیال کہتا ہے  
اتنی شیریں ہے زندگی اس ہل  
عجم کا زہر کھوٹے دالے  
کامرائں ہو نکلیں گے آج نہ کل  
ہلوہ گا۔ وصال کی طعیں

وہ بھگا بھی بچے اگر تو کیا  
چاند کو گل کریں تو عجم جانیں  
فیض انسانوں کو بے بسی سے مرے نہیں دیکھ  
سمجھتے ہیں کہ نزدیک اپنے آپ کو قائل کے سپرد کر  
دینا مراد آگئی نہیں ہے۔ خود اس بات پر یقین رکھتے  
ہیں کہ عالم کے آگے سرگرم ہو کر زندگی گزارنا ضروری ہے۔  
آج کل کے بچے دیکھتے ہیں کہ کوئی ترس نہیں کھاتے گا۔  
مظلوم کی آواز دیکھ کر آواز دینا عالم کا عزم ہونا چاہیے  
ہے۔ فیض عظمیٰ کو عالم کی حمایت سمجھتے ہیں اور ماضی  
کو عالم کی پشت پناہی قرار دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں  
کہ اس عالم کے ہر طبقہ کا انسان آزاد ہو جائے اور  
ہر نسل زندگی گزارے اور جب کوئی طاقت اس کے  
حق کو پامال کرے تو اس کے خلاف آواز بلند کرے۔

جو عجم پہ ہمت نہ کرے آپ ہمیں ہے  
جو جبر کا شکر نہیں وہ سبک دینے ہے

کوئے عجم کی خاموشی آباد، بیکہ تو ہو  
بیکہ تو کہو علم کشتہ، فریاد بیکہ تو ہو  
بیاد کر کے شکوہ بیاد بیکہ تو ہو  
ہلوہ کو شوق شری کی بیاد بیکہ تو ہو  
گرتی نہیں زبانیں کبھی آزاد بیکہ تو ہو  
چپے سے درد اسے دلی بردا بیکہ تو ہو  
ہلوہ کو شوق شری کی بیاد بیکہ تو ہو  
ہلوہ کو روزِ عدل کی بیاد بیکہ تو ہو  
فیض ایسی امید افروختے ہیں کہ ہمیں اپنے ماضی کا  
دھماکا انسانیت کی کھست سے ہمیں معلوم ہے کہ ہر  
انسان سحر ہے لیکن فیض کو اس میں اپنا ہوں کی کریم  
نظر آتی ہیں۔

یہ شب کی آخری ساعت گراں نکلی بھی ہو عجم  
جس ساعت میں پہاڑ ہے پہاڑ عالم کی دیکھیں گے  
جہاں سے ہمیں ”عجم زمانہ سے ان کا گورا گورا“

ان کی انسانیت اور ان کی ادیبانہ کی کتاب پابندی  
اور آزاد ہندی سب درد عشق کے استاد ہے ”جی“  
ہماری انہیں طبعوں نے کوئی خاک و شام  
ہماری نہیں انہیں سے کوئی طرز و عادت  
اس عشق کے اس عشق پہ عجم ہے گردل  
ہر داغ ہے اس دل میں بکھر داغ عادت  
فیض کی اعلیٰ شاعری کے موضوع میں انسان  
اور شاعرانہ قوتیں مل کر ایک نئی دنیا بناتی ہیں۔ جیسری دنیا  
میں انسان کی آزادی کا تصور ضرور ہونا چاہیے اور عالم  
قوت میں انسانیت کو کھانے کے پیمانہ ہو چکی نہیں۔ جب  
طاقتی قوتیں انہیں کھانے کو قوت دیتی ہیں اور انہیں کا  
کھا کھوتی دیتی ہیں تو مسلسل کئی غور کے انکار سے  
کڑائی ہے اور رسالت میں گم ہونے کے جانے نہیں  
دعا کے اہلار سے آواز برتا ہے۔ فیض ان عجم سب  
عجم پر جتے ہیں اور صحت و صفا کا روشن پر بند ہو جاتا  
ہے تو عشق پر باب دعا ہر گھس پڑ جاتا ہے۔ لیکن فیض  
ہم عالم کے اندر سے جتنے عجم کو دیکھتے ہیں تو خدا  
سے سوال کرتے ہیں۔

وہی کہتے ہیں ہر اک عجم میرے عجم ہے  
گر یہ کیا ہے تو تو سے عدل سے انکار کروں؟  
ان کی باتوں کو زندگی سے اہمیت کا قرار کروں؟  
پھر دیکھوں گے کہ احق انسانیت کے لیے  
آزاد کا اندھا دل کھانا پلٹے ہیں۔

ہمیں کی آنکھوں کو سنا سناج کا بارا بھی نہیں  
ان کی باتوں میں کوئی قطع نہ کر دے  
ہمیں کہ تو ہمیں کوئی راد کا سہارا بھی نہیں  
ان کی نظروں پہ کوئی راد اپنا کر کر دے  
فیض کی شاعری کا یہ وصف ہے کہ کہیں  
نئے قوم پر درد اور انہیں سب باتیں اور دانا انہیں  
اپنی گرفت میں لے لے ہیں۔  
نہ کوئی جاک نیم کش دل ریزہ و ریزہ کھنکھایا

ہے کچھ ہیں سنگ سمیت کوشی داغ داغ لادیا  
ایک لکھن اور انعام لڑا لیکن کے باپ میں  
فعلی کے اونی اور شعری کہہ میں اس کی بیٹی  
پرستہ رہی ہے۔ مسلمان کے جنگل میں بیٹھنے سے  
تیسری دن کے مظلوموں کو نوبہ فعلی نے بے حد درد  
منہنی سے بیان کیا ہے۔

کبھی نہیں ہے کبھی بھی نہیں کہو کا سراغ  
کسی کو ہر ساعت نہ دھتے تھا نہ دھار  
نہ دلی نہ شہادت سب پاک ہوا  
یہ طون خاک جھانڈا، رزق خاک ہوا  
”کیاں سے شہر کو نہ“ میں گئی سبکی رہا ہے۔  
ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

غواں خام ہوئی کس حساب میں لکھی  
بہارگی میں ہے پچھلے ہیں شاخ گل کو کڑو  
فعلی انسان ہستی کے اس میں مٹا کر حوالہ بھی  
دیتے ہیں جہاں غریبوں اور زبردستوں کی وہ کھال  
جہاں مسامحی گناہوں کے داغ ملے ہے کوئے کے  
احالے جاتے ہیں جو دراصل فعلی کے موصولات کھیر  
واکھاب کی طرح ہے۔ فعلی کا کہنا ہے کہ صرف وہی  
دیکھ اور خاص زبان اور علم سے غریب اور یاد دہانی  
پیدا نے دلوں کے خلاف علمی جہاد کرتے ہیں جو  
انسانیت سے محبت کرتے ہوں۔

فعلی کی انسان دوستی میں ہیں انوکھی سچ ہے  
ساحرائی تو توں دوروں کے حواریوں کی ان سازشوں کا  
دیکھو شعور کی مثال ہے جس کے تحت شعری آزادی ہے  
سچا پیرہن سب کچھ کہتی ہے۔ جمہوریت اور  
جمہوری اور اس کا عمل عام ہوتا ہے۔ غریب و غریب اور  
آزاد سڑکی ریلوں میں خاردار پائیں لکھی دی جائیں  
جیسا۔

فعلی نے قلم انسانیت کے دکھ کو دیا کہ اپنی  
ادب کا کلمہ کیا۔ فعلی کے کلام میں ”کلمہ سیم“ کی خبر

کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی ایک جہ فعلی کا اجتماعی  
شعور ہے جو بے لوثی لکھی کی چند جہ سے آیا۔  
De Gourmont نے کہا تھا۔

”ایک شخص انسان کی ہر جہ بے لوثی ہے کہ  
وہ اپنے ذاتی تاثرات کو کافی اصولوں میں احوال  
رہے“  
فعلی یہ بات صادق آتی ہے۔

سوچاں تھے کہ کتب گویا بھاری ٹھکانے کے تھے  
سوچے قرار دے تھے ان میں چپ ہم نے قلم آغا ز کیا  
لوہل کی سماعت آج بھی ہر علم حضوری پر ہم نے  
انھوں کے روپے بند کیے اور بیتے کا وہاں کیا  
بقول حسرت انعام ”فعلی کی خاموشی میں  
ایک فرخ کا باغ پھیلنا ہے جس کی جڑیں اور تنک  
جھکن ہیں اور جہاں انھیں انجمنی صورتیں بھی علوم  
دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ان کے جذبہ کا ٹھکانہ۔ اور  
انہی نے دلی انسانی طبیعت کی دلیل ہے“

فعلی صاحب اپنی جان کی قربانی اپنے کاتھاب کی  
عشت اول قرار دیتے ہیں۔ وہ لڑک اٹھنے لڑک  
ماننے والے بچے پڑا ہے۔ وہ غلام کی موسم ہا کر  
اچھا انسانوں کے دلم پر رکھتے ہیں۔ غالب کی طرہ  
فریادی نقوش انسانی کو کافوری ہیں ان پیرا کہانی  
توڑ سے بزم بیگانہ کرنے کا سامان کرتے رہے۔

بقول ڈاکٹر عظیم احمد ”ان کی فکر ان کے  
سطحے خطاب سے دور کہے اس اس کے سطح سے علم  
پیلے والے ہیں انفرادی انسانی شعور کی طاقتوں کی  
آئینہ دار ہے“

فعلی کی فکر انسانی محبت اور فرزند آدم کے درد  
مٹھوک کا سرے ”نور“ میں ”نام اور مرم ہے۔ اکو  
اکھاب نہرت کی کاکہ سے علم پیلے ہیں لیکن فعلی کے  
اکھاب کے چاندیں اطراف محبت اور ان کی کی بندیں  
ترم و زخم خراش ہیں۔ وہ بے شک اور اچھا انسانوں کا

دکھ رہے اور مرم ان کے بیچ کا سولہ ہے رہے۔ وہ  
قانون کو ان کے لیے دے رہے ہیں جو ان کی حالات  
نے دے ان کی فرصت دی جانے کا بیڑہ نکھار  
دے انھوں سے کہ ان کا انجی دانا دیکھی  
انہی کو گمشدہ حالات نے دے انہی کو  
فعلی انسانی انھوں کے قلم کو بہت بڑی قیمت  
مکراتے ہیں۔ اور انسانی کے ذرا کی بھی جانے  
سے کھاتے ہیں۔ انھوں نے قلم کو دے انہی کو  
پکارتے ہیں۔

موت اپنی نہ فعل اپنا نہ بیٹا اپنا  
کھو گیا شوق کتنی میں قربت اپنا  
انہی بھٹی تھا کہ وہ خیم جانے کا رات اصل  
جانے گی اسی لیے حضور بیتے ہیں کہ ”قلم نہ کلم نہ کر“  
اب بھی خام بیتے اگر نہ کھیرا ہو گا  
اب بھی رات ڈھلے گی نہ سہرا ہو گا  
وہ مرم بہت دیکھے والے انسان ہیں جنہوں  
نے بکھر شرفائے عیروں کا چاند نکھایا۔

ہر اک سہ شاع کی کماں سے  
بکر میں نولے ہیں تیر جتن  
بکر سے فوسے ہیں اور ہر اک  
کا ہم نے قلم نکھایا  
فعلی راضیاد میں مرم کا استعمال لکھتے ہیں۔  
وہ مرم کی حکومت مرم کے لیے جاتے ہیں قلم نگار  
میں تیری گلیوں کے کھنکھاتے ہیں۔

بہت ہے قلم کے دست بہانہ کے لیے  
جو چھ ال جوں تیرے نام لیا ہیں  
بہتے ہیں اہل ہوں، دلی بھی صنف بھی  
کے وکیل کریں کس سے مسئلہ چاہیں  
لیکن وہ زندگی کے مصائب، انہی کی  
جھانپیں اور محنت خانوں کے انام سے انھیں نہیں  
گھبراے۔ اور اپنے صنف پڑنے رہے۔ فرماتے

جو تھو سے ہمہ دنا استوار رکھتے ہیں  
طاغ کراش لیل و نہار رکھتے ہیں  
فیصل کی شاعری ایک صاحب دل کا جوش اور  
دولہ سے فطرت صاحب کی نظریں کا رخساروں میں جا کر  
سکناں اور حور و دہلی کی جھلکی تو تھوہر اس کی عظمت  
کا درس حاصل کر رہی ہیں۔ فطرت نے اپنے کلام کے  
ذریعے ٹکڑوں، دیکھوں، لکھوں، چاہیوں، کاسوں  
ماہوں کے دکھیں شریعت اختیار کی ہے۔ ”سرمدی  
جیتا“ کا ”استیاب“ اس کا ثبوت ہے۔

پست استیوں کے نام  
تائنگے دلوں کے نام  
رہلے باتوں کے نام  
کارمانے کے بھر کے چیلوں کے نام  
بادشاہ چیل خانی باغ صاحب لاشی اللہ علیہ السلام کے نام  
جس کے حور و دہلی کو کھانہ پکانے کے  
جس کی بیٹی کو کھانا کھانے کے  
فیصل کو انسانیت کی توہین کسی طور کا مانتی تھی۔  
معاذت سے دامن چا کر سلطنت کے قتل میں آواز بلند  
کرتے ہوئے وہ ظلم کے جہاد منصب اور ظلم سے  
بالکل بے گھبرائے۔

دہری ظہور دہان خلق کھولنے کا نام  
اب نہیں بیٹے ہری وہ ذالک کھڑائے کا نام  
تھکب کی خبر دیا چاہے اس کے فیصل سے  
دعا، ساری کاظم کا، سے کیا نہانے کا نام  
فیصل شخص آزادی کے قائل ہیں۔ وہ دب قوم  
پر جبر و استبداد کی فضا مسلط دیکھتے ہیں تو انہیں یہ فکر  
حاصل گیر ہوتی ہے کہ اگر ایسا کیوں ہے۔ پاکستانوں کو  
سکون بھر کیوں نہیں ہے۔ دین کے چاروںوں کو کھینچ  
اٹا نہیں۔ انکاروں پر قائل کو چار کیوں نہیں آتے۔  
”یہاں سے شہر کو دیکھو“ میں کچھ بھی موردِ تامل ہے۔

یہاں سے شہر کو دیکھو ساری عاقبت میں  
د کوئی صاحب نہیں، د کوئی دانی نہیں

جو کوئی بچہ چلے دلو تو بچہ پتا ہے خیال  
کہ ٹوکے کوئی نگار کیوں نہیں آئی  
جو کوئی ہاتھ پائے تو دم کو ہے سوال  
کوئی چٹکے کوئی بھٹکا کیوں نہیں آئی؟

”کھمرو نہ دیکھو“ میں بھی فطرت نے صاحب  
دولہ اور صاحب قلم کی قسمت کا تذکرہ کیا ہے اور قلم کی  
دولہ میں دارچ بننے والوں کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔

فیصل امن کے امن اور طہر رہا ہے۔ امن  
ایسا بڑے پرائیوں نے جو فکر یا سکھیں کی اس میں  
بھی انہی خیالات کا انکار کیا ہے۔

”سماں نہ پانے کے لئے انسان کی کس میں آتے تھے  
ہیں تو کیا انسانوں میں ذی شعور، مصنف حراج اور  
دراخت دار کو کی انی تھا اور جو نہیں ہے جو سب کو  
منا کر کے کہ جتنی آئے سمیت اور۔ ہم اور راکت،  
توہی، بدو فیض سندھ میں غرق کر دو۔ اور ایک  
دوسرے پر بھڑ بھانے کے چالے سب ل کر کھنڈ  
کا کاٹ کھیلو۔“

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

کوئی طاقت نہیں اس میں دور آزاد  
کوئی جیزا نہیں ہے کسی ملک کا  
اس کی جہ میں کوئی آبدوزی نہیں  
کوئی راستہ نہیں کوئی توہی نہیں  
ہیں تو سادے حوسر ہیں یاں دور میں  
امن کتنا ہے اس بحر پر حور میں  
سودا دار کا کہ بھونگی کھلو ہیں کر۔

کب ظہر میں آنے کی بے دانا ہنرے کی بہار  
قوس کے دھبے ہمیں کے کٹی رہا قوس کے بھ  
اور کجی اعلان کرتے ہیں۔

”اب کوئی جنگ نہیں ہو گی ہے، ساغر کا دھڑ“  
فیصل کے چہنچ میں ایک ایسا دل ہے جس میں  
سارے جہاں کا درد گرا ہوا ہے۔ وہ اپنے گروہ فیض کا  
گورا مشاہدہ کرتے ہیں۔ امن کی شاعری میں  
سامراجیت کے خلاف اور غریبوں ’ بے کسوں‘  
حور و دہلی اور فاقہ مستوں کی ہمدردی میں جو جذبات  
اٹا کر کے ہیں وہ فطرت کے سوازی دلوں کی فطرتی  
کرتے ہیں۔

بب بھی بچہ کر دیتے ہیں وہ یکس جن کے  
الفب آنکھوں میں بیٹھے ہوئے سو جاتے ہیں  
باقاوں کے لوگوں پہ بیٹھے ہیں صاحب  
بازو تولے ہوئے منظر ہے بڑے آتے ہیں  
بب بھی بکرا ہے بازار میں حور کا گوشت  
شاہراہوں پہ لڑکوں کا لہو بہتا ہے  
آگ کی تپتے میں دلوں کے اچھے ہے نہ بچ  
اپنے دل پر لکھے جادو ہی نہیں دیتا ہے  
فیصل انسانیت جہاد پر نہیں رکھتے ہیں۔ ”تجربہ  
سماں نہ پانے کے لئے انسان کی کس میں آتے تھے  
ہیں تو کیا انسانوں میں ذی شعور، مصنف حراج اور  
دراخت دار کو کی انی تھا اور جو نہیں ہے جو سب کو  
منا کر کے کہ جتنی آئے سمیت اور۔ ہم اور راکت،  
توہی، بدو فیض سندھ میں غرق کر دو۔ اور ایک  
دوسرے پر بھڑ بھانے کے چالے سب ل کر کھنڈ  
کا کاٹ کھیلو۔“

ایک جگہ لکھتے ہیں۔  
کوئی طاقت نہیں اس میں دور آزاد  
کوئی جیزا نہیں ہے کسی ملک کا  
اس کی جہ میں کوئی آبدوزی نہیں  
کوئی راستہ نہیں کوئی توہی نہیں  
ہیں تو سادے حوسر ہیں یاں دور میں  
امن کتنا ہے اس بحر پر حور میں  
سودا دار کا کہ بھونگی کھلو ہیں کر۔

پھر فرماتے ہیں

آج کل کے مراد یہ صدیوں کے سامنے تھے  
آدم و حوا کی عبادت پہ کیا گردی ہے  
صوت اور تربیت کی داد صرف آدائی میں  
ہم پہ کیا گزرتی ہے کیا اجداد پہ کیا گزرتی ہے  
مرنے کی صورت میں بیٹے والی گھون پر یوں  
نور کواں ہیں۔

ان دیکھتے ہوئے شریوں کی فراہم حقوق  
کیوں تھا مرنے کی صورت میں نہ جانتے تھے  
یہ مبینہ کھیت چھانڈتا ہے جہی جن کا  
کس لیے ان میں تھا بلکہ ادا کرتی ہے  
فیض بکھردہ عالم سجدہ مالکین تڑپاں بربود  
دھم کو فحش پا' حال سزا اور مسافر ہمارے فحش  
شبہ کہ امید مری کی بات سنا کہ کدو وصلہ لاتے ہیں  
یہ جو مسرت ہیں جب تک اس خوشی میں دولت ہے یہ تک  
یہ لونا و ظلم، یہ طیل و ظلم یہ مال و ختم سب پہنچا ہیں  
اکا کلمہ رحم ہوں ادا کدو ہر دستہ دیکھے جانکی  
حقوقی قوتیں ادا کدو چاہیں کہ گھنچان صورت، سر سبز  
شاداب نہ ہو۔ وہ جذبات کو ادا کدو پانڈ کرنا چاہیں گلن  
بے بدلتوں کے باوجود ادا کدو انکی اپنی گھست تسلیم  
کرنا نہ سکی۔

قص ہے اس شہ قہار سے قہار سے اس میں نہیں  
بچیں میں اچھل گل کے گھار کا موسم  
فیض آج جو شعوری یا غیر شعوری طور پر

نعماتِ حریت اور فطرت میں عورتوں شامل کر کے  
دور و فاصل پیدا کر رہے ہیں۔ ان کے ہاں امید موسم  
اور استحصال کی بیعت ہے غم ہے کدو بھلے کے ساتھ  
سوز ہے کدو اچھل دل کی کرنی کے ساتھ۔ یہی کی محبت  
شیر کب ہے کدو ادا کی کے ساتھ۔

فیض حوام کا ادا کدو اپنا کدو عام دوست ہے۔ وہ  
جاتے ہیں وہاں نہیں انوس و کدو ہے شک ہے۔  
گیتہ آزاد کا سرمہ تو ہیں لیکن کدو نہیں۔

عمر علی صدیقی کا کہنا ہے کہ "فیض احمد فیض کی  
شاعری اپنی انصاف اور اخلاص کے ساتھ نصف صدی  
پر محیط ہے۔ وہ جدید اور شاعری کے ان بانڈوں میں  
سے ہیں جنہوں نے شاعری کی ادبی کا پھاری بنی کی  
جانتے اسے اپنے رنگ میں ڈھاننے کی کوشش کی۔"  
فیض اپنے فلسفہ و فکر پر عام آخر قائم رہے۔  
کوئی فکر کوئی امر ان کا راستہ نہ بدل سکے۔ وہ لوہار کا  
تھونڈا رکھنے والے بناتے رہے۔ وہ کہہ گا کہ اس ہے  
چلتا ہوں سے گزرنے والی کو چہ دار کا یادگار مانگے۔  
اپنے آئینے دے کے سر صحرانگی صحران کو کچھ گئے۔ جان  
دار کا ہڈی حیات گئے۔ اور اپنے ہاں کدو کو فوہ  
دے گئے۔ قرض حیات پکانے کی ٹرپ حب و شریں  
تک پہنچ گئے۔

میرے ہاں کدو کو فوہ ہو صبح و شریں کا خیر کدو  
وہ جو قرض رکھتے تھے ہاں پر وہ صاحب آج پکا دیا  
فیض کے مرنے پر گھڑوں میں لپٹے بدن اور

زلموں میں لہانے ڈھم پھر لپٹے ہیں کہ فیض ہمارا تھا  
فیض ہمارا ہے اور دے گا۔ فیض کے مرنے سے  
شریوں کی دانا آگلی۔ ادب تہذیب اور فحش کی  
کدو تالی ہو گئی۔ شاعری نہ ہو گئی۔ بے نواؤں اور  
بے دواؤں کے صحران پر سے فحش و عورت کی چھت  
گئی۔ فیض کی محبت کا قہر قہار میں حیدر کے ان  
جملوں سے لپٹی ہوئے ہے۔

"فیض صاحب کی شاعری کی کمی کو کبھی نہیں  
یہ اس شاعری سے ہے آج فحشیں ایمان والیوں کا  
شاعر ہیں نہ سکا ہے۔"

فیض کھل اس صدی کا شاعر ہی نہیں آئے  
والے دور کا شاعر بھی ہے اس لیے کہ وہ کی انصافیت کا  
شاعر ہے۔ اجتماعی ادب، لکھنے کا شاعر ہے زہور گوار  
فحشوں کا شاعر ہے۔ نعتیہ اور چاہوں کا شاعر  
ہے۔ شعوریات کا کھاتے کے ساتھ ساتھ شعوریات  
کا شاعر ہے۔ ان جیسے شاعر ہر تکتی روز روز ختم نہیں  
دیتی۔ اپنے انساؤں کے لیے تاریخ کدو ہر شاعر ہونا  
چاہتا ہے۔ زندگی ساہا سال پر ورم کا طواف کرتی  
ہے۔ فیض نے خود کی فحش کیا ہے۔

ہم سب طلب کون سے فرہاد تھے لیکن  
اب شریں میں تیرے کوئی ہم ساہنگ کہاں ہے  
☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



## فیض اور خدا شناسی

فیض اور فیضی عصر حاضر کے شعراء میں اپنے مخصوص لکھے اور صدا کا نوازندہ فکر کی وجہ سے ایک ایسا مقام رکھتے ہیں جس تک پہنچنے کے لیے قلمی شعور کو اپنے عصر و ماضی حالات سے ہم آہنگ کر کے روایات کے شیعے میں بکڑی انسانیت کے شب و روز کا قوسر کھینچنا پڑتا ہے۔ انسانی معاشرت کے تیز و تباہ دور و مکوں کی تصویر کشی کرتے کرتے فیضی صاحب پر اور فیض کے جو محراب بھی اس کی ترویج کا صحیح کرنا فیضی صاحب نے شاید اپنے ہندوستان حجاز کی وجہ سے صاحب نہ سمجھا اور وہ غلطی باری کی جھگڑوں اور گمراہیوں میں جس صاحب سے پرہیزگاہ جاری رکھے ہوئے ہیں اپنی خلوت سے اس کا جواب دینے کا عمل مستعد رہی کا کارہ ہے اور بیکار شہت سوچ رکھنے والے پیش کردہ لکھی اور فیضی سے بے چارہ رہے ہیں اس لیے اپنے کام سے کام رکھنے کے عمل نے ان کی ایک ہی بات کہہ سارے کام دیا ہے۔

اسی انھوں نے طرہ میں جب ہم غور کریں تو حاکم انسان کی زندگی میں جدی لانے کا خواب دیکھنے والے فیضی کا صرف کا جرم، کامل معافی میں کیا کہ اسے اپنی مٹی سے لبر شروہ اور سچا چار تھا "چندی سازش کس" ہماری سیاسی و قومی تاریخ میں ایسا جانا داغ ہے جس نے تمام قوموں سے حاضر میں گفتگو اور بددلی کا احساس شامل کر دیا۔ چندی سازش کس کی تھکیت میں کسے اخیر ادا کیا کافی ہے کہ "سازش"

اس آواز اور مٹی وطن میں "جاگیر وادی" کی بھی دار اور اقدار پرستی سے کیہ خاطر تھے "طبعیت پر ہر جو کے اس احساس کے ذریعہ آدھیں میں ملی ڈنڈہ کر "کڑھتے" تھے۔ تحریروں کی بے انتہا لہروں کے ہر جہاز کا کھنکھانے کا اور ہر دے والے جہتی کے یہ چنے مگر جہاز کا راجیہ جہاز کی گری کی فکر میں اس لیے کاٹنا بن گئے کہ وہ اپنی شناخت اور پہچان پر کوئی سوا کرنے کے لیے چاہتے تھے۔ بھیجہ گئی تھی پہلے پاکستانی کا کارہ راجیہ جہاز کی وجہ میں کو مگر جہاز کی گری نے ہاتھ سے ایک "تنگ ترک پانی" کی بنا کوئی کی قلمی اور ان پر غور کیلئے کی جاہت کی قلمی بھی "جاہت" اور شناخت سا ماریت کا کچھ اسے جس کی طیارہ پر یہ سارا مل کس کا اور نہیں اس روئے نے قلم لیا کہ جاہت ایک "گنا و کبر" ہے اس میں اٹل دینے والا "بھار" ہے حالانکہ پاکستان کی عمارت و جہد کے لیے سوچا کتنا جرم ہے جب کہ فیضی جاہت سے بھی ہے لیکن جاہت میں نہیں "باب کا گناہ" بھی بھی جاہی گئی ہے۔ اس میں کس کے بارے میں فیضی صاحب کا یہ شعر مکمل تر جہانی کرنا ہے اور "استغاثے" کا نہ چڑھنے کے لیے کافی ہے

وہ بات سارے سامنے میں جس کا ذکر نہ تھا وہ بات تو کہ جو بات کا گور گزری ہے اس صف سے کی جاہت کے دوران کھنکھاتی کار ہوا اس اور اپنی قومی اور وطن نے فیضی صاحب کی

انسان اور مٹی کو جرم جاننے کے لیے انھیں دیر نہ ہو کیونکہ مٹی کھنکھانے میں کھنکھانے "خانے" کی سر و ڈھ کو ششیں کیں اور کیا فرما کر خدا ہے کہ فیضی صاحب کو نہیں اس چارہ اپنے جلا رہی کا طرہ اور اسلام و مٹی طبع اور کھنکھانے میں جاہت اور سر پا۔ ہر حال میں "جب تک اپنی کتاب" فیضی شامی اور سیاست "میں لکھتے ہیں کہ "در حقیقت فیضی بھی مولانا صاحب سہیل کے عمار کے اخراج کی تھے" جہاں ان کی اخراجیت کا دور بہت سے کوئی حالات قیام رہا ہے مٹی سے کوئی نیست اور وہ اس اپنی اسلامی شناخت سے کھلے اپنی حضور بنی شناخت سے ہی فیضی "اسلم کا سر" کا کلام پانچ تھے۔ ایک اپنے اخراجی کا کلام جس کا ذاتی نصب العین وہ لکھی قادی قادی ملک انکسار

فیضی صاحب کی کتاب "انسان نامہ" میں ہر اساقی اپنی "دور اقصیٰ" میں فیضی صاحب کے بارے کے شب و روز پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "میرزا پادشاہ میں ان کا دور بہت دیکھ کا مسلط علیہ منظر چشم کا تھا" کوئی قرآن مجید اور حدیث شریف کا درس لے رہا ہے تو کوئی صوفیائے کرام کی تصانیف طوع الخیب "کشف الکلب" "انصار و اطعم و قیرہ کے رسوم و رواج کھڑا ہے کوئی انگریزی اور ہندی ادب کی انجلیں پیش کر رہا ہے اور کئی نے ہر کسی چاہی کی نظر سے بحث شروع کر رکھی ہے۔"



ہے۔ وہ لڑائیوں و ممالک اور رنگ و ملت کی سرحد کی  
چھانگ چکا ہے۔ اس نے عجب دیکھا ہوتا ہے اس  
لیے صوفی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ کسی مخصوص  
عقائے ہی میں ہے۔ یہ تو ”اصلی کام ہے جہاں عقل  
کے پاس اختیار اکیٹ اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں ہے“  
اپنے نظریہ کی وضاحت اور اپنی مسطقی میں تضاد کی  
جائے ہم آہنگی کا احساس اور جہر کر نہیں۔ یہ وہ جو  
ہماری دینی فکر میں پہلے سے موجود ہے چکا تھا اور عقل  
نے اسے دہرائے بھی دیا جو لوگ اسے اجتہاد کی  
جہانے ”وہم“ تصور کرتے تھے انھیں اس کو دہرائی  
کے بیانیہ سبق پر کھینچ کر انھیں کرنی چاہیے۔

مردِ اختر اُن سے ایک منٹ کے دوران پہلے  
 ہیں۔ ”میں انسانوں سے جتنا دُعا برا آجاتا ہے  
 نہ ظلم اور مصلحت پسندی کے لئے نہیں رہا ہر گز  
 توں میں نے انھیں کیا کہ شر کے جو گہرے ہیں ان  
 میں گہرائی ہے جس سے دُعا برا ہو کر دُعا برا ہو  
 کے انھیں جہنم میں لے جائے گا۔“

[illegible]

موجودات سے اس کے دل کی جہ پائی دیتے ہیں۔  
 غامی طور سے انسانی وجود کی شہر کو دکھانے کے  
 دیتے چنانچہ ہم جاہل اور غم سے اس کو ایک ہی طرح  
 کے دیکھ رہے ہیں۔"

”فیصل کی بیٹی رانی ہیں کہ ایک کچھ فیصل نے سب کو اکٹھا کیا اور یہ کہ کر خبریں کو پکڑا دیا، تمہیں؟“

شیخ نے حسبِ وجہ پوچھا کہ نواز پر بھی فیصل ہمارے ہیں رانی تمہیں؟ مگر فیصل اس امر پر حیرت و استغاب کا اظہار کئے بغیر انہیں غصہ دے دیا۔

مختار اصیب اور ڈرامہ نگار اشفاق جو نقی صاحب کے بارے میں ان کی کتاب "نظام شرور" میں "طافی صوفی" کے نام سے نقی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں، نقی صاحب نے صوفی کلام کا کتاب کی سلسلہ میں بحث کر کے نہیں کیا۔ نہ ہی میرے علاوہ، تحقیق کے مطابق انہوں نے اور اپنے بارے میں کچھ لکھی ہے۔ انہوں نے صوفیوں کا تجزیہ اس اعتبار کیا ہے کہ صوفیہ ہے یا سنیہ ہے۔ اس کو بڑا گہری دیکھ بھال اور واضح کام ہے جہاں یہ اپنے یہاں دیکھا ہے۔ اس قدر گزرا کہ کچھ اور اس طرح سے گزرا۔ یہ صوفیوں کے کام ہیں۔ ان سب کو نقی صاحب نے اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے۔ صوفی سے طافی رنگ اختیار کیا ہے کہ اس طرح کا کھنڈر کہاتے مٹاتے ہیں کوئی لڑبھڑانے اور محبوب کا رد کر دینا۔ دلوں کو دلوں کا کچھ چھوڑ کر تے ہیں کہ وہ انہیں انکسار دے انکساروں تک۔

میرا تعلق چنگاں کوٹھنے خانہ دار سے ہے اور  
میں مسلمان باپوں کا چھوٹا بیٹا ہوں اور حکومت کو  
اسلام سمجھتا ہوں اس لیے میری رائے باپوں کی جیسا کہ  
کچن چنگاں کوٹھی کے پیلے پیلے خانہ دار جب چاہ  
میں سوچا کرتا ہوں کہ اگر تعلق صاحب حضور مراد  
نکات کے زمانے میں ہوئے تو ان کے چیلنے

خلاص میں سے ہوتے ہیں۔ جب بھی کسی چار یا تین پر  
تینوں میں سے کسی ایک کو دیکھا جاتا ہے تو غرضاً  
کبھی کبھی ضرور فرما دے: آج غرضی کو کھینچا ہے میرا ہے  
سارے ہے نہ ہر ہے احتجاج نہیں کرتا۔ پھر بھی کہا جاتا  
ہے: ہر سے ملنے پر غرضی کرتا ہے۔

تعلیمی صاحب کے پاس خدا شناسی کی فکرا ہے  
 بخیر اور آپ صاحب کے ساتھ ملتی ہے۔ دوسرے کا  
 پرہیز دینے والے تعلیمی کے شخص سے کوس دور ایک  
 ایسے پرہیزگاہ سے کہ نہ ہی اس پر اعتراض کرتے ہیں  
 جس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا یہ ملک۔ تعلیمی  
 صاحب نے ایک قرائد لکھا تھا جو ان کی کتاب ”مسرت  
 صبا“ میں شامل ہے۔ اس کا یہ ملک میں جہاں پر مسجد  
 اور مسجد ہیں، کے ساتھ کچھ کچھ صفت معنی سے آگے  
 بڑھی کھلی جا رہی ہے۔ وہاں جب بھی محکمہ خزانے  
 میں ملازم کی حشر کشی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو انہ  
 محکم کے ہندوئی کی ترہائی کا کاروبار میں کیا۔ تو انہ  
 قومی صفت اور ملی جبریت کا جس قدر دشمنوں اپنے اور  
 سوسے ہوئے ہے اس سے کہیں زیادہ اپنے اللہ خدا  
 شناسی اور اللہ کی کبریٰ چھاپہ لکھا ہے۔ اس کی کو ہر  
 اللہ میں شریعت الہی کا عقیدہ واضح اور صاف ہے۔ یہاں  
 شریعت حق پر ہے۔

ہزاروں میں دیباکھیں سب جاننے والے جانتے تھے کہ  
 لکھنے والے کو کچھ نہیں ہے۔ لکھنا پڑا تو اسے جاننے کے  
 اگر اسے سرسری انداز میں دیکھا تو یہ  
 ملک کے اہم اہل حق پر جاری قہر کو جان کر کہنے لگی  
 حشر کشی ہے۔ وہ حقیقت یہ حشر چاہے تو ہر مٹی میں  
 دم کیپہلے حشر سے قہر کرے گا تو ہر مٹی کے کس  
 کو کرنا ملے گا تو اس میں اس کا ہونا حشر حشر  
 حق کی اضافہ وہ حشر کو ہی ہوگا اس لیے اس حشر کشی  
 کی خوار و غلامی سے زیادہ اہم ہے۔ پھر دیکھا تو  
 آخرت کی کھنٹی سے اس لیے اس میں خوار و غلامی  
 لاف لاف کرنا کہ وہ حشر کو ہی ہوگا اس لیے اس حشر کشی

جس۔ اور ہادیٰ نے ایک ایسی عطا کی تھی جسے قرآنی آیت "اَللّٰهُ عَلِيْمٌ رَّحِيْمٌ" کے خاطر میں دیکھا جائے تو نوع انسانی کا کسی شکر تک عدم ہی مٹا ہے۔ اعلیٰ متصل کے مطابق مرنے اور پھر قیامت کے دن دوبارہ ملی اٹھنے پر یقینی کمال کو جو وہاں قرار دیا گیا ہے۔ جزا اور سزا کے لیے جو تائید کیے گئے احوال کے پاب اور بین کا حساب دیا گیا اور آج کا خطرہ نیست وکیل ہمارے گل کی کھیتی ہے اس خاطر میں اس ترانے کا دہرا اور تیسرا شعر سورۃ القادح کی قرآنی فکر اپنے اندر سونے سونے سے ملاحظہ فرمائیے

اے خاک ٹھٹھو اٹھ جیسو، وہ وقت قریب آچکا ہے  
بہشت فتح کرانے جاؤ گے، وہ دن آج پہلے جاؤ گے  
اپنے فوٹے کر کے گی انڈھریں، اب زندگانوں کی قبریں  
جو دہرا جہنم کے آٹھے ہیں ٹھکانے، خدا نے جانے کے  
اس سورہ میں سب احوال کی جست کا مفسر  
یوں بتاتا ہے۔ "وہ کھڑکھڑا اٹھنے والی۔ کیا ہے وہ  
کھڑکھڑا اٹھنے والی۔ اور تو کیا کھلا۔ کیا ہے وہ  
کھڑکھڑا اٹھنے والی۔ جس دن ہوں گے لوگ پٹھے  
جیسے ٹھکے ہوئے۔ اور پہاڑ ہوں گے جیسے زخمی  
ہوئی رنگی ہوئی اونچے۔ سورج کے احوال بدلتی ہوئی  
ہوں گے۔ اور آرام میں رہے گا۔ اور جس کے احوال  
چلے ہوں گے۔ اس کا خدا نہ کرے حساب۔ اور تو کیا کھلا  
وہ کیا ہے وہ؟ یعنی کوئی ناک ہے۔"

جاست کا یہ شعر بقیہ صاحب نے اس ترانے میں اپنی حدود پر مقرر کرنا نہ صلاحیت کے ساتھ تصور کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جس لوگوں کو بقیہ صاحب نے خاک ٹھٹھیں کہہ کر مخاطب کیا ہے "وہ حقیقت ہے اہل حق کی جماعت ہے جنہوں نے اس دنیا میں اہل مال و زر اور ممالک پر قابض قسۃ دنیا

کے دار جان کے ہر کے چھپے جس سب سے کام لیا اور جو انواع خداوندی کے قریب ہیں۔ ان کی دنیا کی کوئی اس دنیا میں ہی جلی ہوئی نہ ہو گی، یا سحرانی پھر سے کی اور کسی کام نہیں آئے گی جو ساری دنیا کی خداوندی عقل خدا سے کس پر چکا رہے۔

اپنی اس اہم میں بقیہ صاحب نے غصہ و رجا کو یوں مہلوس کر دیا ہے۔

ہم نام رہے گا اٹھ کا  
جو غائب بھی ہے حاضر بھی  
جو مٹھ کر بھی ہے باظر بھی  
آٹھے کا قاتل بھی کا غور  
جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو  
اور راج کر کے کی خلق خدا  
جو میں بھی ہوں اور تم بھی ہو  
پھر ایک بیکہ قرآنی فکر کے مطابق فرد عمل جو  
اور ہر اکو اس بیان کیا ہے۔

ہر ایک اپنی لاسر کو خدا  
کہ اپنی فرد عمل سنبھالے  
آٹھے کا جب ہم سر فروشن  
چڑھیں گے وہ دہریں کے لالے  
کوئی نہ ہو گا کہ جو چالے  
جو سزا سب بھیں پہ ہو گی  
بھی خطاب و قلوب ہو گا  
بھی سے آٹھے کا خود مفسر  
بھی خطاب و کتاب ہو گا  
بقیہ صاحب کے ہاں ہمیں آفاقیت کے مضامین ملتے ہیں۔ ان کا مہلوس انسانیت ہے اور انسانیت کا کوئی رنگ کوئی لہرہ اکلی نہاں نہیں ہے کہ اسے ان کے ادھیے بچانا ہائے۔ اہل انسانی حشر کی اقدار میں دیکھا نہیں اور خوشیوں اس پر ہے اور

لے کی ہے لوٹ آدھوں مثال میں جنہیں بقیہ صاحب نے بطور عام راج مہلوس کر دیا ہے۔ بقیہ صاحب کے ناقدین اپنی عقیدت میں یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جس بات میں آفاقیت کا مفسر مثال ہو اس کی صحت پوری کا ہوا کہ کوئی کویہ اور عقل نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم جو پوری ہی نوع انسانی کی روشنی و جانت کے لیے اتارا گیا ہے اس کا خطاب کوئی مسلمان یا سونے نہیں ہے بلکہ پوری اہل انسانی کو کیا لکھا انہیں "کہہ کر عربی" لگی کہ وہ کالے کی تفریق قلم کی گئی ہے۔ اسی قرآنی اعداد و فکر کے خاطر میں بقیہ صاحب کی رنگ و نسل جناب و شکستہ اور عقیدے سے کس طرحی خدمت کرتے ہوئے آفاقیت کے لادھل و دشمنوں کی صداقت کے طے بہار ہیں اور کسی بھی آفاقہ اصولی نظر سے اپنے م میں یہ باتیں پیدا ہوا سر کے طور پر مثال ہوتی ہیں مگر بقیہ صاحب کو سماجی دھول حضرت اہل و اہل غلامی کی طرہ "ظہور" کہا گیا اور انہیں دہلی دشمن قرار دے کر ساری فکر کا خطاب دیا گیا۔ بقیہ صاحب کے لیے رحمت خدا ہے کہ غلام ہونے سے پہلے بقیہ صاحب کی بہت ضروری ہے کہ بقیہ خدا کا اس مرد خود آگاہ ہے۔ صرف سنے سنانے پر پہنچنے کے وقت قصص کا لگاؤ نہ ہو گیا بلکہ اس کی حقیقت پہنچانے اور غلامی کے ہاں جو اس واقعہ قصص کے لیے ہاں سنے کیجے خارج کیا جاتا ہے اسے بقیہ کی فکر کو سمجھنے پر غور کرنے کے بعد ہی کوئی یہ اختیار کرنا ہوتا ہے۔ جو وہی بقیہ صاحب نے فیض حاصل کر سکا اس کے لفظوں و رنگت کی کاروں کی کوئی نہیں لکھا ہے۔ ہم نے اس کوئی لکھا ہے اور محسوس نہ کر سکتے ہیں کی وجہ سے ہے۔

☆☆☆☆



"اب فیض صاحب ہماری تاریخ کا بھی ایک حصہ بن گئے ہیں۔ وہ تاریخ جو کہ فراموشی ہو کر گئی بلکہ جو عقلی زندگی کو کہتے ہیں جو ہماری ایک جڑ کا ایک اہم Living Past ہے جس سے ہم اہل Present متاثر ہوتا ہے جو ہماری زندگی کا ایک Living Impulse، ایک زندہ قوت، محرک ہے۔"

کرشمی

☆

"فیض کی شاعری میں ایسی زندگی اور محسن ہے جس کی ساری روح اگلے کے دکھوں پر غور و فکر کے لئے ہی ہر دوں پر آجاتی ہے اور ایک ایسا صحت مند قصہ ہے جس کی شاعری کو چنر (MORBID) یا فتنہ (MELANCHOLIC) نہیں مانتے۔ دیکھو، یہ قصہ ان کے ہاں ایک فکری تحریک (INTELLECTUAL MOVEMENT) کی صورت اختیار کر گیا ہے مگر خیال پردہ ہی کیا ہے اور ان کو کتا کے بچے اور زخمی بچے یا کتا رہتا ہے۔"

اکرام ربیعانی

☆

"فیض کا سب سے بڑا اکمل تو یہ تھا کہ جو کچھ ان کی فکری زندگی کے باوجود ان کی انسانیت سے محبت کو اپنی زندگی کی جڑ بن گیا تھا، ان کی شاعری اس سے بڑھ کر انسانی اور انسانی کا عقیدہ، قصہ اور ان کی مثال میں اس سے متحرک نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ ان کی زندگی کا حصول ہو گیا۔"

فیض احمد فیضی

☆

"فیض کی شاعری شخصیت کی ترکیب میں عناصر سے ملتی ہے بلکہ جن عناصر سے اس میں وزن و قافیہ پیدا ہوتا ہے وہ اپنے دور کے ان عناصر سے ملتی ہیں۔ ان کے عناصر انسانی ہیں اور ان سے ان کی ایک سوچ نکلتی ہے۔ ان کے عناصر انسانی ہیں اور ان سے ان کی ایک سوچ نکلتی ہے۔ ان کے عناصر انسانی ہیں اور ان سے ان کی ایک سوچ نکلتی ہے۔ ان کے عناصر انسانی ہیں اور ان سے ان کی ایک سوچ نکلتی ہے۔"

فیض احمد فیضی

☆

"وہاں میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں کہ جن کے نام سے ان کا ملک بچا جاتا ہے۔ پاکستان کی جگہ اس سالہ زندگی میں جن کی جگہ ان کی شخصیات کو یہ امر حاصل ہوا ان میں فیض احمد فیض کا نام بھی شامل ہے۔ فیض صاحب نے اپنے ملک کی بچکانہ عقل اور عالمی سطح پر ان کی زندگی میں ان کی شخصیات کو یہ امر حاصل ہوا ان میں فیض احمد فیض کا نام بھی شامل ہے۔"

آغا ناصر

☆

"ایک روز تو تھا جب شیراز اور اہل خانہ سے آئے دہلے حافظہ و حس کی اشعار لکھتے تھے کہ ہمارے دور میں فیض احمد فیض ہی جو صورتِ محسن اور انسان سے ان کی پرائیویٹ شاعری کی سب سے عمدہ اور اعلیٰ سوچ لگاتے تھے اور اپنی عمر بھر یہ وہ موضوعات ہی جو ہمیں اپنے سر اٹھوانے تھے ان کی دماغی صلاحیت کے بل بوتے پر ان کی انسانی اور انسانی کا عقیدہ، قصہ اور ان کی مثال میں اس سے متحرک نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ ان کی زندگی کا حصول ہو گیا۔"

فیض احمد فیضی

## ”میرے دل اُتے قیامت گزر چلی اے میں کیہہ کراں!“

بھابی کے مکرر دور حضور شاہ استاد داسن لے ہسپتال سے بلال ڈانٹنے لگی کہ مرحوم بھتیجے کا آخری وعدہ کیا تھا۔ وہ استاد داسن کا بھتیجے کے انتقال کی خبر کی خبر پر بہت کر دے گئے انہوں نے اپنے ملاقاتیوں سے بھتیجے کے ساتھ گزشتہ سو دنوں کے لئے وقفہ کر دیا کہ کیا ہر وقت کے اپنے حیرانوں کو گھر کر دیا کہ وہ انہیں بھتیجے کا آخری وعدہ کر دے کیلئے بال ڈانٹ لے جائیں۔ استاد داسن اپنے ہم پندہ سے بھتیجے کی میت کے پاس ہر یک چمکے۔ وہ میت کو عام لوگوں کے ہمارے لئے باور لایا گیا تب بھی استاد داسن میت کے پاس بیٹھے دے رہے۔ بھتیجے بھالی انفرزیاں ہر وقت کی کول نہیں مسلسل جاتا رہے۔ وہ بھتیجے کا جنازہ بھالی کیا تو استاد داسن ایک بار پھر بہت کر دے گئے ان کے ایک بڑا گھر میں نے جب ان سے کہا کہ صوفی آپ جو بھتیجے اپنے کام پر بھلا کر دے رہے گا آپ کو دیتا دیکھ کر ہمارا حوصلہ بھی کمزور ہو جاتا ہے تو استاد داسن نے اپنی کمزور نگاہیں آواز میں کہا ”میں خیر نہیں کر سکتا اکی۔ میرے دل اُتے قیامت گزر چلی اے میں کیہہ کراں۔“ جو کہ وہ بھلا کر دے گئے۔ پھر اس استاد داسن کو ان کے دو دایاں ہمارے کہ مولا گازی تک اے تو ان کے لئے قوم افغان بھی بھلا کر دے۔ پھر ہے کہ استاد داسن دل کے عارضہ شکر اور سانس کی تکلیف کے باعث چند دنوں سے سرور ہسپتال میں داخل تھے۔ بھتیجے صاحب کے انتقال کے بعد ان کی حالت کوئی بھلی گئی اور 3 دسمبر کی شام ہمارے چرخ دوست کے راستے پہنچا ہے۔



بھتیجے صاحب بھالی کے بھائی بی بی ہر گز سے بھلا کر دے ہیں



## یہ قرض اُتر جائے

ہم مشکور ہیں

جناب انکار عارف محترمہ سیدہ ہاشمی محترمہ خیزہ ہاشمی محترمہ شعیب ہاشمی محترمہ اعظمہ جاوید محترمہ ڈاکٹر یونس جاوید محترمہ ہاشمی جاوید محترمہ مہرورش محترمہ ذوالفقار حسین ذلی اور دیگر تمام اسباب کے جنہوں نے اس سلسلے میں ہماری مواد اور شعوروں سے اعانت فرمائی۔

اس شمارے میں متعدد پچھلے کتب و رسائل سے استفادہ کیا گیا۔

- |  |  |
|--|--|
| ☆ "فیض فن و شخصیت" نمبر "مرتبہ صابروت        | ☆ ماہنامہ "انکار" کراچی فیض نمبر               |
| ☆ ماہنامہ "چمک" لاہور                        | ☆ "ذکر پار" فیض قاضی نشین                      |
| ☆ "شبستان" وطنی فیض نمبر                     | ☆ ماہنامہ "سپینک" لاہور                        |
| ☆ "ادب لطیف" لاہور فیض نمبر                  | ☆ ہفت روزہ "عز و عہد" لاہور                    |
| ☆ "نیا دور" (کتاب سلسلہ)                     | ☆ ماہنامہ "سرگزشت" کراچی                       |
| ☆ "عہد نامہ" (کتاب سلسلہ)                    | ☆ "فیض کے سفری حوائے" مرتبہ شفاق حسین          |
| ☆ "صحبت کے ماحول" مرتبہ کامریہ عوید احمد خان | ☆ "گمشدہ لوگ" آغا ناصر                         |
| ☆ ماہنامہ "جھانکشی" کراچی                    | ☆ "فیض احمد فیض شاعر اور شخص" ڈاکٹر آفتاب احمد |



## ہماری دستاویزی قلمیں



| نمبر شمار | نام                            | دورانیہ | نمبر شمار | نام                          | دورانیہ |
|-----------|--------------------------------|---------|-----------|------------------------------|---------|
| 1-        | خارہ انٹرکال                   | 20 منٹ  | 18-       | مرزا طالب (اردو)             | 80 منٹ  |
| 2-        | 35MM/VHS (بلیک پنڈوانت)        | 20 منٹ  | 19-       | 35MM/VHS                     | 30 منٹ  |
| 3-        | آرکائیو کچنر این پاکستان       | 30 منٹ  | 20-       | پاکستان پاکستان پیڈ (انگلش)  | 30 منٹ  |
| 4-        | 35MM/VHS                       | 30 منٹ  | 21-       | 35MM/VHS                     | 30 منٹ  |
| 5-        | آسٹ این پاکستان (انگلش)        | 30 منٹ  | 22-       | پاکستان کوئے پورایت          | 30 منٹ  |
| 6-        | 35MM/VHS (بلیک پنڈوانت)        | 30 منٹ  | 23-       | (انگلش) VHS/ U.Matic /35MM   | 20 منٹ  |
| 7-        | یختہ آف پاکستان (انگلش)        | 30 منٹ  | 24-       | کاروشن (اردو)                | 30 منٹ  |
| 8-        | 35MM/VHS (بلیک پنڈوانت)        | 20 منٹ  | 25-       | 35MM                         | 30 منٹ  |
| 9-        | گجل بریج آف پاکستان (اردو)     | 20 منٹ  | 26-       | لیا کماے اکال (اردو)         | 30 منٹ  |
| 10-       | 35MM/Betacam                   | 20 منٹ  | 27-       | 35MM/U.Matic                 | 30 منٹ  |
| 11-       | پلڈر ان آف پاکستان             | 30 منٹ  | 28-       | پاکستان پوراملا (انگلش/عربی) | 30 منٹ  |
| 12-       | 35MM/VHS/U.Matic               | 30 منٹ  | 29-       | U.Matic/35MM                 | 30 منٹ  |
| 13-       | کری ایڈ چنڈ (انگلش)            | 30 منٹ  | 30-       | ولی آف سوانٹ (اردو)          | 30 منٹ  |
| 14-       | 35 MM/U.Matic                  | 20 منٹ  | 31-       | 35MM                         | 70 منٹ  |
| 15-       | گودھارا آسٹ (انگلش)            | 20 منٹ  | 32-       | پاکستان سنوئی (اردو)         | 30 منٹ  |
| 16-       | 35MM/U.Matic                   | 20 منٹ  | 33-       | VHS/ 35MM                    | 30 منٹ  |
| 17-       | گرینڈ ہاؤسٹن پاکستان (انگلش)   | 10 منٹ  | 34-       | پاکستان ایڈیشن سلیپر         | 30 منٹ  |
| 18-       | 35MM                           | 30 منٹ  | 35-       | 35MM (انگلش)                 | 30 منٹ  |
| 19-       | کری ڈش ان پاکستان (اردو/انگلش) | 20 منٹ  | 36-       | پاکستان پورک ایڈ (انگلش)     | 30 منٹ  |
| 20-       | 35MM/U.Matic/VHS               | 20 منٹ  | 37-       | 35MM/U.Matic                 | 30 منٹ  |
| 21-       | برنی قزو پاکستان (اردو/انگلش)  | 30 منٹ  | 38-       | تاجا عظیم (اردو)             | 30 منٹ  |
| 22-       | 23MM                           | 30 منٹ  | 39-       | 35MM VHS                     | 30 منٹ  |
| 23-       | لکس ان پاکستان (اردو)          | 20 منٹ  | 40-       | سوال بحرانی۔ پاکستان (انگلش) | 30 منٹ  |
| 24-       | 35MM                           | 20 منٹ  | 41-       | 35MM/ VHS/U.Matic            | 30 منٹ  |
| 25-       | وٹکیر آف پاکستان (اردو)        | 20 منٹ  | 42-       | سپیکر فی آف پاکستان (اردو)   | 30 منٹ  |
| 26-       | 35MM/VHS                       | 20 منٹ  | 43-       | 35MM                         | 30 منٹ  |
| 27-       | سویان جہاز (انگلش)             | 20 منٹ  | 44-       | ولی افیس (اردو)              | 30 منٹ  |
| 28-       | 35MM                           | 20 منٹ  | 45-       | 35MM                         | 30 منٹ  |
| 29-       | سولیز ان پاکستان (انگلش/اردو)  | 30 منٹ  | 46-       | الامریل کرکٹ آف پاکستان      | 30 منٹ  |
| 30-       | 35MM/UHS/U.Matic               | 30 منٹ  | 47-       | 35MM                         | 30 منٹ  |
| 31-       | برج سلسلہ                      | 30 منٹ  | 48-       | اردن سیریل (انگلش)           | 30 منٹ  |
| 32-       | 35MM/VHS                       | 30 منٹ  | 49-       | 35MM                         | 30 منٹ  |
| 33-       | وہیلڈ ایک ان پاکستان (اردو)    | 30 منٹ  | 50-       | ایم ایڈ نیلری (انگلش)        | 30 منٹ  |
| 34-       | 35MM                           | 30 منٹ  | 51-       | 35MM/VHS /U.Matic            | 30 منٹ  |

المطبخ

مفتی محمد رفیع الرحمن صاحب دفتری، دارالافتاء اسلامیہ، دارالحدیث، دارالعلوم دیوبند، پاکستان۔  
 فون: 030-2536228، 030-2536229، 030-2536230، 030-2536231، 030-2536232، 030-2536233، 030-2536234، 030-2536235، 030-2536236، 030-2536237، 030-2536238، 030-2536239، 030-2536240، 030-2536241، 030-2536242، 030-2536243، 030-2536244، 030-2536245، 030-2536246، 030-2536247، 030-2536248، 030-2536249، 030-2536250، 030-2536251، 030-2536252، 030-2536253، 030-2536254، 030-2536255، 030-2536256، 030-2536257، 030-2536258، 030-2536259، 030-2536260، 030-2536261، 030-2536262، 030-2536263، 030-2536264، 030-2536265، 030-2536266، 030-2536267، 030-2536268، 030-2536269، 030-2536270، 030-2536271، 030-2536272، 030-2536273، 030-2536274، 030-2536275، 030-2536276، 030-2536277، 030-2536278، 030-2536279، 030-2536280، 030-2536281، 030-2536282، 030-2536283، 030-2536284، 030-2536285، 030-2536286، 030-2536287، 030-2536288، 030-2536289، 030-2536290، 030-2536291، 030-2536292، 030-2536293، 030-2536294، 030-2536295، 030-2536296، 030-2536297، 030-2536298، 030-2536299، 030-2536300، 030-2536301، 030-2536302، 030-2536303، 030-2536304، 030-2536305، 030-2536306، 030-2536307، 030-2536308، 030-2536309، 030-2536310، 030-2536311، 030-2536312، 030-2536313، 030-2536314، 030-2536315، 030-2536316، 030-2536317، 030-2536318، 030-2536319، 030-2536320، 030-2536321، 030-2536322، 030-2536323، 030-2536324، 030-2536325، 030-2536326، 030-2536327، 030-2536328، 030-2536329، 030-2536330، 030-2536331، 030-2536332، 030-2536333، 030-2536334، 030-2536335، 030-2536336، 030-2536337، 030-2536338، 030-2536339، 030-2536340، 030-2536341، 030-2536342، 030-2536343، 030-2536344، 030-2536345، 030-2536346، 030-2536347، 030-2536348، 030-2536349، 030-2536350، 030-2536351، 030-2536352، 030-2536353، 030-2536354، 030-2536355، 030-2536356، 030-2536357، 030-2536358، 030-2536359، 030-2536360، 030-2536361، 030-2536362، 030-2536363، 030-2536364، 030-2536365، 030-2536366، 030-2536367، 030-2536368، 030-2536369، 030-2536370، 030-2536371، 030-2536372، 030-2536373، 030-2536374، 030-2536375، 030-2536376، 030-2536377، 030-2536378، 030-2536379، 030-2536380، 030-2536381، 030-2536382، 030-2536383، 030-2536384، 030-2536385، 030-2536386، 030-2536387، 030-2536388، 030-2536389، 030-2536390، 030-2536391، 030-2536392، 030-2536393، 030-2536394، 030-2536395، 030-2536396، 030-2536397، 030-2536398، 030-2536399، 030-2536400، 030-2536401، 030-2536402، 030-2536403، 030-2536404، 030-2536405، 030-2536406، 030-2536407، 030-2536408، 030-2536409، 030-2536410، 030-2536411، 030-2536412، 030-2536413، 030-2536414، 030-2536415، 030-2536416، 030-2536417، 030-2536418، 030-2536419، 030-2536420، 030-2536421، 030-2536422، 030-2536423، 030-2536424، 030-2536425، 030-2536426، 030-2536427، 030-2536428، 030-2536429، 030-2536430، 030-2536431، 030-2536432، 030-2536433، 030-2536434، 030-2536435، 030-2536436، 030-2536437، 030-2536438، 030-2536439، 030-2536440، 030-2536441، 030-2536442، 030-2536443، 030-2536444، 030-2536445، 030-2536446، 030-2536447، 030-2536448، 030-2536449، 030-2536450، 030-2536451، 030-2536452، 030-2536453، 030-2536454، 030-2536455، 030-2536456، 030-2536457، 030-2536458، 030-2536459، 030-2536460، 030-2536461، 030-2536462، 030-2536463، 030-2536464، 030-2536465، 030-2536466، 030-2536467، 030-2536468، 030-2536469، 030-2536470، 030-2536471، 030-2536472، 030-2536473، 030-2536474، 030-2536475، 030-2536476، 030-2536477، 030-2536478، 030-2536479، 030-2536480، 030-2536481، 030-2536482، 030-2536483، 030-2536484، 030-2536485، 030-2536486، 030-2536487، 030-2536488، 030-2536489، 030-2536490، 030-2536491، 030-2536492، 030-2536493، 030-2536494، 030-2536495، 030-2536496، 030-2536497، 030-2536498، 030-2536499، 030-2536500، 030-2536501، 030-2536502، 030-2536503، 030-2536504، 030-2536505، 030-2536506، 030-2536507، 030-2536508، 030-2536509، 030-2536510، 030-2536511، 030-2536512، 030-2536513، 030-2536514، 030-2536515، 030-2536516، 030-2536517، 030-2536518، 030-2536519، 030-2536520، 030-2536521، 030-2536522، 030-2536523، 030-2536524، 030-2536525، 030-2536526، 030-2536527، 030-2536528، 030-2536529، 030-2536530، 030-2536531، 030-2536532، 030-2536533، 030-2536534، 030-2536535، 030-2536536، 030-2536537، 030-2536538، 030-2536

